جنگ میکیاولی سے ہٹلر تک

تالیف

ایڈورڈ میڈ ارل

تلخیص و ترجمہ

بریگیڈیر گلزار احمد

مکتبہ جدید

جنگ ——

میکیاولی سے
ہٹلر تک

جنگ
میکیاوِلی سے ہٹلر تک

تالیف

ایڈورڈ میڈ ارل

تلخیص و ترجمہ

بریگیڈیر گلزار احمد

مکتبہ جدید — لاہور

باراول : ۱۹۶۲ء

طابع : نقوش پریس لاہور

ناشر : رشید احمد چودھری ، مکتبۂ جدید — لاہور

بالاشتراک : مکتبہ فرینکلن — لاہور — نیویارک

ترتیب

دیباچہ

ایڈورڈ میڈارل

جیساکہ مسٹر والٹر ملس نے کہا ہے "جب جنگ ہماری زندگی کو گھیر لیتی ہے تو معاً ہمارے معاشرے کے ہر شعبے کو للکارتی ہے۔ ہمارے تمدن کے اقتصادی نظام کا جواز، اس کے سیاسی اداروں کی سالمیت، اس کی صنعت و حرفت کی طاقت، اس کی خارجہ پالیسی کی اساس اور موزونیت، غرضیکہ ہماری زندگی کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں رہ جاتا جس پر وہ اثر انداز نہ ہوتی ہو۔ بعض دفعہ تو جنگ کی شدت انہیں بالکل ہی بدل دیتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

مگر جنگ خدا کی طرف سے نہیں۔ یہ ان اسباب سے وجود میں آتی ہے جو افراد کار پردازانِ مملکت اور قوموں کے اعمال اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں مختصراً یوں کہنا چاہیئے کہ یہ قومی پالیسی کا اور بعض اوقات پالیسی کے نقصان کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور جب ایک بار قوم کی قسمت کو جنگ کے بے رحم ہاتھوں میں دے دیا جاتا ہے تو فتح اور شکست بھی ہمارے اپنے اعمال یا بے عملی کے سبب ہمیں نصیب ہوتی ہے۔

یہ حقائق اتنے واضح ہیں کہ ہماری جنگی پالیسی کو محض سپاہیوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا شدید غلطی ہوگی۔ اسی طرح قوم کی جنگی پالیسی کو صرف کار پردازانِ مملکت کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا بھی غلط ہوگا۔ بلکہ سپاہیوں اور کار پردازانِ مملکت کے متفقہ فیصلے پر تکیہ کرنا بھی کسی طرح درست نہ ہوگا۔ قومی تزویرات صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہیں جب انہیں سمجھدار شہریوں کا اعتماد حاصل ہو۔ ضروری ہے کہ وہ اپنی قومی تزویرات کی کامیابی پر اپنی جانیں، اپنی تمام طاقت اور اپنی عزت و آبرو تک قربان کر دیں۔ ایک جمہوری نظام کے ادنیٰ سپاہی تک کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کون سا اصول ہے جس کے لئے وہ اپنی جان قربان کر رہا ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جدید تزویرات جنگ کی تاریخ پیش کی جائے۔

ہماری رائے میں آزادی کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ خطرات کا پہلے سے اندازہ کر لیا جائے۔ نیز امن کے قیام کے لئے ہمیں اِس بات کا کامل علم ہونا چاہئے کہ بین قومی معاشرے میں عساکر کا مقام کیا ہے اور ان کے فرائض کیا ہیں۔

ظاہر ہے کہ تزدیرات کا تعلق جنگ کی تیاری اور طریقِ کار سے ہے۔ یہ وہ فن ہے جو فوجوں کی کمان، مہمات کی منصوبہ بندی اور ان کی کارفرمائی سے متعلق ہے۔ یہ تدبیرات سے مختلف ہے جس کا تعلق عین میدانِ جنگ میں فوجوں کے استعمال تک محدود ہوتا ہے۔ آجکل معاشرہ نہایت ہی پیچیدہ ہو گیا ہے اور چونکہ جنگ کا معاشرے سے بہت قریبی تعلق ہے اس لئے جنگ کے مسائل پر غور کرتے وقت بہت سے غیر جنگی معاملات پر نظر رکھنی پڑتی ہے آج اقتصادیات، نفسیات، اخلاقیات، سیاسیات اور فنی و تکنیکی موضوعات بھی جنگی مسائل کے دائرے میں آ چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تزدیرات کے ذریعے محض ایامِ جنگ کے مسائل ہی نہیں حل ہوتے بلکہ ہر زمانے میں امورِ مملکت سلجھانے کے لئے یہ معاون ثابت ہوتی ہے۔ آج صرف محدود مفہوم کی تزدیرات کو فوجی کمان کا فن کہیں گے۔ درحقیقت یہ فن ہے جس کے ذریعے ملکی و قومی یا ملکوں اور قوموں کے اتحاد کے تمام وسائل کا صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اِن وسائل میں ان کی افواج بھی لامحالہ شامل ہوں گی۔ تزدیراتِ عظیم وہ فن ہے جو ملکی وسائل، اس کی افواج اور اس کی پالیسی کا ایسا امتزاج وجود میں لاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اوّل تو جنگ کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال جنگ کی طرف رجوع کرنا ہی پڑے تو اس اقدام میں کامیابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ کتاب تزدیرات کے اسی وسیع مفہوم پر روشنی ڈالے گی۔

چونکہ عصرِ جدید کے فنِ تزدیرات میں بہت سے غیر فوجی مسائل بھی شامل ہیں۔ اس لئے ان صفحات پر بہت سے غیر فوجیوں کے نام بھی نظر آئیں گے۔ اس کے برعکس کئی نامور سپاہی اس فہرست میں نظر نہ آئیں گے۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہو گی کہ وہ تزدیرات کی بجائے تدبیراتِ جنگ کے ماہر ہوں گے اور یا اس لئے کہ انہوں نے تزدیرات سے متعلق کوئی ایسا قول اپنے بعد کی نسلوں کے لئے نہ چھوڑا ہو گا جس کی وجہ سے انہیں یاد کیا جاتا۔ عصرِ حاضر کا سب سے بڑا

سپہ سالار نپولین بھی اپنے لئے مستقل اور علیحدہ مضمون حاصل نہیں کر سکا۔ نپولین نے اپنی تزویرات کو کتابوں کے صفحات پر نہیں چھوڑا بلکہ اس نے تزویرات کو میدانِ جنگ پر ثبت کیا تھا۔ اس لئے اس کی نمائندگی اس کتاب میں اس کے دو معروف مترجم کلازوٹز اور شامینی کر رہے ہیں۔

ان مضامین کے مصنفین کی آرا ضروری نہیں کہ مؤلف اور مترجم کے ساتھ مطابقت کریں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کا آپس میں اتفاق رائے ہو۔ البتہ میکاولی سے ہٹلر کے زمانے تک کی بعض مشہور تزویراتی آرا اس کتاب میں شروع سے آخر تک پیش کی جائیں گی۔ مثال کے طور پر براتی جنگ اور مکمل تباہی کی جنگ، چال کاری کی جنگ کے مقابلے میں مورچہ بند جنگ، جنگ اور معاشرے کی تشکیل میں باہم تعلق اور دوسری طرف اقتصادی امد فوجی طاقت کا توازن، اور ایمان کا بطور ہتھیار کے استعمال۔ فوج میں انضباط کی اہمیت اور پیشہ ور فوج کے مقابلے میں شہری فوج کا استعمال۔ فوج کے بعض فنی نکات اس قدر بین قومی صورت اختیار کر چکے ہیں کہ تزویرات پر بحث کرتے وقت قومی اور ملکی حدود کو بارہا عبور کرنا پڑتا ہے اسی طرح خیالات اور تصورات بھی ملکی حدود کو باربار قطع کرتے ہیں۔ مثلاً تجارتیت، آزاد تجارت، آزادی، مساوات، اخوت، کلیت، اجتماعیت، سالمیت، جو سب کے سب جنگ کی وجوہات اور اس کے جاری رکھنے سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ مگر قومی عوامل عام طور پر فیصلہ کن عوامل ثابت ہوتے ہیں۔ یہ عوامل ایک حد تک تو قومی سیرت کے بنیادی اختلافات اور قوموں کی نفسیات کی خاص اٹھان کے باعث ہوا کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ ملک کے سیاسی، معاشری اور اقتصادی ڈھانچے کا براہِ راست نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۸۷۰ء سے جرمن قوم جارحانہ جنگ کی قائل رہی ہے۔

اور دوسری طرف برطانیہ دفاعی جنگ اور اقتصادی ضرب کے دیرپا اثرات کے متعلق سوچ بچار کرتا رہا ہے۔

فنی سیاست اور تزویرات، سیاسی ذمہ داریاں اور فوجی طاقت، یہ سب ناقابل تقسیم ہیں۔ ایک قوم کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے قومی مفاد کو صحیح طور پر سمجھے اور پھر ان ذرائع کا فیصلہ کرے جو ان مفاد کو ترقی دے سکتے ہیں۔ چونکہ ان ذرائع کا استعمال

ہی تزویرات کا فن ہے اس لئے ضروری ہے کہ ملک کے افراد تزویرات کے بنیادی اصولوں کو سمجھ سکیں۔

ہماری رائے میں افواج کے اراکین بھی اس کتاب کو اسی شوق سے دیکھیں گے جس شوق سے عوام اور بین قومی مسائل کے طالب علم۔ مثال کے طور پر تدبیرات اور تزویرات کے ماہرین ہمیشہ سے اس مسئلے پر بحث کرتے آئے ہیں کہ مہاجمی جنگ بہتر ہے یا دفاعی جنگ۔ یہ محض فوجی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس میں اور بہت سے پہلو شامل ہو جاتے ہیں جن میں تاریخی، معاشرتی اور اقتصادی پہلو پیش پیش ہوتے ہیں۔ انیسویں صدی میں نئے نئے ہتھیار، خصوصاً کل رفل اور آب دوز دفاع کو مضبوط بناتے رہے مگر ٹینک اور ہوائی جہاز نے آکر اس رجحان کو بدل دیا۔ معاشرتی اداروں اور صنعتی فنیت نے عجیب وغریب یارِ غار پیدا کئے ہیں۔ انجلز، لینن اور ٹراٹسکی جیسے انقلابی مُوٹون ٹفارف جیسے قدامت پسند کے ساتھ جنگ کے سحرکن مطالعہ اور جنگ آرائی کے وسائل پر باہم غور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جوں جوں معاشرہ صنعت پذیر ہوتا جارہا ہے فنِ جنگ بھی پیچیدہ ہوتا جارہا ہے اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اعداد وشمار اور تدبیراتی عوامل، تزویرات جنگ پر اثر انداز ہونا شروع ہو گئے ہیں حالانکہ یہ دونوں اصولاً اس کے تابع رہنے چاہئیں۔ ہٹزن ہاور یا دیول کے پائے کے تیز و پرکار کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اس کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے منٹگمری کے پائے کا تدبیرکار بھی موجود ہو۔ ان بے انداز فنی تیاریوں کی وجہ سے جو آج کل کی مہمات کی ابتدا سے پہلے لازمی ہو گئی ہیں۔ تزویراتی منصوبے میں صریح تبدیلیاں قریب قریب ناممکن ہو گئی ہیں۔ جب ایک بار حلبو کی حرکت شروع ہو جائے تو اس کی داخلی رفتار ہی اسے ایک خاصے وقفے کے لئے آگے لئے جاتی ہے۔ خارجی اثرات مثلاً سیاسی اور دوسرے بین قومی کھچاؤ اسے فوراً روک نہیں سکتے۔

جدید حالات میں فوجی معاملات اس شدت سے اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور نفسیاتی حقائق کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں کہ شاید ہی ہم خالصتہً فوجی تزویرات کے متعلق

ذکر کر سکیں۔ بسقوطِ فرانس کے موقع پر ہٹلر کے مخالفین ابھی سترھویں صدی کی زبان میں سوچ بچار کر رہے تھے۔ اِس زبان میں جس میں سیاست اور جنگ، تزویرات اور تدبیرات، کسی حد تک علیحدہ علیحدہ کئے جا سکتے تھے۔ آج ہمارے زمانے میں سیاست اور تزویرات کے الجھے ہوئے مسائل میں چنداں فرق نہیں رہا

آج جنگ ہم سب کی توجہ کا مرکز بن چکی ہے اور چونکہ اب یہ ساجھے کا معاملہ بن گیا ہے۔ اِس لئے ہر ایک شخص کو احساس ہونا چاہئے کہ یہ اس کا اپنا معاملہ ہے اس کے یہ معنے ہوئے کہ جنگ میں پوری قوت درکار ہوگی اور زمانۂ امن میں (جیسا کہ زمانۂ جنگ میں) وسعتِ نظر کی ضرورت ہے اور اسی مقدس ضرورت کے نام یہ کتاب منسوب کی جاتی ہے ؛

حصّہ اوّل

جدید جنگ کا آغاز

سولھویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک

پہلا باب

میکاولی

فنِ جنگ کی نشاۃ ثانیہ

(از فیلکس گلبرٹ)

"بہت سے اکابر کی رائے میں شہری اور فوجی زندگی میں بُعدِ مشرقین ہے۔ البتہ اگر ہم حکومت کی ماہیت پر غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ ان دو حالتوں میں نہایت گہرا اور مستقل رشتہ موجود ہے۔" ان الفاظ سے میکاولی اپنی کتاب "فنِ جنگ" کی ابتدا کرتا ہے۔ اس کے یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اُسے فوجی معاملات سے کتنا لگاؤ تھا۔ بایں ہمہ وہ ان معاملات کی طرف ایک فن کار کی حیثیت سے رجوع نہیں کرتا۔ وہ اپنی سیاسی زندگی میں دیکھ رہا تھا کہ فوجی طاقت کس طرح سیاسی میدان میں فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے اور وہ اس نتیجے پر نہیں تھا کہ ریاست کی بقا اور اس کی برتری صرف اسی صورت ممکن ہے جب اُسے ریاست کے فوجی معاملات کو اُس کی سیاسیات میں مناسب اور صحیح مقام دیا جائے۔ وہ اپنی کتاب "اصول" میں لکھتا ہے: "صحیح ہتھیاروں کے بغیر صحیح قوانین کا امکان نہیں۔ اور جہاں اچھے ہتھیار موجود ہوں۔ وہاں لامحالہ اچھے قوانین موجود ہوں گے۔" وہ مشورہ دیتا ہے "اس لئے والئ ریاست کو جنگ، اس کی تنظیم اور فوجوں کے انضباط کے علاوہ کسی مسئلے پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کی کتاب "مباحث" بھی اِن ہی مسائل سے پُر ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ "ملک کی بنیادوں کا استحکام اچھی فوجی تنظیم پر منحصر ہے۔"

(۱)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ میکاولی نے اپنی تمام توجہ اس مسئلے

پر مرکوز کر دی کہ سیاست اور عسکری تنظیم لازم و ملزوم ہیں۔ اس کی زندگی کے حالات کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے تجربات سے یہ اخذ کیا تھا کہ جہاں کہیں فوجی طاقت موجود ہوتی ہے سیاست پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس نے اپنے آبائی شہر کی آزادی اس لئے سلب ہوتے دیکھی تھی کہ اس کے شہر والے اپنی عسکری تنظیم کو درست کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ اطالیہ اس کمزوری کی وجہ سے اپنی آزادی کھو کر خارجی طاقت کی غلامی سے بچ نہ سکا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ غائر مطالعہ کیا جائے۔ عسکری تنظیم کی تبدیلیوں اور معاشری و سیاسی زندگی کی نئی اٹھان میں جو تعلقات تھے وہ صرف دور رس نگاہ ہی دیکھ سکتی تھی۔ بادی النظر میں ان نئے حالات کی وجہ کچھ اور معلوم ہوتی تھی۔ سرسری نگاہ سے دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ بارود کی ایجاد اور بندوق کی آمد نے زرہ پوش شہسواروں کا دور دورہ ختم کر دیا ہے۔ در اصل شہسواروں کی طاقت ختم ہو جانے کی یہ وجہ حقیقت سے بہت دور تھی۔ عسکری اداروں کی تاریخ کسی دور کی عام تاریخ سے علیحدہ نہیں کی جا سکتی۔ روحانی اور اقتصادی طور پر شہسوار جسے یورپ نائٹ کہہ کے پکارتا تھا۔ اُس کے وسطی دور کی پیداوار تھا۔ اس دور کی معاشری ساخت کچھ اس طرح کی تھی کہ بہت سے طبقات بنے ہوئے تھے۔ ان طبقات کی درجہ وار حد بندی کی جا چکی تھی اور دنیاوی درجات ختم ہونے کے بعد ان سب کے اوپر خدا کی کارفرمائی کبھی جاتی تھی۔ ہر ریاست اپنے اندر تمام پہلو لئے ہوئے تھی ان میں دینی پہلو بھی شامل تھا۔ ہر دنیاوی کارگزاری کو دینی رنگ دیا جا چکا تھا۔ شہسواروں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس نظام کا دفاع کریں یعنے جب وہ جنگ میں شامل ہوتے تھے تو وہ اپنے خدا کے احکام کی پابندی کرتے تھے۔

وسطی دور کی فوجیں خاص مقاصد کے لئے یک جا کی جاتی تھیں اور ہمیشہ صرف ایک ہی مہم کی خاطر۔ یہ فوجیں اس وقت تک یک جا رہتیں جب تک یہ مہم ختم نہ ہو جاتی۔ فوجی ملازمت کے غیر مستقل سے رنگ کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان فوجوں کی جنگی قابلیت اعلیٰ پیمانے کی نہیں ہوتی تھی اور ان میں انضباط کا قائم رکھنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا تھا

چونکہ جنگ میں شرکت ایک دینی فریضے کی ادائگی سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے جنگ وجدال کے متفقہ آئین اور روایات کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔

یہ عسکری تنظیم وسطی دور کے معاشرتی نظام کی خاص پیداوار تھی۔ اس لئے جب اس نظام کی بنیادوں میں تبدیلیاں واقع ہوئیں تو عسکری مسائل پر بھی ناگزیر اثر پڑنا شروع ہوا جب تجارت کے فروغ اور روپے کی بہتات نے وسطی دور کے زمینداری نظام کی جڑوں کو ہلا دیا تو ان نئے حالات کا عسکری اداروں پر فوری اثر ہوا۔ اب والئی ریاست یا بادشاہ ان لوگوں سے روپیہ وصول کر سکتا تھا۔ جو فوجی خدمات انجام دینا نہ چاہتے تھے۔ اس کے برعکس وہ ان شہسواروں کو مستقل طور پر اور جنگ کے بعد بھی اپنے پاس رکھ لیتا جو روپیہ قبول کرنے پر رضامند ہو جاتے۔ اس طرح بادشاہوں نے مستقل اور قائم پیشہ ور فوج کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو اپنے جاگیرداروں کی گرفت سے آزاد کر لیا۔ یہ عمل بتدریج رُو پذیر ہوا البتہ یہ اپنی انتہا کو اٹھارھویں صدی میں پہنچا۔

طاقتور ملکوں مثلاً فرانس۔ اراگون اور انگلستان کی فوجوں میں جاگیرداروں کے دستے اور پیشہ ور فوج دونوں بیک وقت پائے جاتے تھے۔ البتہ اس عصر کی تاجر ریاستیں جو اٹلی کے شہروں پر مشتمل تھیں۔ تمام تر پیشہ ور فوجوں پر بھروسا رکھتی تھیں۔ اس لئے اٹلی میں باقی پیشوں کی طرح فوج کی ملازمت بھی ایک پیشہ بن گئی جسے ملک کے دوسرے شعبوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

سرمایہ داری اور اقتصادِ زر نے فوجوں کی بھرتی کے میدان کو بھی وسیع کر دیا تھا۔ روپے کی بہتات نے بہت سے ایسے طبقات کو بھی فوج سے قریب کر دیا جن کی روایات غیر فوجی تھیں۔ اس طرح نئے غیر فوجی طبقات کے در آنے سے نئے ہتھیار اور لڑائی کے نئے طریقوں کی قبولیت میں دیر نہ لگی۔ تیرانداز اور پیادہ صد سالہ جنگ کے دوران فرانس اور انگلستان کی فوجوں میں داخل ہوئے۔ مراٹے اور ننیسی (۱۴۷۶ء) کی جنگوں میں جب چارلس دلیر کے شہسوار، سوئیس پیادہ کے مربعہ کو نہ توڑ سکے تو انہیں شکست فاش ہوئی۔ یوں اس دور کی عسکری تنظیم میں پیادہ نے اپنا مقام پیدا کر لیا تھا۔

بارود کی ایجاد کی اہمیت ان ہی باتوں کے پس منظر میں متعین کی جا سکتی ہے۔ اولاً افتقادِ زر کا وجود، دوم جاگیردارانہ نظام کے والئ ریاست کا اپنے جاگیرداروں کی گرفت سے آزادی کا جذبہ اور سوم عسکری نظام میں تجربات کی جانب وہ رجحان جو جاگیردارانہ نظام کی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا۔

آتشی ہتھیار اور توپخانہ ان تبدیلیوں کا باعث ہرگز نہ تھے۔ ہاں وہ ان نتائج کے برآمد ہونے میں معاون ضرور ثابت ہوئے۔ اولاً انہوں نے والئ ریاست کو اپنے جاگیرداروں کے مقابل پہلے سے مضبوط تر بنا دیا۔ توپخانہ صرف وہی رکھ سکتے تھے جو زیادہ امیر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ توپخانہ کے اخراجات صرف طاقتور ریاستیں ہی برداشت کر سکتی تھیں۔ لہٰذا اس نے ان کی پہلی طاقت کو اور بھی مضبوط بنانے میں معاونت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی جاگیروں کی سابقہ آزادی سلب ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے قبل وسطی دور میں شہسوار یعنے یورپ کا نائٹ اپنے قلعے کے اندر نہایت ہی محفوظ تھا اور بیرونی حملوں سے اسے چنداں خدشہ نہ ہوتا تھا۔ وسطی دور کے یہ قلعے البتہ توپخانے کے خلاف اثر پذیر واقع ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عسکری توازن اب عسکری جارحیت کی طرف مائل ہو گیا۔

لشکر آراؤں کی تبدیلی اور نئی عسکری فنیت نے عسکری تنظیم کی روح پر بھی اپنا اثر کیا۔ اخلاقی روایات، اور رسم و رواج جو جاگیرداری نے صدیوں کے بعد مربوط شکل میں پیش کئے تھے۔ فوج میں داخل ہونے والے اُن نئے طبقات کے لئے بے اثر تھے جو اب فوج میں داخل ہو رہے تھے۔ حالت یہ تھی کہ اب فوجی خدمات کو دینی فرض نہیں تصوّر کیا جاتا تھا اسے محض ذریعۂ معاش سمجھا جاتا تھا۔ اب اس قسم کے اخلاقی مسائل پیش ہونا شروع ہوئے کہ آیا فوجی ملازمت جو انسانوں کے قتل کا باعث بنتی ہے اس میں شامل ہونا گناہ تو نہیں۔ اٹلی اور یورپ کے دوسرے متمدن ترین حصوں میں لوگوں نے پیشہ ور سپاہی اور سپہ گری سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دی۔ پرانی قدریں بدل چکی تھیں۔ اب ایک نیا زمانہ کروٹیں لے رہا تھا۔

سیاسی نظریات میں عام طور پہ تبدیلی صرف اسی صورت میں ہوتی ہے جب کوئی غیر معمولی

سیاسی حادثہ ماقبل نظام کو درہم برہم کر دے۔ ایسی ہی صورت اس وقت پیدا ہوئی جب ۱۴۹۴ء میں چارلس ہشتم کے زیرِ قیادت فرانسیسی فوج مضبوط توپخانہ سے ملبس ہو کر سوئس پیادہ کے ساتھ اٹلی میں داخل ہوئی اور اس کے سیاسی نظام کو تہ و بالا کر دیا۔ گیوکیارڈینی جو میکاولی کا دوست اور نامور مؤرخ تھا اس واقعے کے متعلق لکھتا ہے۔ "اٹلی کے لئے نہایت ہی بدبخت سال ... ہر شے تہ و بالا ہو گئی تھی ... جیسے کہ کوئی زبردست طوفان آ گیا ہو ... اب جنگیں سریع رفتار اور شدت پذیر ہو گئی تھیں۔ پوری مملکت اس عرصہ سے بھی کم میں فتح ہو جانے لگی جس میں پہلے ایک گاؤں پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ سیاست دانوں کی قابلیت اور پُرمغز مباحث کی بجائے اب فوجی مہمات اور سپاہی کی تلوار نے ملکوں اور ریاستوں کے مستقبل کے متعلق فیصلے صادر کرنا شروع کر دیے۔" ان الفاظ سے اٹلی کے باشندوں کا وہ استدلال ظاہر ہوتا ہے جو وہ اپنی شکست کے متعلق پیش کرتے تھے۔ اقتصادی اور ذہنی پہلوؤں سے فرانسیسی تہذیب اطالوی تہذیب پر فوقیت حاصل کر چکی تھی مگر وہ اپنی شکست کا سبب بدلتی ہوئی عسکری فنیت کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ اپنا قصور محض اس فنیت کو حاصل نہ کرنے تک محدود کرنا چاہتے تھے۔ اطالوی حیران تھے مگر حیرانی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ ان کا وطن یورپ کے سپاہیوں کے لئے ناموری پیدا کرنے کے لئے بازیگاہ بنا ہوا تھا اور اس میدانِ جنگ کے رہنے والے تماشائی سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ اطالیہ کے مستقبل پر غور و فکر کرنے والے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اگر اطالوی اپنے وطن میں آزاد قوم کی حیثیت سے رہنا چاہتے تھے تو ضروری تھا کہ وہ اپنے عسکری اداروں کی ازسرِنو تنظیم کریں اور یوں بیرونی بربریت کا مقابلہ کرنے کے اہل بنیں۔

جہاں تک میکاولی کا تعلق تھا اس پر اس پُرانقلاب دور کا اثر نہایت شدید ہوا۔ وہ فلارنس کی سیاست میں عملی حصہ لے رہا تھا اور وہیں اس نے عسکری تنظیم کے تجربات حاصل کئے اور یہ بھی دیکھا کہ یہ تنظیم کس طرح کے سیاسی نتائج کا موجب بنتی ہے۔ سوڈرینی کے عہد میں میکاولی کا سیاسی زندگی میں حصہ محض ایک اتفاقی امر نہ تھا۔ چانسری میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے میکاولی اس گروہ سے متعلق تھا جو سوڈرینی کا منظورِ نظر

تھا سوڈرینی کو اس نوجوان کی قابلیت بھانپنے میں دیر نہ لگی۔ اس نے اسے اپنے قریبی دائرے میں کھینچ لیا۔ اور اہم سفارتی اور تنظیمی کاموں پر لگا دیا۔ اس وقت پیسا کو دوبارہ فتح کرنے کی مہم سوڈرینی کے دور حکومت کا سب سے اہم مسئلہ تھا۔ اور میکاولی اس مسئلے کے سب سے ضروری پہلو یعنی فوجی تنظیم میں عملی طور پر شریک تھا۔

پیسا نے فرانسیسی حملے کی پیدا کردہ ابتری سے فائدہ اٹھا کر خود کو فلارنس سے آزاد کر لیا تھا۔ خیال رہے کہ پیسا کی بندرگاہ دریائے آرنو کے دہانے پر واقع ہے سوڈرینی کی حکومت کا استحکام پیسا کو دوبارہ فتح کر لینے پر منحصر تھا۔ ہر سال بہترین اطالوی پیشہ ور سپاہی فلارنس کی ملازمت میں داخل ہوتے۔ نہایت دلیرانہ اور عجیب و غریب منصوبے تیار کیے جاتے حتیٰ کہ دریائے آرنو کا رخ بدل کر پیسا کو پانی سے محروم کرنے کا منصوبہ بھی سوچا گیا مگر پیسا فتح نہ ہو سکا۔ اس سے فلارنس کی ساکھ پر برا اثر پڑا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ کیا یہ خود میکاولی کی تجویز تھی۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ جس یادداشت کے مطابق ۱۵۰۵ء کا قانون مرتب ہوا اسے میکاولی ہی نے تیار کیا تھا۔ اس قانون کے مطابق ۱۸ اور ۳۰ کے درمیان بالغ مردوں کے لئے فوجی بھرتی جبری قرار دی گئی۔

فلارنس کے باشندے اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔ اس کی زد میں کانٹے ڈوہ کی آبادی اور ٹسکنی کی وہ زراعت پیشہ آبادی لائی گئی جو فلارنس کی حکومت کے تحت تھی۔ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا تھا کہ شہری زندگی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ سال میں دو مرتبہ دیہات کی آبادی مرکزی قصبوں میں دو روز کے لئے حاضری دیتی۔ جہاں انہیں بڑی تشکیلات میں منظم کیا جاتا۔

گو یہ لام بندی نیم مستعدی سے کی گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی کامیابی کا تمامتر دارومدار میکاولی کی بردباری اور محنت پر تھا۔ افسروں کا چناؤ بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔ جب ریلیشیا پیسا کے سامنے چھاؤنی ڈالے ہوئے تھا تو اس کی رسد کا انتظام بھی میکاولی کے ذمے تھا۔ ملیشیا کی فوجوں نے پیسا کا محاصرہ جاڑوں میں بھی جاری رکھا۔ اور جب اہالی پیسا کو رسد نہ پہنچنے دی گئی تو وہ ۱۵۰۹ء میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

ملیشیا کی اس کامیابی نے فلارنس والوں کا اعتماد اس نئی تنظیم میں بڑھا دیا اور دو سال بعد جب شہنشاہ نے میڈیسی کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تو فلارنس والوں نے ملیشیا پر ہی بھروسا کیا۔ مگر وہ شہنشاہ کی تربیت یافتہ فوج کی تاب نہ لا سکے اور ان کے بُری طرح شکست کھانے کی وجہ سے میڈیسی کامیابی سے اپنے شہر میں دوبارہ برسر اقتدار ہو گئے۔

اس واقعہ نے میکاوکی کی سیاسی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اب جو بے عملی کا زمانہ اسے مجبوراً گزارنا پڑا۔ اس میں وہ عمل سے ہٹ کر تخیل کی دنیا آباد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ عملی سیاست کی بجائے اب اس نے سیاست کے اصولوں کی طرف رجوع کیا۔ سیاسی اور فوجی طاقت کے مابین جو رشتہ ہے اس نے اس پر غور کرنا شروع کیا۔ اور داخلی تجربات کی بنا پر اپنے زمانے کے فوجی بحران کا مطالعہ خارجی محسوسات کے طور پر کرنا شروع کیا۔ اس حیثیت سے وہ جدید یورپ کا پہلا عسکری مفکر بنا۔

(۲)

میکاولی کا عسکری معاملات میں شوق سے حصّہ لینا فطری امر تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں عسکری تنظیم کو سیاسی ماحول پر حاوی ہوتے دیکھا تھا۔ اس لیے میکاولی کے عسکری اصولوں کا تجزیہ صرف اس کی فوجی تصنیف "فنِ جنگ" تک ہی محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی سیاسی اور تاریخی تصانیف "اصول"، "مباحث" اور "فلارنس کی تاریخ" میں بھی جنگ اور عسکری تنظیم کا مقام نہایت اہم ہے۔ "فنِ جنگ" عسکری اصلاحات کے واضح پروگرام سے متعلق ہے۔ "اصول" اور "مباحث" میں جہاں کہیں عسکری معاملات پر بحث کی گئی وہ منفی قسم کی ہے اور یہ عام طور پر اس زمانے کے عسکری اداروں کی نکتہ چینی پر محمول ہے۔

کانڈیٹری جو اس دور کی کرائے کی فوج کے کرتا دھرتا بلکہ مالک ہوا کرتے تھے۔ وہ اور ان کی سوار کمپنیاں تو خاص طور پر اس کی نفرت کا ہدف بنیں۔ وہ لکھتا ہے: "ان میں اتحاد مفقود تھا۔ ان کی شخصی اغراض کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ حد درجہ جاہ طلب تھے۔ ان میں انضباط نام کو نہ تھا۔ بے وفا، دوستوں میں دلیر اور دشمنوں کے درمیان بزدل۔ نہ خدا کا خوف اور

نہ اپنے عہد و پیمان کا پاس[1]"۔ ان کے متعلق اس کے ایسے ہی خیالات "تاریخ فلارنس" میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اغیاری کی لڑائی میں "جو شام کے آٹھ بجے سے نصف شب تک جاری رہی، صرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔ وہ بھی اپنے گھوڑے سے گرا اور پیروں تلے روندا گیا[2]"۔ ماسے نیلا کی لڑائی میں: "ایک آدمی بھی نہیں مارا گیا تھا صرف چند گھوڑے زخمی ہوئے تھے۔ اور طرفین نے چند قیدی جمع کر لئے تھے[3]"۔ میکاولی اس کی وجہ یہ پیش کرتا ہے کہ کانڈیٹری اور ان کی فوجیں اس لئے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھیں۔ کہ جنگ میں ان کی شرکت محض کرایہ کے سپاہی کی سی ہوتی تھی۔ چونکہ سپاہی ہی کانڈیٹری کا راس المال تھا۔ وہ انہیں ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف کم مدت کی جنگیں بھی کانڈیٹری کے مفاد کے خلاف تھیں۔ وہ ملازمت کو کھو دینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جب فتح یقینی ہوتی تھی اس وقت بھی وہ جنگوں کو طول دے دیتے تھے اور ایک ایک جنگ کی کئی مہینیں بنا ڈالتے تھے۔ میکاولی نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ پیادہ کی طرف سے جو کوتاہی اطالیہ میں برتی گئی تھی۔ اس کی تہ میں بھی کانڈیٹری کے معاشی مفاد موجود تھے۔ پیادہ سپاہی کے استعمال سے ان کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

میکاولی کے اس بیان کے خلاف اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پندرھویں صدی کے آخری برسوں میں کانڈیٹری فوجی اصلاحات کی طرف متوجہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ گو ان کی تعداد کم تھی پھر بھی انہوں نے پیادہ اور توپخانے کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اگر انہوں نے اکثر طول طویل چال کاری کی جنگوں کو مستحسن سمجھا تو یہ سب غیر اختیاری طور پر ان سے سرزد ہوتا تھا۔ ان کی تزویرات کا رخ پندرھویں صدی کے اطالیہ کی سیاسیات پر منحصر تھا۔ اطالیہ میں اس وقت چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا وجود تھا۔ ان کا رقبہ کم اور ان کے وسائل اس سے بھی کمتر تھے اور ان کی طاقت ایک دوسرے کے برابر برابر تھی۔ لہٰذا ان کے لئے بڑے پیمانے پر

---

[1] "اصول" باب دوازدہم (آپیرا ص ۲۵)

[2] "تاریخ فلارنس" کتاب چہارم۔ باب ششم (آپیرا۔ ص ۴۷۵)

[3] " " کتاب پنجم۔ باب سی و سہ (" " ۵۲۸)

قومی اصطلاحات پر عمل درآمد کرنا غیر ممکن سا تھا۔

میکاولی بھی اطالیہ کی اس سیاسی حالت اور اس کی فوجی مشین کی فرسودگی کے باہمی تعلق سے ناواقف نہ تھا جس جذبے سے اطالوی اپنی جنگیں لڑتے تھے اس جذبے میں بنیادی خرابیاں تھیں "جہاں انسان ایک دوسرے کو قتل نہ کریں، جہاں شہر تباہ نہ کئے جائیں اور جہاں ملک برباد نہ ہوں اسے جنگ نہیں کہا جا سکتا۔"[57] دشمن کے ملک کی مکمل تباہی جنگ کا اصل مقصد ہونا چاہئیے۔ حقیقی جنگ جہد للبقا ہے اور ایسے مقابلے میں ہر بات کی اجازت ہوتی ہے۔ میکاولی کستروشیو کسترا کانی کے متعلق بنظر استحسان کہتا ہے۔ "اگر وہ دھوکہ دے کر جیت سکتا تو وہ لڑائی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کیا کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ فتح اصل شے ہے جس سے فاتح کو بلند نامی نصیب ہوتی ہے۔ اُسے حاصل کرنے کے طریق کار پر توجہ دینا بے سود ہے۔"[58] میکاولی کی نگاہ میں ایک سپہ سالار کو اپنے تئیں محض فوجی معاملات کی معلومات تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہئیے۔ میکاولی کے انقلابی نظریات کا پس منظر یہ تھا کہ وہ سلطنت کو ایک زندہ شے سمجھتا تھا۔ اور اس کے خیال کے مطابق ریاست کے تمام وسائل اس کی مادی قوت، اور ذہنی و روحانی طاقت کا امتحان ایام جنگ میں ہوتا ہے۔

میکاولی پر اکثر یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ اس نے توپخانہ کی ایجاد کا صحیح مقام متعین نہیں کیا اور اس نے جنگ میں زرہ کی ضرورت کا اندازہ بہت کم لگایا ہے۔ اگر اس کے نظریۂ جنگ کی اساس پر غور کیا جائے تو ان نکات پر بھی اس کی رائے صائب اور منطقی طور پر درست نظر آتی ہے۔ "مباحث" میں اس کا مشہور باب ہے جو "آج کل کی فوجوں میں توپخانے کا مقام اور اس کے متعلق جو تمام نظریات ہیں ان کی درستی یا نادرستی" پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس باب میں اس موضوع پر بحث نہیں کی گئی کہ توپخانے کی ایجاد سے جنگ پر کیا اثر پڑے گا۔ وہ صرف اس کے ایک ہی پہلو سے متعلق ہے یعنے جنگ کے اس نئے ہتھیار کی ایجاد سے جرأت اور اقدام پر کیا اثر پڑے گا۔

"زرہ جنگ کا اوزار نہیں گو عام طور پر اسے ایسا تسلیم کیا جاتا ہے"[59] کے عنوان کے تحت

---

[57] "تاریخ فلارنس" کتاب پنجم۔ باب اوّل (آ پیرا۔ ص۔ ۴۰۹)

[58] "مباحث" کتاب چہارم باب چہل و یک۔ (آ پیرا۔ ص۔ ۲۵۶)

[59] "مباحث" کتاب دوم۔ باب دہم (آ پیرا ص۔ ۱۵۲-۱۵۳)

وہ اس فیصلے پر پہنچتا ہے کہ "زر کے بجائے صرف اچھے سپاہی ہی جنگ میں فتح کے ضامن ہو سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے کہ اچھے سپاہیوں کو تحصیلِ زر سے کوئی شے روک نہیں سکتی ۔ البتہ زر اچھے اچھے سپاہیوں کو خرید نہیں سکتا ۔" میکاولی کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ جنگ میں زر و مال کی اہمیت کو کم ظاہر کرے مگر اس کے ذہن میں اطالیہ کے شہروں فلارنس اور میلان کا تصور تھا ۔ جو بے بہا دولت کے باوجود بیرونی خطرات کے سامنے سرنگوں ہو گئے ۔ در اصل اس کا نظریہ یہ تھا کہ سیاسی طاقت کی اساس عسکری قوت پر ہے اور مالی طاقت کو اسی وقت سیاسی طاقت کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے جب اسے پہلے عسکری قوت میں تبدیل کر لیا جائے ۔

میکاولی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ تمام خصائل جن کا میدانِ جنگ میں موجود ہونا ضروری ہے اس ذہنی کیفیت میں عنقا ہوتے ہیں جو تجارتی کاروبار سے پیدا ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ واضح طور پہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ فلارنس کے باشندوں کے ذہنوں پر جو اثر ان کے تجارتی کاروبار نے ڈال رکھا تھا ۔ اسی اثر نے فلارنس کو سیاسی اعتبار سے کمزور کر دیا تھا ۔ جو ریاست سیاسی اقتدار کی خواہاں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سیاسی مفاد کو سب سے بلند مرتبہ دئے رکھے ۔ اس کے خیال میں ذاتی مفاد اور تن پروری کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے عسکری خصائل رفتہ رفتہ زائل ہو جاتے ہیں اور یہ حالت اس معاشرے میں پیدا ہوتی ہے جو مال و زر اور تجارت پر مبنی ہو ۔ صرف وہی قوم ناقابلِ تسخیر فوج کے سپاہی پیدا کر سکتی ہے ۔ جس کے افراد کو شخصی مفاد سے زیادہ اپنے ملک کی مضبوطی اور بلندی کا خیال ہو اور جو اپنے سیاسی نظریات کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے اور جان دینے کے لئے تیار رہوں ۔

وہ پیادہ فوج کو ترجیح دیتا ہے جو جبری بھرتی کے اصول پر تیار کی گئی ہو ۔ ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے لئے سیاسی اصلاحات کی ضرورت ہو گی ۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہوتی ہے وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ۔ جمہوریت اور جبری بھرتی میں ہمیشہ ایک خاص نسبت رہی ہے ۔

ان باتوں کے باوجود قاری اگر یہ امید کرے کہ اُسے میکاولی کی "فنِ جنگ" میں کوئی ایسا طریقہ نظر آ جائے ۔ جس سے ان تمام نظریات کو عملی جامہ پہنایا جا سکے تو اُسے سخت مایوسی ہو گی ۔

وہ اپنے نظریات کو یہ کہہ کر درست ثابت کرتا ہے کہ یہ زمانۂ قدیم میں بھی صحیح تھے۔ وہ اپنی آرا، کی تائید میں سب سے بڑی دلیل بس یہ پیش کر سکا کہ رومی فوج بھی جبری پیادہ پر مشتمل تھی۔ اس خیال کی متحرک سب سے زیادہ ویجی ٹی اس کی "ڈی رے ملٹے ٹاری" تھی۔ اس کی اپنی تصنیف بھی ایسے ہی مضامین سے متعلق تھی۔ مثلاً سپاہیوں کا چننا، سازوسامان، سپاہیوں کی تربیت، جنگ کی حقیقت اور ایسے مختلف حادثات جو لڑائی کے دوران میں پیش آسکتے ہوں۔ کوچ کی تجویز اور خیمہ زنی اور قلعہ بندی کا فن۔

ایسے مقامات بھی ہیں جہاں وہ اپنے مثالی رومی نظام سے ہٹ جاتا ہے۔ سب سے نمایاں مثال وہ ہے جہاں وہ ویجی ٹی اس سے اختلاف رکھتا ہے اور جنگ میں لڑائی کی اہمیت پر زور توجہ دیتے ہوئے لڑائی کی اہمیت نہایت صاف اور واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "اگر (ایک سپہ سالار) لڑائی جیت جاتا ہے تو وہ اس کی تمام خامیوں اور غلطیوں کا ازالہ کر دیتی ہے"[۷] اور پھر "لڑائی ہی وہ منتہیٰ مقصود ہے جس کے لئے تمام فوجیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ اس لئے انہیں منضبط کرنے کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔"[۸] یعنے لڑائی ہی جنگ کی انتہا ہے۔

میکاولی نے لڑائی کا تصور کچھ اس طرح باندھا جیسے وہ خوب روغن شدہ پرزہ بندی سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس زمانے میں جب ایک بار لڑائی شروع ہو جاتی تو پھر اقدام کے لئے بہت کم مواقع ملتے تھے۔ جو تربیت سپاہی لڑائی میں شامل ہونے سے پہلے حاصل کرتا تھا وہ اسی لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی

جتنا زور میکاولی لڑائی پر دیتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے انضباط کی طرف سے خاصا خدشہ رہتا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑائی کے علاوہ جس بات پر وہ "فن جنگ" میں بار بار زور دیتا ہے وہ انضباط ہی ہے۔ "نظم اور ضبط جوانوں کو دلیر بناتا ہے۔ اور بدنظمی بزدل"[۹] "انضباط جرأت سے زیادہ کارگر ہے اور قوت محض پر فوقیت رکھتا ہے۔ بہت کم لوگ فطرتاً دلیر ہوتے ہیں۔ البستہ

---

[۷] "لڑائی کا فن" (ڈاپیرا۔ ص۔ ۲۷۵)

[۸] " " (" " ۳۰۳)

[۹] " " (" " ۳۹۲)

نظم و ضبط اور تجربہ بہتوں کو دلیر بنا دیتا ہے۔"[1]

جہاں تک میکاولی کا تعلق ہے فوجی انضباط کے دو اہم پہلو ہیں۔ اولاً فرداً فرداً ہر سپاہی کو ہتھیاروں کا بنیادی استعمال سکھانا اور اسے تشکیل میں کام کرنے کا عادی بنانا ہوتا ہے انضباط کا اس سے بھی زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ فوج کو چھوٹے چھوٹے تدبیراتی دستوں میں منقسم کرنا ہوتا ہے تاکہ لڑائی میں قابو قائم رہے۔ وہ مشورہ دیتا ہے کہ رومی خیل کو نمونہ بنایا جائے۔ سب سے بڑی وحدت بٹالین ہوگی جس کی تعداد لیجن کی طرح ۶۰۰۰ سے ۸۰۰۰ تک ہوگی۔ اسی طرح بٹالین کو چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جن میں سے ہر ایک کا اپنا علیحدہ افسر ہوگا۔ اس کی رائے میں فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۵۰۰۰۰ جوان ہونی چاہیئے۔

میکاولی کے خیال میں ہر ملک کی فوج کے لئے تنظیم کی ایک خاص شکل ہونی چاہیئے۔ یہی اس کے عسکری خیالات کا بنیادی اصول ہے۔ وہ اصولوں کو سامنے رکھ کر اجمالی طور پر بحث کرتا ہے۔ اور اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ اس نے تفاصیل سے گریز کیا ہے۔ اس لئے اس کے عسکری خیالات کی تہ میں عسکری تجربات کا فقدان ہے۔

مختصراً یہ کہنا درست ہوگا کہ جو خیالات "فنِ جنگ" میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اگر صرف انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو اس تصنیف کے خطوط مدھم سے محسوس ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے تاکہ دنیا کی عسکری تصانیف میں اس کا صحیح مقام قائم کیا جاسکے۔ ورنہ خدشہ ہے کہ جو اہم درجہ اسے حاصل ہونا چاہیئے وہ اسے نہیں دیا جاسکے گا۔ عسکری ادب کی بنیاد اسی تصنیف سے ڈالی گئی اور اسی بنیاد پر آج تک یہ عمارت قائم ہے۔ بلکہ جن خطوط پر میکاولی نے اس کی تعمیر شروع کی تھی انہی خطوط پر اب بھی یہ تعمیر جاری ہے۔

(۳)

"فنِ جنگ" کو عسکری افکار کا شاہکار مانا گیا ہے۔ گو سترھویں صدی میں بدلتے ہوئے طرزِ جنگ نے اور بہت سے مصنفین کو پہلی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ بایں ہمہ میکاولی کی تصنیفات

---

[1] "لڑائی کا فن" (آپیرا۔ ص۔ ۲۶۲)

سے اکثر حوالہ جات پیش کئے جاتے تھے۔ اٹھارھویں صدی میں مارشل سیکسے اپنی تصانیف کی اساس بڑی حد تک میکاولی پر رکھتا ہے۔ جب اُس نے "فنِ جنگ پر تنقید" اور "الگروٹی" کو پیش کیا اس کا ثبوت کہیں پیش نہیں کیا۔ البتہ اس نے دعویٰ ضرور کیا کہ میکاولی ہی وہ استاد تھا جس نے فریڈرک کو اس کی حیرت ناک اور کامیاب جنگوں کی تدبیرات کا راستہ سمجھایا۔ اس کے باوجود انیسویں صدی میں جب بحیثیت سیاسی مفکر کے اسے نئی زندگی اور نئی بلندیاں نصیب ہوئیں تو اس کا اثر بحیثیت عسکری مفکر کم ہونا شروع ہو گیا۔ بعض افراد ایسے بھی تھے جن کی نگاہ میں وہ اب بھی جدید جنگ کا نقیب تھا جس نے انقلابِ فرانس اور جبری بھرتی کے متعلق پیش بینی کی تھی۔ دوسروں نے اس پر اس لئے نکتہ چینی کی کہ وہ توپخانے کی اہمیت کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔ یہ لوگ رومی خیل کی سفارش کو عسکری معاملات کی حقیقت ناآشنائی اور عملی تجربے سے ناواقفیت پر محمول کرتے ہیں۔

اس مبحث میں سچ اور جھوٹ یک طرفہ سے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر میکاولی نے جبری بھرتی کی جو سفارش کی، اس سے اس کی نکتہ چینیوں کی تائید ہوتی ہے۔ زر کی بڑھتی ہوئی طاقت اور شاہی آمریت کا تقاضا تھا کہ مستقبل قریب میں قائم پیشہ ور فوجوں ہی کا دور دورہ ہوگا۔ جو حالات موجود تھے ان میں قومی فوجوں اور رومی خیل کے متعلق سوچنا محض ایک خواب سا تھا۔

دوسری طرف میکاولی کا توپ خانے کو اہمیت نہ دینا صحیح استدلال پر مبنی تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ فنی اختراعات کے باوجود جنگ کے بنیادی اصولوں میں فرق نہیں آیا تھا۔ علاوہ ازیں میکاولی کی یہ سفارش کہ رومی خیل کی تنظیم کو قبول کیا جائے۔ اس قدر غیر عملی نہ تھی۔ جتنی کہ وہ آج بادی النظر میں معلوم ہوتی ہے۔ رومی خیل ہی وہ نقشہ تھا جس سے سولھویں صدی کی اصلاحات میں رہبری حاصل ہوئی۔ توپخانے سے متعلق میکاولی کے نظریات کو حرفِ آخر سمجھ کر اس کا صحیح مقام قرار دینا بھی غلطی ہوگا۔ ان پر تنقید کرنے کے لئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس کے نظریات معاملے کو ایک نئے زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں یا نہیں۔

میکاولی کو عصرِ حاضر کا پہلا عسکری مفکر کہا گیا ہے۔ وہ پہلا آدمی نہیں تھا جس نے عسکری معاملات میں اپنے آپ کو مصروف رکھا ہو، البتہ اس نے عسکری معاملات پر بحث کا مقام نہایت بلند کر دیا۔

اور وہ اصول وضع کئے جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جنگ سے متعلق تنقید پیش کرنی چاہئے اور جنہیں عسکری معاملات پر غور کرتے وقت نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

میکاولی اور اس کے پیشرو عسکری مصنّفین کے خیالات میں کچھ مطابقت ضروری ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے مرکزی خیالات وافکار میں کسی دوسرے سے کچھ مستعار نہیں لیا۔ اس کی یہ تجویز کہ فوج کا انحصار پیادہ پر ہونا چاہئے۔ یا یہ کہ لڑائی پر ہی جنگ کے اختتام کا دارومدار ہے۔ علاوہ ازیں جس شکل میں وہ جنگ کا تصور پیش کرتا ہے وہ اس سے ماقبل مصنّفین کے ہاں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ بلکہ جہاں تک ان نظریات کا تعلق ہے وہ اپنے پیشرؤں کے نظریات سے بالکل مختلف خیالات پیش کرتا ہے۔ اور وہ سب میکاولی کے اس نقشۂ جنگ سے وابستہ نہیں۔ جو اس کی اپنی اختراع ہے۔ وہ جنگ کو ایک قسم کی عضوی جہد للبقار سمجھتا ہے جنگ ناگزیر ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ جنگ ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ کون سا ملک زندہ رہے گا اور وہی ترقی کرنے اور تباہ ہونے کا فتویٰ صادر کرتی ہے۔ اس لئے جنگ کا اختتام فیصلہ کن ہونا چاہئے۔ اور جلد فیصلہ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ لڑائی ہی ہے۔ لڑائی کی اس بنیادی اور مرکزی اہمیت کی وجہ سے اس کا فیصلہ محض اتفاق پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کے لئے تیاری کرنا از حد ضروری ہو جاتا ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو فتح کا یقین کر لیا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ عسکری تنظیم کو از سرِ نو دیکھا جائے کہ آیا وہ فتح کے حصول میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہی نہیں بلکہ سیاسی اداروں کی تشکیل ایسی ہونی چاہئے کہ وہ ملک کی عسکری ضروریات کو پورا کر سکیں۔ میکاولی کے عسکری نظریات آپس میں گندھے ہوئے ہیں اور وہ ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کوئی جرثومہ یا زندہ سی شے ہے جس کا ہر عضو دوسرے کا معاون ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس کے اس فلسفے کا جزو ہے۔ جو سیاست اور جنگ کے مسائل کے متعلق وہ پیش کرتا ہے۔

تاریخ کا وہ دور جس میں میکاولی کی پیدائش ہوئی اور اس کی زندگی کے تجربات یقیناً اس کے فلسفے کو خاص نہج پر ڈھالنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس دور کی عسکری ایجادات، نئے ہتھیاروں کا وجود میں آنا اور پیادہ فوج کا ظہور، یہ سب ایسے عناصر تھے جو لامحالہ فکر ونظر کو اپنی جانب

کھینچتے ہیں۔ نئے اصولوں کے مطابق سیاسی واقعات پر اس طرح کی تنقید یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی روح کے لئے ازحد موزوں تھی۔ نشاۃ ثانیہ کے مفکر اس بات پر متفق تھے۔ اور انہیں اس بات کا یقین تھا کہ معاشرتی زندگی کے مظاہرات کی تہ میں ایسے قوانین مضمر تھے جنہیں دلائل و براہین کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا تھا اور جن کی مدد سے واقعات کو قابو میں رکھا جا سکتا تھا۔ یہی جذبہ میکاولی کے فلسفے میں بھی موجود تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایسے قوانین عسکری واقعات پر بھی حاوی تھے اور میکاولی کی جستجو ان قوانین کو معلوم کرنے کے درپے تھی۔

جب میکاولی نے اپنے عسکری نظریات کا مرکز لڑائی کو بنایا تو وہ حق بجانب تھا۔ اس سے ماقبل کے مصنف لڑائی سے اس لئے گریز کرتے رہے تھے کہ ان کے خیال میں لڑائی کا نتیجہ پہلے سے متعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے ایسا کوئی خدشہ نہ تھا۔ اس کے خیال میں اگر ان قوانین کو معلوم کر لیا جائے جو لڑائی کی جیت اور ہار پر حاوی ہوتے ہیں اور فوجی تنظیم کو ان کے مطابق درست کیا جائے تو اتفاقات سے کاملاً چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے اور فتح کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ میکاولی کو اس بات پر بھی یقین تھا کہ عقلی دلائل کبھی دھوکا نہیں دے سکتے اور اسی لئے وہ رومی عسکری تنظیم کا بھی مداح تھا۔

جنگ کا اصل مقصد دشمن کی مکمل تسخیر کہہ کر اس نے عسکری افکار کو ایک آزاد مقام بخشا۔ جنگ میں فتحیابی اس کے خیال میں اسی صورت ممکن تھی جب انسان اپنے انتظامات کو اس طرح ترتیب دے کہ ان قوانین کی پابندی کی جائے جو عسکری معاملات کے منطقی پہلو سے درست ہوں۔ درست کہ اس وقت تزویرات کی اصطلاح بھی رائج نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ میکاولی کے اس طرز استدلال نے تزویراتِ جنگ کے تخیل کی بنا ڈالی۔

اس کے بعد عسکری افکار ان ہی خطوط پر جاری رہے ہیں جو میکاولی نے پیش کئے تھے اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ میکاولی کی سفارشات کو حرف آخر مان لیا جائے۔ البتہ بعد کے مباحث کو اس کے نظریات کی وضاحت اور توسیع کہا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر گو یہ درست تھا کہ لڑائی ہی فیصلہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر اس لڑائی کے متعلق اور اس کے نتائج کے متعلق ابھی بہت کچھ وضاحت کی ضرورت تھی۔ اگر لڑائی ہی جنگ کی منتہی تھی تو پھر پوری مہم کی منصوبہ بندی اس انداز

سے کرنی ضروری تھی کہ فیصلہ کن لڑائی کامیابی سے لڑی جائے۔ گو میکاوَلی سپہ سالار کی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے۔ لیکن اس کے متعلق وہ صرف اتنا ہی کہتا ہے کہ اسے تاریخ اور جغرافیہ پر عبور ہونا چاہیئے۔ میکاوَلی کے بعد عسکری قیادت کا مسئلہ عسکری افکار کا مرکزی خیال بن گیا۔ مگر یہ تبدیلی حقیقت میں میکاوَلی کے خیالات کی وضاحت ہی تھی اور جو جستجو اس نے شروع کی تھی یہ اس کا منطقی نتیجہ تھا۔

بایں ہمہ جدید عسکری افکار کا ایک پہلو ایسا ہے جو میکاوَلی کے خیالات سے کسی قسم کی مطابقت نہیں رکھتا اور ایک حد تک اس کے خیالات کے عین مخالف ہے۔ گو میکاوَلی نے اوائل میں پندرھویں صدی کی شطرنج نما جنگوں کی سخت مخالفت کی۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے سپہ سالار اسی قسم کی جنگوں کی طرف لوٹ آئے اور یہ تبدیلی کسی حد تک میکاوَلی کے مطابق تھی۔ جنگ کو سائنس تصور کرنا یا منطقی استدلال کو بہت بلند مقام دینے سے بدیہی طور پر یہ خیال پیدا ہوتے لگتا ہے کہ جنگ کا فیصلہ جس طرح میدان میں ہو سکتا ہے اسی طرح کاغذ پر اچھے منصوبے کے ذریعے بھی کیا جا سکتا ہے۔

آج اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ ایک سائنس ہونے کے علاوہ ایک فن بھی ہے اٹھارھویں صدی کے اختتام پر یہ خیال یک لخت پیدا ہونا شروع ہوا کہ عقلی عوامل کے علاوہ بھی کچھ باتیں ہیں جو جنگ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عسکری نظریات میں ان رجحانات کی ابتدا کلازوِٹز کے نام کے ساتھ منسوب ہے۔ وہ میکاوَلی کے نظریات کو بغور پرکھتا ہی نہیں بلکہ تسلیم کرتا ہے کہ میکاوَلی عسکری معاملات میں صائب الرائے تھا"[1]۔ کلازوِٹز کے عسکری نظریات کی تہ میں بھی جنگ کی حقیقت کا تجزیہ ہے۔ انیسویں صدی کے اس انقلابی مفکر نے بھی میکاوَلی کے طرزِ استدلال کو رَد نہیں کیا۔ بلکہ اسے اپنے طریقِ فکر میں شامل کئے رکھا۔

---

[1] سی۔ خان۔ کلازوِٹز۔ تحریرات۔ تالیف ای۔ کیس (ہمبرگ۔ ۱۹۳۷۔ ص۔ ۴۱)

دوسرا باب

وابن

جنگ پر سائنس کا اثر

از ہنری گیورلک

میکاولی کے زمانے سے لے کر ہسپانیہ میں جانشینی کی جنگوں تک یورپ میں مسلسل جنگ کا زمانہ گزرا۔ فرانس کا اٹلی پر وہ حملہ جس نے میکاولی کو بدل جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔ دو صدیوں کے بین قومی مقابلے کا آغاز ثابت ہوا۔ سترھویں صدی کے آخر میں جدوجہد کا یہ پرانا سلسلہ از سرِ نو شروع ہوا اس بار اس کی تہ میں لوئی چہاردہم کی یورپ پر مسلّط ہونے کی خواہش تھی۔ اس مرتبہ ایک فرق ضرور تھا۔ ہالینڈ اور انگلستان جنہوں نے سپین کو شکست دینے میں فرانس کی مدد کی تھی۔ اب کے اس کے خلاف صف آرا تھے۔ اُوٹریکٹ کی صلح (۱۷۱۳ء) سے انگلستان کی بحری طاقت کا آغاز شروع ہوا۔ البتہ اس کی رُو سے فرانس کے سارے مقبوضات اس کے ہاتھ میں ہی رہے۔ اس سے بڑھ کر جو شے فرانس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی وہ اس کی فوج تھی۔ یورپ کی سب سے پہلی طاقتور قومی فوج، قدرے زخم خوردہ مگر محکم و مضبوط۔

دو سو سال کی عسکری ترقیاں اس فوج کے اندر موجود تھیں۔ یہ ترقیاں اچھی خاصی تھیں۔ اوّل تو اب فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی جس کی پہلی خاص وجہ یہ تھی کہ اب پیادہ کی اہمیت زیادہ ہو چکی تھی۔ عام طور پر تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ آتشی ہتھیار تھے۔ مگر یہ وضاحت اس مسئلے پر پوری طرح روشنی نہیں ڈالتی۔ محاصری جنگ کو بھی اس میں بہت بڑا دخل تھا۔ اس لئے کہ محاصرہ کرنے کے لئے اور خود محصور ہو کر قلعوں کے اندر سے لڑنے کے لئے پیادہ کو سوار پر فوقیت حاصل تھی۔ اور وہ ایسے فرائض انجام دے سکتی تھی۔ جو رسالے کے لئے ناممکن تھے۔

سترھویں صدی میں یورپی فوجیں پیشہ ور کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل تھیں۔ ان میں سے خاصی تعداد غیر ملکی لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔ لوئی چہاردہم کے فرانس میں ملیشیا کو از سرِ نو قائم کرنے کی معمولی سی کوشش کے علاوہ قومی فوج کا کہیں وجود نہیں تھا۔ یہ قومی فوج بھی درحقیقت قوم کی نمائندہ نہیں تھی۔ امراء عام طور پر رسالے میں بھرتی ہونے کی کوشش کرتے اور رسالہ یا پیادہ کے افسر بنا کرتے۔ خوشحال تاجر اور چھوٹے زمیندار عام فوجی ملازمت سے بچ جایا کرتے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ معاشرے کا ایک خاص طبقہ بالکل ہی فوجی خدمات سے علیحدہ رہتا تھا۔ وہ بھی فوج میں شریک ہوتے تھے مگر دو طریقوں سے۔ اوّل تو ان کی شمولیت فنّی شعبوں میں نمایاں تھی جن میں توپخانہ، انجینئری اور سائنس سے متعلق ذمہ داریاں شامل تھیں۔ دوئم وہ فوج میں شامل ہوئے بغیر فوج کے انتظامی امور میں نمایاں رہتے تھے۔ یہ فنی اور انتظامی پہلو اس ترقی کا اہم جزو ہے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے فرانسیسی فوج یورپ میں پیش پیش تھی۔

(۲)

تنظیم، انضباط اور ساز و سامان کی اصلاح کا باعث ان غیر فوجی منصوبہ کاروں کی انتظامی قابلیت تھی جو ان کاموں پر مامور کیے گئے تھے۔ ان میں رچلیو، لے ٹیلیر، لوائے اور وابن کے نام معروف ہیں۔ جنہوں نے یکے بعد دیگرے سترھویں صدی کا زمانہ پایا ہے۔

سترھویں صدی تک فوجی امور کا انتظام تمام تر فوج کے اپنے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا اور مرکزی نگرانی نام کو نہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ مختلف پیادہ کمپنیوں کو رجمنٹوں میں یکجا کر کے اُن میں ایک قسم کا ارتباط پیدا کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح سولہویں صدی میں رسالے کو بھی برائے نام شاہی احکام کے نیچے لایا گیا تھا۔ مگر رسالے کی کمپنیوں نے سترھویں صدی تک رجمنٹوں میں مربوط ہونے کے خلاف کوشش جاری رکھی۔ اسی طرح جنڈارمری کے دستے جو اپنے تئیں سب سے اعلےٰ فوج تصور کرتے تھے۔ وہ بھی اپنے کپتانوں کے زیرِ احکام تھے اور کانسٹیبل جسے بادشاہ تعین کیا کرتا تھا اس کے احکام برائے نام ہی مانے جاتے تھے۔ صرف توپخانے کی حالت کسی حد تک مختلف تھی۔ جس کی باگ ڈور ایک اعلیٰ افسر کے ہاتھ میں تھی جسے "کامیار جنرل ڈی آرٹلری" کے نام

سے پکارا جاتا تھا اور عام طور پر یہ متوسط طبقے سے متعلق ہوتا تھا۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ فوج میں ربط قائم نہ تھا۔ سوائے بادشاہ کے اور کوئی مرکزی طاقت موجود نہ تھی۔ اور سوائے توپخانے کے کسی شعبے میں غیر فوجی افسر نہ تھے۔ رشلیو نے فوج کی سول انتظامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس نے بہت سے صوبائی ناظم مقرر کئے۔ جو جنگ کے ایام میں ایک ایک جیش کے ساتھ کارِ خاص کے لئے ملحق کئے جاتے تھے۔ ان ناظموں کے تحت بہت سے ناظر ہوتے تھے جنہیں "کمیسار" کہا جاتا تھا اور جن کے فرائض یہ تھے کہ سپاہ کو تنخواہ بانٹیں، ساز و سامان کی دیکھ بھال کریں اور اسی قسم کے دوسرے کام انجام دیں۔ آخر میں رشلیو کے زمانے میں ہی وزیر جنگ کی اہم آسامی کا آغاز ہوا۔ یوں وزیرِ جنگ کے گرد صحیح قسم کا وزارتی عملہ اور دفاتر تیار ہو گئے۔ آج کل کے پیمانے بلکہ اگر نپولین کے عہد کے پیمانے سے بھی مقابلہ کیا جائے تو لوئی چہاردہم کی فرانسیسی فوج کی تنظیم متناسب خطوط پر نہیں تھی۔ اس میں ہر طرح کے نقائص تھے۔ تنظیم اور انتظام کی خامیاں عام تھیں مگر اس کے باوجود اب یہ فوج متعدد آزاد دستوں کا جمگھٹا نہیں تھی۔ کمان کی وحدت حاصل کرنے کے لئے سپہ سالار اعظم "مارشل جنرل ڈی آرمیز" کا عہدہ قائم کر دیا گیا تھا جو پہلی بار ۱۶۶۰ء میں تورین کو عطا ہوا۔

فوج کو ایک منظم شکل دینے کی یہ مسلسل کوشش ظاہر کرتی ہے کہ دیگر اطراف میں بھی کچھ ہو رہا ہو گا۔ فرانس کی سیاسی زندگی کے ہر پہلو پر چوٹیں کی جا رہی تھیں اور روائتی حقوق اس بہانے ضبط کئے جا رہے تھے کہ مرکزی طاقت کو مستحکم کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے رشلیو اور لوئی چہاردہم کے عہد کے مصلحین اپنے عہد کی عام رَو کے خلاف نہیں جا سکتے تھے۔ سائنسی عقلیت کو فوجی اور سول شعبوں کی اصلاح میں استعمال کرنا بدیہی تھا۔ یوں سلطنت اور فوج دونوں کو ایک اچھی مشین کی خاصیتیں عطا کی گئیں۔ البتہ سائنس ایک طریقے سے فوجی معاملات پر اپنا اثر براہِ راست بھی ڈال رہی تھی۔ ان ہی کی طرف اب ہمیں رجوع کرنا چاہیئے۔

(۳)

سائنس اور جنگ کا ہمیشہ قریبی تعلق رہا ہے۔ گو اوائل میں یورپ کے سائنسدانوں میں صرف چند سپاہی تھے اس کے باوجود بہت سے سائنسدان فوج کے ساتھ فنی مشیر یا فنی

معاون کی صورت ملحق رہے۔ بہت سے فوجی جراحوں نے بھی طب اور علم التشریح میں نام پیدا کیا۔ ان سے بھی زیادہ تعداد انجینیروں کی ہے۔ جنہوں نے فنِ تعمیر جدید و قدیم توپخانہ، اور مختلف النوع مشینوں کے استعمال میں جنگ کو مجموعی حیثیت سے بہت ترقی دی۔

پوری سولہویں صدی اور سترھویں صدی کے بیشتر حصے میں جب فوج کے فنی شعبے ابھی پوری طرح نشوونما نہیں پاسکے تھے۔ اطالیہ۔ فرانس اور انگلستان کے بہت سے بلند پایہ سائنسدانوں نے اپنی توجہ فنِ جنگ کے ایسے مسائل کی طرف مبذول کر دی تھی۔ جن کا تعلق فنیات جنگ سے تھا۔ گو منظم فوجی تعلیم اٹھارھویں صدی میں شروع کی گئی۔ پھر بھی واہن کے زمانے تک قریب قریب ہر قابل افسر تھوڑا بہت فنی علم ضرور حاصل کر لیتا تھا۔ اور اگر ایسا نہ کر سکتا تو اسے افسوس ضرور رہتا تھا۔ سائنس کی وہ ترقی جس نے یہ صورتِ حال پیدا کی۔ اس کے بیان کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ فوجی فنِ تعمیر اور توپخانے میں جو جو تبدیلیاں واقع ہوئیں انہیں مختصر طور پر پیش کر دیا جائے۔

میکاولی کے زمانے کی اطالوی جنگوں سے بعد کی صدی نے فوجی فنِ تعمیر (اسے تعمیر کی سائنس بھی کہا جا سکتا ہے) میں انقلابی تبدیلیاں بھی دیکھیں۔ فرانسیسی توپخانے نے وسطی دور کے قلعوں کو مضحکہ خیز آسانی سے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اس کے جواب میں اطالویوں نے ایک نئی طرز کا حصار ایجاد کیا جو یورپ میں انیسویں صدی کے آغاز تک استعمال میں رہا۔ یہ حصار کثیر الاضلاع ہوتا تھا اور اس کے ہر زاویئے سے گمٹیاں اس طور پر باہر کو نکلی ہوئی تھیں کہ حملہ آور پر پُر اثر کاٹتا فیر ڈالا جا سکتا تھا۔ جب بعد کے اطالوی انجینیروں نے اس میں مزید تبدیلیاں کر کے اسے مکمل شکل دی تو یہ حصار تین علحدہ حصوں میں منقسم ہو گیا۔ پہلے تو ایک دبیز و پست خاکریز ہوتا جس کے سامنے کی جانب سینہ پناہ ہوتا تھا۔ پھر چوڑی خندق، اور اس کے بعد بیرونی خاکریز جو ڈھلوان سراشیبی میں تبدیل ہو کر رفتہ رفتہ اردگرد کی زمین کے ساتھ جا کر مل جاتا۔ اطالوی ریاضی دان تارتگلیا اور عظیم پرتگالی سائنسدان سائمن سٹیون اتنے ہی بلند پایہ انجینیر بھی تھے۔ جتنے کہ ان کے ریاضی اور سائنس کے کارنامے تھے۔ اور تو اور گیلیلو نے بھی پیڈوا میں قلعہ بندی کا فن سکھایا۔[1]

---

[1] جے جے فاہی "گیلیلو کی سائنسی تصانیف" جو "سائنس کی تاریخ کا مطالعہ" میں پیش کیا گیا ہے۔ تالیف چارلس سنگر (۱۹۲۱) ۲، ص ۲۱۷

فرانسیسی فرانٹس نے اطالوی انجینیروں کو ان کی مہارت کی وجہ سے خاصی تعداد میں ملازم رکھ لیا تھا۔ ایراؔڈ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرانسیسی فنِ قلعہ بندی کا موجد ہے۔ اس کا آغاز اس کی تصنیف "مضبوط قلعہ بندی کا فن" ۱۵۹۴ء سے ہوتا ہے۔ سترھویں صدی کے دوران میں فوجی اور غیر فوجی انجینیروں کی خاصی تعداد پیدا ہوئی۔ آخرالذکر طبقے میں گیراڈ ڈیسارگس مشہور ریاضی دان، پیرے پیٹی دوسرے درجے کا مگر ہر فن کا ماہر سائنسدان، اور جین ریچر ہیئت داں اور ماہر طبیعات شامل ہیں۔ قلعہ بندی کے اصولوں کی نشوونما میں وابن کے پیشرو اور ایک حد تک اس کے استاد کاؤنٹ ڈی پیگین کا نام ممتاز ہے۔

بلیس ڈی پیگین (۱۶۰۴ء تا ۱۶۶۵ء) عالم نظری تھا اور عامل انجینیر نہیں تھا۔ وابن کا مشہور "پہلا اسلوب" درحقیقت پیگین کے انداز پر تھا جسے معمولی ترقی دے کر اور ذہنی اختلافات کو مدِ نظر رکھ کر مکمل کیا گیا تھا۔ پیگین کے نظریات کا خلاصہ اس کی کتاب "کاؤنٹ پیگین کا فنِ قلعہ بندی" میں دیا گیا ہے۔ پیگین کی نگاہ میں بیرونی خاکے میں گمٹیوں کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ ان کی جگہ اس نے اقلیدسی اصولوں سے متعین کی تھی جس میں حصار کی بیرونی شکل کو اندرونی شکل پر فوقیت دی گئی تھی۔

سولھویں اور سترھویں صدی میں توپخانے کی نشوونما میں سائنسی مہارت اور عسکری ضروریات کو یکجا کیا گیا تھا۔ برنگوشیو کی "آتش بازی" ایک عرصہ تک آتشبازی، بارود کی تیاری اور توپوں کے ڈھالنے پر مستند کتاب مانی گئی۔ اسی طرح حرکیات کا علم نظری بھی جدید حرکیات کے ماہر دی نکولو تارتگلیا اور گیلی لیو نے پیش کیا۔ تارتگلیا کی کاوشوں سے ہی ثابت ہوا کہ زیادہ سے زیادہ مار کا زاویہ ۴۵ درجے کا ہے۔ اس کی وجہ سے توپخانے کے ماہروں نے مربع اور ربع دائرے کا استعمال عام طور پر کیا۔ یہ گیلی لیو نے ہی معلوم کیا کہ قدلیفہ کے خطِ حرکت میں جب ہوا کی رکاوٹ جیسے عوامل کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کی بہترین شکل شلجمی ہونی چاہیئے۔

۱۶۶۲ء میں رائل سوسائٹی آف لندن کو چارلس دوم کے ہاتھ سے پروانہ عطا ہوا۔ اس کے پانچ سال بعد فرانس کی "شاہی سائنس سوسائٹی" کی بنا ڈالی گئی۔ ان اداروں میں بہت سے تجربات کیئے گئے جو یا تو فوری فوائد کے حامل تھے اور یا پھر علمی دنیا میں ان سے بعد میں فوائد حاصل ہوئے۔

منجنیقی تجربات، تصادم اور لیپ رَدی پر غور و خوض، بہتر بارود اور قلمی شورے کے متعلق تحقیقات سمندر میں طول بلد کے صحیح تعین کے طریقے' اور ایسے ہی دوسرے متعدد عنوان ان اداروں کے اراکین کی توجہ کا مرکز بنے رہتے تھے۔ کالبرٹ کی قیادت میں فرانس کی سائنسی اکاڈیمی نے جدید نقشہ کشی کی بنیاد رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ میں پہلی بار ملک کے ان حصوں کے صحیح نقشوں سے فوج لیس ہوئی۔ جن کی حفاظت اسے سونپی گئی تھی۔

(۴)

سولھویں اور سترھویں صدی کے عسکری ادب کو اگر دیکھا جائے تو اوسطاً اس کی مقدار اس کے علمی معیار سے کہیں زیادہ ہے۔ فنِ جنگ سے متعلق اہم ترین تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولاً بین قومی قانون کا بنیادی کام اور دوم عسکری فنیت پر اساسی و بنیادی کام۔ لاقانونی جنگ کے دور میں میکاولی نے عالمِ نظری کے فرائض انجام دیئے تھے سترھویں صدی کے اختتام تک اس کا اثر زائل ہوتا جا رہا تھا۔ فرانسس بیکن کو شاید اس کا آخری نامور شاگرد کہا جا سکتا ہے۔ گروٹیس کی قسم کے آدمی غیر محدود تباہی کی جنگوں کے خلاف تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کا مرکزی اصول یہ تھا کہ امن کے دوران ملک ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اچھائی برتیں اور زمانۂ جنگ میں کم سے کم برائی۔ سترھویں صدی کے اختتام تک بین قومی قانون کے قوانینِ جنگ کے طور طریقوں پر واضح طور پر اثر انداز ہو رہے تھے[۱]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارھویں صدی میں جنگ نسبتہً رحم دلی اور باضابطگی سے لڑی جاتی تھی۔ اب رجحان یہ تھا کہ غیر فوجی افراد اور ان کی جائداد کی حفاظت کی جائے اور یوں شر میں کمی کی جائے۔

دوسری قسم کی کتابوں یعنے عسکری فنیت کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا اتنا وسیع اثر نہیں ہوا جتنا کہ لوئی چہاردہم کے عہد کے فوجی انجینئر سی باسٹین واباں کی کتابوں کا ہوا۔ واباں کی تصانیف

---

[۱] حال ہی میں یہ خیالات، ہارٹ مین نکرسن نے پیش کئے ہیں۔ "مسلح غول" ۱۷۹۳ء تا ۱۹۳۹ء (نیو یارک ۱۹۴۰) ص ۴۴-۳۰

کی فہرست نہایت ہی مختصر مگر ازحد کارآمد ہے اور صرف تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ فنِ محاصرہ پر رسالہ، قلعہ کی حفاظت پر ایک کتاب اور سرنگوں پر ایک مختصر رسالہ۔ اس نے عسکری فنِ تعمیر پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ نہ اس نے تزویرات اور نہ فنِ جنگ پر کوئی باضابطہ شے پیش کی۔ اس کے باوجود ان تمام موضوعوں پر اس کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے محققین کی محنتوں سے وابن کے بہت سے خطوط اور مسودے منظرِ عام پر آچکے ہیں اور اب ہمیں اٹھارھویں صدی کے مقابلے میں اس کے خیالات اور اس کے کارناموں کا مطالعہ کرنے میں بہت زیادہ آسانی ہو گئی ہے۔ جدید علوم کی روشنی میں وابن کا مقام کم ہونے کی بجائے پہلے سے بھی بلند تر ہو گیا ہے۔

(۵)

وابن کی شہرت تشریح طلب ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معمولی انجینئر کیوں قومی ہیرو بنا لیا گیا۔ اس کا جواب دینے کے لئے دور نہیں جانا پڑتا۔ وابن کی ان تصانیف میں اٹھارھویں صدی کے فرانس کے سب سے اہم عسکری سوالوں کے جوابات موجود تھے۔ سترھویں صدی کے اواخر اور پوری اٹھارھویں صدی میں جنگ نے مسلسل محاصروں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ محاصروں کی تعداد میدانی لڑائیوں سے کہیں زیادہ تھی۔ اور جب ایسی لڑائیاں کبھی واقع ہوتیں تو اکثر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ کسی محصور مقام کا محاصرہ توڑنے یا کسی مقام کو محاصرے سے بچانے کے لئے یہ اقدام ضروری سمجھا جاتا۔ ایسے زمانے میں جس میں محاصرے کی تزویراتی اہمیت مقدم سمجھی جاتی تھی وابن کی تصانیف نظرانداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ لازمی تھا کہ اس کا نام گھر گھر اور ہر محفل میں لیا جاتا۔ اس نے عوام کے تخیل کو اس لئے بھی مسحور کر لیا کہ اس کا ذاتی کردار نہایت ہی بلند تھا۔ اس کی آراء میں وسیع النظری تھی اور اس کے دل میں انسانیت کا درد تھا۔ فانٹے نیل اس کے متعلق کہتا ہے: "وہ رومن تھا۔ جسے لوئی چہاردہم کی صدی نے جمہوریت کے مسرت آمیز ایام سے چھین لیا تھا۔" والٹیر کی نگاہ میں "وہ بہترین شہری تھا۔" سینٹ سائمن نے اس کی تعریف میں "وطن پرست" کا لفظ پہلی بار ان معانی میں استعمال کیا۔

واَبَن کا فنی علم، اس کی عملی ریاضی میں مہارت، اس کا باضابطگی اور صراحت سے عشق، اور اس کی "اکاڈیمی ڈی سائنس" کی رکنیت۔ اس عصر میں ملک کے مفاد کے لئے سائنسی معلومات کے استعمال کے جذبے کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

(۶)

واَبَن کی زندگی اس قدر مصروف اور طویل تھی کہ اس مختصر سے مضمون میں معمولی سے خاکے سے زیادہ پیش کرنا مشکل ہے۔ وہ شاہی ملازمت میں مزارَن کے نیچے اس وقت شامل ہوا جب اس کی عمر صرف بیس سال کی تھی اور تہتر سال کی عمر میں جب اس کا انتقال ہوا اس سے چند ماہ قبل تک میدانِ عمل میں شریکِ کار رہا۔ اس نہایت ہی مصروف نیم صدی میں اس نے کم از کم پچاس محاصروں کے انتظامات مکمل کئے اور ایک سو سے زائد قلعوں اور بندرگاہوں کی تنصیبوں کے منصوبے بنائے۔

اس کا خاندان امرا اور متوسط طبقے کے درمیان کا تھا۔ اس کی پیدائش سینٹ لیگر کے مقام پر ۱۶۳۳ء میں ہوئی۔ اس کی تعلیم سیمورن کے مقام پر ہوئی۔ جو غیر مکمل سی تھی۔ تاریخ میں تھوڑی سی دسترس اور ریاضی اور نقاشی میں شوق موجود تھا۔ وہ سترہ سال کی عمر میں کیڈٹ کی حیثیت سے کانڈے کی فوجوں میں شامل ہوا۔ کانڈے اس وقت بادشاہ سے باغی ہو چکا تھا بعد میں اسے بھی کانڈے کے ساتھ ہی بخشش عطا ہوئی۔ اور ۱۶۵۳ء میں شاہی ملازمت میں شامل ہوا۔ یہاں اُس نے شویلیر ڈی کلیرذیل کے نیچے نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ کلیرذیل اس وقت فرانس کا چوٹی کا انجینئر مانا جاتا تھا۔ دو سال بعد واَبَن کو انجینئروں میں برپوٹ کا رنیک عطا ہوا اور بہت جلد وہ پیادہ میں کپتان کے عہدے پر فائز ہوا۔

۱۶۵۹ء سے ۱۶۶۷ء کا وقفہ واَبَن نے کلیرذیل کی زیرِ ہدایت مملکت کے قلعوں کی مرمت اور بہتری میں صرف کیا۔ ڈیوولیوشن کی مختصر سی جنگ میں واَبَن نے قلعہ بندی کے فن میں استادانہ جوہر دکھائے اور اس کے کام سے لوواسے اتنا متاثر ہوا کہ اسے کلیرذیل سے بہتر سمجھتے ہوئے اپنے محکمے کے تمام انجینئری کے کاموں کا کامیار جنرل مقرر کیا۔ بارگوس۔ فرنس۔ تورنانی۔

فیلپ اور بہت سے دوسرے اہم مقامات کو وابن کے مشہور "پہلے اسلوب" کے مطابق مضبوط بنایا گیا۔

لوئی چہاردہم کی شاہی ملازمت میں وابن کی زندگی کا سلسلہ کچھ اس قسم کا تھا۔ ایامِ امن میں کام کی نگہداشت، مرمت اور کہیں کہیں نئی تعمیرات۔ جنگ کے زمانے میں نئے محاصرے اور مملکت میں وسعت۔ اس کے لئے راحت و آرام کے لمحات بہت کم نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ یہ سب کچھ اسے مصروف رکھنے کے لئے ناکافی تھا۔ وہ بیسیوں اور فوجی و غیر فوجی مسائل میں محو رہتا جو نہایت ہی بلاواسطہ طور پر اس کے ساتھ متعلق ہوتے تھے۔ ان مسائل میں سے بعض کے متعلق وہ اپنے خطوط میں بحث کرتا ہے۔ دوسروں پر اس نے لمبی لمبی یادداشتیں لکھیں جو اب اس کی کتاب "آئس ویٹے" (OISVSTES) کی بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان یادداشتوں میں مختلف المتنوع مضامین زیر بحث لائے گئے ہیں ان میں فنی بھی ہیں اور غیر فنی بھی۔ بحری اور فوجی مضامین کے علاوہ ان میں جنگلات لگانے کے فوائد بتائے ہیں اور ایک ایسا طبقہ وجود میں لانے کے متعلق بھی لکھا ہے جو امراء کا حصہ ہو اور جس میں داخل ہونے کے لئے صرف قابلیت ہی کو معیار سمجھا جائے۔ ان یادداشتوں کو عجیب و غریب جگہوں پر مختلف تاریخوں اور غیر معمولی اوقات پر لکھا گیا تھا۔ اکثر تو وہ مختصر سے اشارات سے زیادہ نہیں جو وہ سفر کے دوران جمع کرتا رہا۔ وابن کی تحریریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ سترھویں صدی میں سائنسی منطقیت ہی اصلاحات کا منبع تھی۔

وابن کے کارنامے اطلاقی سائنس اور سادہ اطلاقی ریاضی میں ہیں۔ اس نے میکانکی ہندسی کے علم نظری میں کوئی خاص عطیہ پیش نہیں کیا۔ قلعوں کے نقشوں کے علاوہ یہاں خیال رہے کہ یہ مجرد سائنس میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا انجنیئری میں صرف اس قدر حصہ تھا کہ اس نے رکاوٹی دیواروں کے صحیح تناسب کے متعلق تجرباتی مطالعہ کیا۔[۱] وابن کے کارناموں کی سائنسی جدت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ وہ مقداری طریقے کو ان میدانوں تک لے گیا۔ جہاں تک اس کے انگریز معصروں کے علاوہ ابھی کسی کے ذہن نے سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ حقیقتاً وہ مرتب موسمیات کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ہے۔ اسے شماریات میں بھی اوّلیت کا سہرا دیا جاسکتا ہے۔ اس کی شماریاتی ذہنیت اس کی عسکری اور انجنیئری تصانیف میں بھی عیاں ہے۔

اسے اپنے ماتحتوں سے بھی ایسی محنت اور باریک صراحت کی امید ہوتی تھی۔ جو وہ خود دکھایا

---

[۱] اے۔ ولف "اٹھارھویں صدی میں سائنس، فنیات اور فلسفہ کی تاریخ" (۱۹۳۹) ص ۵۳۱۔۲۔
برنارڈ فارسٹ ڈی بلی ڈور "انجینئری کی سائنس" (۱۷۲۹) لیور ۱۔ ص ۶۷۔۹۔

کرتا تھا۔ ڈنکرک کے مقام سے پی پرنک کے قلعوں کے ناظر کو خط لکھتے ہوئے اسے ہدایات دیں کہ وہ جلد از جلد ایک ایسا نقشہ پیش کرے جس میں مندرجہ ذیل تفاصیل درج ہوں۔ دریا، نہریں وغیرہ، لکڑی کے ذخائر اور ان کے کٹنے کی تاریخیں آبادی کے متعلق شماریاتی معلومات مثلاً عمر، پیشہ، عہدہ اور صنف کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ فہرستیں۔ وہ غیر فوجی معاملات میں بھی یہی صحت مند اور ناقدانہ نظر قائم رکھنا چاہتا تھا جس میں اس کی استدلال پسندی، نظم اور قابلیت اسی معیار کی ہوتی تھی۔ جو وہ فوجی معاملات میں رکھا کرتا تھا۔

(۷)

عسکری اصلاح کاروں میں وابن کو مستقل مزاجی میں باقی سب پر فوقیت حاصل تھی۔ اس کے خطوط اور "خواب" تجاویز سے پر ہیں۔ عسکری تنظیم، فوجی زندگی اور فنیات کے بہت کم ایسے پہلو ہوں گے جن سے متعلق وابن نے اپنی تجاویز نہ پیش کی ہوں۔

وہ اپنی پوری ملازمت میں یہ کوشش کرتا رہا کہ اس کے انجینئر ایک خالص انجینئر شعبے میں علیحدہ کر دیے جائیں۔ جہاں ان کے اپنے سپاہی اور اپنے افسر ہوں مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے باقاعدہ امتحانات کا ایک نظام قائم کیا۔ جس میں بریورٹ رینک کے لیے نوجوان افسروں کو بیٹھنا پڑتا تھا۔

توپخانے میں اصلاحات رائج کرنے کا اسے اس لیے بھی شوق تھا کہ وہ فنِ محاصرہ کا ماہر تھا۔ اس نے بھاری توپوں کو مَج کے ذریعے لے جانے کے تجربات کیے۔ برنز کی توپوں میں نقائص ہونے کی وجہ سے اس نے فوج کو مشورہ دیا کہ وہ بھی بحریہ کی طرح لوہے کی توپیں استعمال میں لائیں اس نے خندقی توپ کے ذریعے پتھر پھینکنے کے تجربے بھی کیے۔ اور اچٹتا فیر ایجاد کیا۔ جس میں گولی زمین پر لگنے کے بعد مدِ مقابل علاقے میں کبھی ادھر اور کبھی اُدھر لگتی تھی۔

وہ توڑے دار بندوق کا بے انتہا مداح تھا۔ اور پہلی تسلی بخش سنگین اسی نے ایجاد کی۔ یہ اس کی اپنی تجویز تھی کہ ٹھونسنے کی بجائے نال کے ایک پہلو پر ساکٹ کے ذریعے سنگین لگا دی جائے تاکہ فیر کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور سنگین بھی لگی رہے۔ جس طرح اسے جوانوں کے ہتھیاروں

سے دلچسپی تھی ۔ اسی طرح وہ ان کی بہبودی اور بہتری کی تجاویز پر سوچ بچار کرتا رہتا تھا۔ اس نے بھرتی اور ان کی تنخواہ کے انتظامات میں بھی اصلاحات کی تجاویز پیش کیں۔

واابن نے البتہ بحری تعمیرات کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا۔ اس ضمن میں اس کی پہلی کوشش تولوں کے مقام پر تھی۔ اس کا شاہکار ڈنکرک کی بندرگاہ تھی۔ اس نے ایک دلچسپ تصنیف میں اس عصر کے تیز رفتار جہاز گیلی کے استعمال کے متعلق نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کی رائے میں انہیں بھاری جہازوں کے سامنے حرکی پرداوں کے طور پر یا پھر ساحل کے قریب سریع چھاپوں کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔

(۸)

فن جنگ کو واابن کے سب سے نمایاں عطیے اس کے اپنے ہنر یعنے محاصرہ کاری اور قلعہ بندی کے سائنس سے متعلق تھے اسے غیر ضروری خون بہانے سے نفرت تھی۔ اسی لئے محاصرہ کاری میں اس کی اختراعات کا مقصد یہ تھا کہ محاصرہ کرنے والی فوجوں کی اتلاف کم سے کم ہوں۔ متوازی حملوں کا جو طریقہ اس نے ایجاد کیا تھا اس سے پہلے محکم مدفوع قلعوں پر حملہ کرنے سے حملہ آوروں کا بہت زیادہ نقصان ہوا کرتا تھا۔ اس کے پیش نظر اس نقصان کو کم کرنا تھا۔

واابن کا پیش کردہ حملے کا طریقہ نہایت متکلف اور وقت طلب سا تھا۔ حملہ آور پہلے تو ساز و سامان اور اپنے آدمیوں کو قلعہ کے مدافعین کے ہتھیاروں کی زد سے باہر اور کسی قدرتی یا مصنوعی آڑ کے پیچھے جمع کرتے۔ اس مقام سے سیپر قلعے کی جانب ایک مورچہ کھودنا شروع کر دیتے جب یہ تھوڑا فاصلہ کھودا جا چکتا تو پھر حملہ کے مقام کے متوازی اور مورچے سے زاویہ قائمہ کی سمت ایک گہرا مورچہ کھودا جاتا۔ اسے "پہلا متوازی" کہا جاتا اور اب ساز و سامان اور آدمی اس میں جمع کر لئے جاتے۔ اقدامی مورچہ اس گہرے مورچے سے پھر شروع کر دیا جاتا جو بل کھاتا ہوا قلعے سے قریب ہوتا۔ جب حسب ضرورت اس کی لمبائی مکمل ہو جاتی تو "دوسرا متوازی" مورچہ کھودا جاتا۔ سامان وہاں لایا جاتا اور اقدامی مورچہ پھر آگے بڑھ جاتا۔ عام طور پر تیسرا متوازی "آخری متوازی مورچہ ہوا کرتا تھا۔ جو بیرونی خاکریز کے دامن میں جا کر ختم ہوتا تھا۔ خاکریز کے اوپر چڑھنے

کا خطرناک کام مٹی کے پشتوں سے لیا جاتا تھا جنہیں "مورچہ محافظ" کہا جاتا تھا۔ یہ پشتے اونچے اونچے ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے سے قلعہ کے مدافعین پر فیر کیا جا سکتا تھا۔ سب سے پہلے "محفوظ راستے" تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی۔ جونہی یہ ہاتھ آ جاتا۔ محاصرہ توپیں نصب کر لی جاتیں اور اصل مدفوعات میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی۔

عسکری فن تعمیر میں وابن کا صحیح مقام خاصی بحث کا موضوع رہا ہے۔ اوّل تو یہ کہ آیا اس کے قلعوں کی طرز ساخت میں جدت کا پہلو موجود تھا یا نہیں۔ دوسرا سوال جو اکثر پیش کیا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ وابن نے اپنے تعمیر کردہ قلعوں کا مقام تعین کرنے میں ان کی انفرادی تدبیراتی اہمیت کو نگاہ میں رکھا تھا یا اس کی رہنمائی کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی عظیم منصوبہ بھی تھا۔ جس میں فرانس کا تزویراتی دفاع ملحوظ تھا۔

ابھی کچھ عرصے کی بات ہے کہ وابن کے مداح بھی اس بات پر متفق تھے کہ اس نے عسکری فن تعمیر میں جدت نہیں دکھائی۔ یہ فیصلہ ماضی قریب تک مانا جاتا رہا۔ البتہ جو تحقیق کرنل لیزارڈ نے حال میں کی ہے۔ اس نے اس فیصلے کو بدل دیا ہے اور اب رائے وابن کے حق میں ہو گئی ہے[۲۲]۔

گو اوائل کے مصنفین وابن کے تین اسلوب بتاتے ہیں۔ لیزارڈ کا کہنا ہے کہ درحقیقت وابن کے ہاں کوئی خاص اسلوب نہیں تھے۔ البتہ اس کے مختلف دور تھے جن میں اس نے مختلف اشکال پیش کی ہیں۔ وابن کا پہلا اسلوب جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اسی کے مطابق بیشتر قلعے تعمیر کئے پیگن کے خاکے کے استعمال سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ان قلعوں کے بیرونی خطوط کثیرالاضلاع ہوتے تھے۔ کہیں مثمن کہیں چارگوشہ اور بعض اوقات بشکل مثلث بھی جیسا کہ سے کینوک کے مقام پر۔ چونکہ وابن کی اکثر تعمیرات رواجی شکلوں کی بنائی گئی تھی۔ اس لئے تعجب کا مقام نہیں کہ بعد کے نقاد ان میں انسانیت کا عنصر نہیں دیکھ سکتے۔ لیزارڈ کے مطابق انشائیت کا عنصر اس کے ان گنتی کے کاموں میں پایا جاتا ہے جو دوسرے دو اسلوبوں کی فہرست میں شامل کئے جاتے ہیں۔ اور جن کا بہت تھوڑا اثر وابن کے اخلاف پر پڑا۔

"دوسرا اسلوب" جسے پہلی بار بیلفورٹ اور بے سان کن کے مقامات پر استعمال کیا گیا۔

---

[۲۲] پی۔ لیزارڈ: "وابن ۱۶۳۳۔ ۱۷۰۷ء" ص ۳۷۷۔ ۳۹۴۔

پہلے اسلوب کی ترقی والوہ شکل تھی۔ کثیر الاضلاعی کیفیت کو برقرار رہنے دیا گیا تھا۔ مگر بڑے دگمٹیوں کا درمیانی فاصلہ) لانبے کر دئے گئے تھے۔ گمٹیوں کی بجائے کونوں پر چھوٹی چھوٹی برجیاں بنائی گئی تھیں۔ ان کو بچاؤ یوں دیا گیا تھا کہ خندق میں مزید گمٹیاں تیار کی گئی تھیں جن کا کسی شے سے الحاق نہ تھا۔

جسے "تیسرا اسلوب" کہتے ہیں وہ دوسرے اسلوب میں معمولی سی تبدیلی کی گئی ہے۔ اسے صرف ایک ہی تعمیر میں نافٹ بریساچ کے مقام پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ واین کا شاہکار کہلاتا ہے اس میں پردوں میں اس طرح سے تغیر کیا گیا ہے جس سے توپوں کا دفاعی استعمال آسان اور زیادہ کارآمد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ برجیاں، گمٹیاں اور نصف چاندنیاں حجم میں بڑھا دی گئی تھیں۔

دوسرا اسلوب ہماری توجہ کے قابل ہے۔ باوجودیکہ اس کے ہمعصر اس بات کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی واین نے نہایت ہی اہم بلکہ انقلابی اصلاح رائج کی تھی۔ اس نے قلعہ سے دامن چھڑانے کے لئے پہلا اور ضروری قدم لے لیا تھا اور دلدار دفاع کی طرف عملی اقدام کیا تھا۔ اس نے دفاع میں ایک نئی لچک پیدا کر دی تھی۔ اس نے قلعے کے خاکے کو زمین کی ضروریات کے مطابق ڈھالنے کے باوجود اہم خطِ دفاع کو خطرے میں پڑنے نہیں دیا تھا۔ اس سے پہلے جن لوگوں نے اس طرح قلعوں کے خاکوں کو زمینی ضروریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے باہر کی جانب الحاقی باندھ بڑھا دئے تھے جو دیکھنے میں تو اچھے نظر آتے تھے مگر جونہی دشمن ان پر قابو پا لیتا اہم خط پر بھی اثر پڑتا تھا۔

لوگوں کے ذہنوں میں واین کے خیالات کے متعلق جو ابتری موجود رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ واین نے قلعوں کی تعمیر کے فن پر کبھی کچھ نہیں لکھا۔ جس طرح اس نے حملے اور دفاع کے نظری علم کے متعلق خیالات پیش کئے اس نے اِس فن کی جانب توجہ نہیں دی۔ البتہ مسودے کی صورت میں وہ تصانیف موجود ہیں جو قلعوں کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور جنہوں نے واین سے براہِ راست خیالات اخذ کئے ہیں۔ قلعوں کے علاوہ یہی وہ ذرائع ہیں جن سے واین کے خیالات صحیح طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ اصول واین کے تینوں اسلوبوں

میں پائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ قلعے کے سب حصے برابر طور پر مضبوط ہونے چاہئیں۔ یہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب

۱۔ قلعے کا ایسا کوئی حصہ نہ رہے جس کے پہلو پر محکم مقامات نہ ہوں۔

۲۔ یہ محکم مقامات اتنے بڑے ہوں جتنا کہ ممکن ہو۔

۳۔ ان کا درمیانی فاصلہ بندوق کی زد کے برابر یا اس سے بھی کم ہو۔

یہ محکم مقامات اس طرح تعین کیئے گئے ہوں کہ جو حصے پہلو کی حفاظت کر رہے ہوں وہ اُن حصوں کے بالکل بالمقابل ہوں۔ جن کی وہ حفاظت کرتے ہوں۔ یعنے پہلو والے حصے صرف ان مقاموں سے نظر آسکیں جن کی وہ حفاظت کرتے ہوں۔ یہ بنیادی اصول وابن کے تمام اسالیب میں موجود ہیں۔ وہ اس نتیجے پر علم نظری کے ذریعے نہیں پہنچا۔ بلکہ بیلفورٹ کے مقام پر جغرافیائی حالات نے اس کو ان اصولوں کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کیا۔

(۹)

لوئی چہاردہم کا یہ تعمیراتی پروگرام کہاں تک کسی مرکزی زاویاتی تخیل سے رہنمائی حاصل کر رہا تھا اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ تخیل وابن کی فوق العادہ شخصیت کا مرہونِ منت تھا۔ پہلے دور کے وابن کے سوانح نگاروں کو پڑھنے کے بعد یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وابن سے پہلے فرانس کے دماغ کا کوئی مستقل منصوبہ نہیں تھا اور وابن کی ملازمت کے آخری ایام تک قلعوں کا جو سلسلہ فرانس کے گرد نظر آتا تھا وہ اس عظیم منصوبے کا نتیجہ تھا۔ جو اس غیر معمولی انجینئر کے دماغ کا پیدا کردہ تھا۔ اس کے بعد کثرتِ آرا، ضرورت سے زیادہ دوسری جانب کو چلی گئی۔ بعض مصنفین کی یہ کوشش رہی ہے کہ اُسے محض ایک عظیم فن کار ثابت کریں جس کے ذہن میں کسی قسم کا زاویاتی تخیل موجود نہ تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس وقت وہ کون سی شخصیت تھی جو وابن کو اس کے متخصصانہ کام میں رکاوٹ ڈال سکتی۔ اس کا جواب سادہ سا ہے۔ صرف بادشاہ ہی کو یہ مقام حاصل تھا۔ لوئی چہاردہم کو قلعوں کی تعمیرات میں خاصا ملکہ تھا اور وہ اس کام سے متعلق چھوٹی چھوٹی تفاصیل

میں بھی شوق دکھاتا تھا۔ اس نے کئی بار واہن کی تجاویز کی سخت مخالفت کی۔ جن قلعوں کے متعلق فیصلہ ہو چکا تھا واہن ان کے خاکے اور تعمیر سے متعلق فنی تفاصیل اور یادداشتیں پیش کرتا۔ وہ اہم سوالات پر اپنی رائے بھی پیش کیا کرتا۔ مگر جس وقت فیصلہ کیا جا رہا ہوتا۔ اس وقت اس کی حاضری ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ پالیسی بنانے والا نہیں تھا۔ وہ صرف صلاح کار اور مشیر تھا۔

ہمیں اس بات سے واہن کے مشورہ کی اہمیت اور بادشاہ پر اس کے اثر کو کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ البتہ اگر واہن کے ذہن میں کوئی عظیم تزویراتی منصوبہ موجود بھی ہوتا تو اس کی عملی صورت نامکمل سی ہوتی۔ اس کی بہت سی ایسی تجویزیں رد کر دی گئی تھیں جو اس نے بڑے شوق سے پیش کی تھیں۔ علاوہ بریں اس کے کئی منصوبے جنگ اور سیاست کی حقیقتوں نے تباہ و برباد کر دیے۔

کیا واقعتاً واہن کے ذہن میں کوئی عظیم تزویراتی منصوبہ موجود تھا؟ اس سوال کے متعلق بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ گزشتہ صدی کے مصنفین نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ اس کے قلعوں کا محلِ وقوع تزویراتی بنیادوں پر رکھا گیا تھا۔ مگر یہ مصنفین تزویراتی منصوبے کی تفاصیل پیش کرنے سے قاصر رہے۔ ذیلر کے خیال میں اس کے اصولوں میں بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے اور نہ ہی واہن کے ذہن میں کوئی تزویراتی منصوبہ تھا البتہ لیزارڈ اس کی بہت تعریف کرتا ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ واہن دنیا میں وہ پہلی شخصیت ہے جس کو قلعوں کے محلِ وقوع کی تزویراتی اہمیت کا خیال پیدا ہوا۔[ش] صرف واہن کی اپنی تحریر ہی قاری کو ان دو متضاد آرا میں سے ایک کو چننے میں مدد دے سکتی ہے۔

ڈیوولیوشن کی جنگ کی وجہ سے فرانس کو بہت سے قلعے حاصل ہوئے جو ہسپانوی قلعوں کے درمیان جگہ بہ جگہ واقع تھے۔ واہن کا پہلا فرض یہ تھا کہ ان قلعوں کو مضبوط اور مستحکم کرے اور اس کام میں ایامِ امن ۱۶۶۸ء۔۱۶۷۲ء کا عرصہ صرف ہو گیا۔ ۱۶۷۲ء کے موسمِ بہار میں لوئی نے ولندیزیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ واہن نے اس موقع پر پہلی بار سرحدوں کی تنظیم کا سوال پیش کیا۔

ش لیزارڈ۔ "واہن" ص ۴۰۸ - ۴۲۱

۲۰ جنوری ۱۶۷۴ء کے خط میں وہ لیووائے کو لکھتا ہے:۔

"بادشاہ سلامت کو اپنی مملکت تراشنے کے متعلق غور سے سوچ بچار کرنی چاہئے۔ دوست اور دشمن کے قلعوں کا گڈمڈ ہونا مجھے پسند نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک قلعے کے بجائے تین تجویز کرنے پڑتے ہیں[۵۶]۔"

۱۶۷۵ء میں واَبن نے اس سے بھی واضح تجاویز پیش کیں۔ اُس نے مشورہ دیا کہ کانڈے، کوبین اور ویلین سینے کے مقامات کا محاصرہ کیا جائے۔ اِن مقامات کے حاصل کرنے اور پھر اپنے قبضے میں رکھنے سے لوئی کی مزید فتوحات کا یقین ہو جائیگا۔ نموگین کے تین ماہ بعد ۱۶۷۸ء میں واَبن نے شمالی سرحد پر ردوبار سے لے کر میوجے کے مقام تک کی سرحدی تنظیم کے متعلق مضامین کے سلسلے کی پہلی کڑی پیش کی[۵۷]۔

واَبن محفوظ سرحدوں کا مقصد بیان کرنے سے اپنا مضمون شروع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اُس سے دشمن کے لئے داخل ہونے کے تمام راستے مسدود ہو جانے چاہئیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان سے اپنی فوجوں کو دشمن کے ملک میں حملہ کرنے میں آسانی حاصل ہونی چاہئے۔ واَبن کا یہ نظریہ کبھی بھی نہیں رہا کہ قلعے صرف دفاع کے لئے ہی کارآمد ہوتے ہیں۔ وہ صاف طور پر دشمن کے خلاف مہاجمی کارروائیوں میں ان کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ قلعوں کا مقام ایسا ہونا چاہئے کہ وہاں سے اپنے ملک کے اندر کے مواصلاتی ذرائع کی نگہداشت ہو سکے۔ اور اہم سڑکوں یا پلوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے دشمن کے ملک کے اندر جانے کے راستوں تک پہنچنے میں آسانیاں بہم پہنچ سکیں۔ وہ اتنے بڑے ہوں کہ دفاعی سامان اور دیگر ضروریات کے علاوہ مہاجمہ کو تقویت دے سکیں۔ اور اُسے جاری رکھنے کی ضروریات کے متحمل ہو سکیں۔

ان کے علاوہ بھی وہ چند عوامل کا ذکر کرتا ہے جن کی وجہ سے قلعے کی اہمیت بڑھ سکتی ہے۔ وہ رسد کے لئے مستقر کا کام دے سکتا ہے، یا گرد و نواح کے لوگوں کے لئے جائے پناہ ہو سکتی ہے۔ وہ شاید تجارت کی شاہراہ پر حاوی ہو۔ اور ممکن ہے کہ وہ محفوظ بندرگاہ ہو۔

---

[۵۶] لیزارڈ۔ "واَبن" ص ۱۱۵

[۵۷] ،، ص ۲۰۹-۲۱۲۔ زیڈ گیسٹڈ۔ ص ۹۶-۹۸

یہ نکات ایک قلعے کو دوسرے قلعے پر فوقیت دے سکتے ہیں مگر ان کے ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہونے کا سوال ابھی باقی ہے۔ ۱۶۷۸ء کی ایک یادداشت میں وہ اس فیصلے پر پہنچتا ہے کہ سرحد کی مکمل حفاظت اس طرح ہوگی کہ قلعوں کی دو قطاریں ہوں۔ ہر قطار میں تیرہ کے قریب مقامات ہوں اور وہ پیادہ کی لڑائی کی ترتیب کے مطابق شمالی سرحد پر پھیلے ہوئے ہوں۔ پہلی قطار کو اگر نہر کے ذریعے سمندر سے کر شیلڈٹ تک ملحق کیا جائے تو وہ اور بھی محکم ہو جائے گی۔ دریا اور نہریں ایک قلعے کو دوسرے قلعے کے ساتھ ملحق کریں گی اور جا بجا ان کی حفاظت کے لئے معقل تیار رکھے جائیں گے۔

ایسا منصوبہ لازمی طور پر نئی تعمیرات ضروری قرار دے گا۔ مگر وابن اس بات میں نہایت محتاط تھا وہ کہتا ہے کہ اس طرح بہت سے پرانے قلعے غیر ضروری ہو جائیں گے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خزانے میں بچت ہونے کے علاوہ نفری طاقت بھی کم استعمال ہوگی۔ ۱۶۷۸ء کی یہ مشہور یادداشت ایک اور اہم بات بھی پیش کرتی ہے۔ جہاں تک شمالی سرحد کا تعلق تھا۔ وہ محض ایک خط کو دوسرے خط سے نہیں بدلنا چاہتا تھا بلکہ مستقبل کی فتوحات بھی اس کے پیش نظر تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر جنگ چھڑ جائے تو فلاں فلاں دشمن کے قلعے فوراً حاصل کر لینے چاہئیں۔ یہ قلعے فرانس کی قدرتی سرحد تک پھیلنے کے لئے کنجی کا مقام رکھتے تھے۔ "اگر ہم ان قلعوں پر دوبارہ قبضہ نہیں کرتے تو پھر ہم راین کو اپنی سرحد بنانے میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔[ه]"

یہ کہنا از حد مشکل ہے کہ ۱۶۷۸ء کی اس یادداشت میں وابن کے آخری اور پختہ نظریات ہیں یا نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بعد کی تحریروں میں قلعوں سے متعلق تزویراتی افکار کے لحاظ سے کئی خامیاں رہ گئی ہیں۔

وابن کے خیالات میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہی تھیں اور یہ اس کی تحریروں سے عیاں ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کے عہد کے آخری ایام میں وابن کو بدلتے ہوئے حالات کے تحت کام کرنا پڑا تھا۔ اخراجات پر بڑھتی ہوئی اقتصادی روک تھام اور نفری طاقت کی کمی

[ه] لیزآلی "فرانس کی سرحد میں" (پیرس ۱۹۶۴ء) ص ۸۳-۸۵

نے اسے قلعوں کے مسمار کرنے پر بھی اسی طرح مجبور کیا۔ جس طرح وہ پہلے قلعوں کی تعمیر کی تجاویز پیش کیا کرتا تھا۔[ثہ] علاوہ ازیں لوئی کی فوجیں اب دن بدن دفاع پر مجبور کی جا رہی تھیں۔ مقام تعجب نہیں کہ واباں نے بھی اسی لئے اپنے تئیں دفاعی فکر کا عادی بنا لیا ہو۔

اگر ان دو باتوں یعنے مسلسل خط کو محصور مقامات کے ذریعے مضبوط کرنے کا نظریہ اور جو خیال اس نے سنہ ۱۶۷۸ء میں پیش کیا تھا۔ یعنے قلعوں کی دوسری قطار کو چھوڑ دینے کی تجویز، تو لیڈل ہارٹ کا یہ نظریہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ جدید تزویرات نے "محصور علاقے" کا جو نظریہ قبول کیا ہے۔ اس کا بانی واباں ہی تھا۔ حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ واباں کے خیالات باریک سے باریک خط کی جانب منتقل ہوتے چلے گئے۔ اسے اپنے پیش روؤں سے محصور علاقے کے قسم کی غیر منظم سی چیز ورثے میں ملی تھی اُسے وہ آسان سے آسان تر کرتا گیا۔ پہلے تو اُس نے قلعوں کی دو قطاروں میں تبدیل کیا۔ جو قریب قریب پیادہ کی سادہ ترین ترتیب کی نقل تھی۔ اور پھر اُسے مزید سہل بنانے کے لئے ایک حلقے کی شکل دے دی۔ یہ حلقہ متعدد قلعوں سے مکمل ہوتا تھا جنہیں دریا یا نہر کے ذریعے آپس میں ملا لیا گیا تھا۔ اس حلقے کی حفاظت کے لئے قلعوں کے سپاہیوں سے مدد مل رہی تھی۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ عظیم انجینئر رفتہ رفتہ دفاع کی اہمیت کو قلعوں کی بجائے فوجوں میں دیکھنے لگا۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ گیبوبرٹ کے نظریے کے بہت ہی قریب آ گیا تھا جو کہتا ہے کہ ملک کا صحیح دفاع اس کی فوج پر منحصر ہے اور نہ کہ اس کے قلعوں پر۔ ملک کے ایک قلعے کے ساتھ مشابہت دی جا سکتی ہے۔ محصور مقامات محض اس کی گمٹیاں ہوتی ہیں اور فوج اس کے جنگیاں پر دے۔

ثہ وزیر - ص ۹۸ - ۱۰۷

تیسرا باب

فریڈرک اعظم۔ گیوبرٹ۔ بیوُلو

خاندانی جنگوں سے قومی جنگوں تک

ان۔ آر۔ پامر

۱۷۴۰ء سے ۱۸۱۵ء تک کے زمانے نے پرانی طرز کی جنگ کی پختگی اور نئی طرز کی آمد کو دیکھا۔ یہی نئی طرز ہم اکثر و بیشتر اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان دونوں طرزوں کا فرق اور امتیاز ہی اس باب میں پیش کیا جائے گا۔

میکاولی نے فنِ جنگ کے مطالعے کو معاشرتی سائنس کا رتبہ دیا تھا۔ اس نے فوجی معاملات میں انسانی ذہن کے منصوبے کی حدوں کو وسیع کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اتفاقات کے امکانات کم ہو جائیں۔ وابن نے فوجی حلقوں کے سامنے سائنس اور فنیات کی خدمات لا کر رکھیں۔ لوئی چہاردہم کی حکومت نے ایک طرف تو فوجوں کی تعداد کو اتنا بڑھایا کہ اس کی مثال موجود نہ تھی۔ اور دوسری طرف منظم، انتظامات اور نظارت کے اصولوں کو بہتر بنایا تھا۔ اس نے انضباط کو نئے معنے دئے تھے۔ تدبیراتی وحدتوں کے درجات قائم کئے تھے۔ کمان کے سلسلے کی الجھنیں رفع کی تھیں، فوجی کمانداروں کو حکومت کے کارندوں کا درجہ دیا تھا اور فوجوں کو حکومت کے ملازمین کا مقام عطا کیا تھا۔ جس دَور پہ ہم اب غور کر رہے ہیں۔ اس دور نے بھی ان باتوں کو وسعت دی اور ان کے نتائج کی رفتار میں سرعت پیدا کر دی۔

خاص خاص اختراعات فوجوں کی تشکیل اور ان کے استعمال یعنے نفری طاقت اور تزویرات سے متعلق تھیں۔ محاصرہ کاری کی سست رفتار تزویرات کی جگہ جارحانہ، حرکی اور معرکہ آرا تزویرات نے لی۔ یہ تبدیلی سلطنتوں کے دستورات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ آئی۔ جب خاندانی حکومتوں

کہ جگہ قومی حکومتوں نے لی یہ انقلاب فرانس کا نتیجہ تھی۔ انقلاب فرانس سے پہلے جنگ کے معنی دو بادشاہوں کے درمیان کشمکش ہوا کرتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ قوموں کے درمیان تصادم کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے اور اسی لئے بتدریج "کلی" شکل اختیار کر رہی ہے

خاندانی مملکتوں کی وجہ سے فوجوں کی تشکیل پر چند پابندیاں عاید ہو چکی تھیں۔ امراء کے امتیازی حقوق حکومت کی آزادی پر رکاوٹیں ڈالنے کا باعث بنے ہوئے تھے۔ ان امتیازی حقوق میں لگان کی معافی اور فوجوں میں افسری عہدوں کا صرف انہیں تک محدود ہونا بھی شامل تھا۔ حکومتوں اور ان کی آبادی کے درمیان کوئی خاص جذباتی تعلقات کارفرما نہ ہوتے تھے۔ اچھی حکومت وہ تھی۔ جو رعایا سے کم سے کم محصولات مانگے اور جو زمانہ جنگ میں شہری زندگی کے کاروبار میں کم سے کم مخل ہو۔ "اچھی آبادی" وہ تھی جو قوانین کی پابندی کرے، لگان ادا کرے اور شاہی خاندان کی وفادار رہے۔ انہیں اپنی قومیت کا کسی قسم کا احساس نہیں تھا۔ نہ ان پر ملکی کاموں کا انجام دینا فرض تھا۔ اور نہ ہی جنگ میں سخت جانفشانی دکھانے کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔

فوج مملکت کی آئینہ دار تھی۔ اندرونی طور پر وہ طبقات میں منقسم تھی۔ جن کے مفاد میں کوئی شے مشترک نہ تھی۔ ایک طرف افسر جن کے محرک، عزت طبقاتی وجدان، افتخار اور اولوالعزمی، دوسری طرف سپاہی، جو طویل عرصے کے لئے بھرتی ہوتے تھے۔ اور پیشے یا روزگار کے طور پر جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ خیال یہ کیا جاتا تھا کہ وہ کسی قسم کے اعلٰے جذبات کے قابل نہ تھے۔ اگر وہ کسی شے سے شدت کے ساتھ وابستہ تھے تو وہ بادشاہ کی ذات تھی اور انہیں عموماً اپنی پلٹن میں ایک خاص قسم کا فخر ہوا کرتا تھا۔ قریب قریب ہر ملک کا رجحان یہ تھا۔ کہ ان لوگوں کو بھرتی کریں جو اقتصادی طور پر سب سے زیادہ بیکار ہوں۔ شہری آبادی ہر جگہ ان سے دور رہنا پسند کرتی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں افسر اور سپاہی یکساں طور پر ایک فوج سے دوسری فوج میں منتقل ہونے کے عادی تھے۔ انقلاب فرانس سے پہلے جنگ اور امن کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ نہایت آسانی سے ایک فوج سے دوسری فوج میں چلے

جاتے۔

فوجوں کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ تربیت اور انضباط پر بھی اوپر سے نیچے تک کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ جن لوگوں کو یک جا رکھنے کے لئے کوئی جذبہ موجود نہ تھا۔ انہیں فولادی تسلط ہی ایک محکم طاقت بنا سکتا تھا۔ انفرادی طور پر یا چھوٹے چھوٹے دستوں میں اور یا پھر افسروں کی نظروں سے اوجھل سپاہ کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فنی ضروریات بھی انفرادیت کے خلاف ہوتی تھیں۔ بندوقوں کی محدود زد اور ناقابلِ اعتبار نشانہ انفرادی فیر کو بے اثر بنا دیتا تھا۔ تدبیراتی ہم‌آہنگی حاصل کرنے کے لئے طویل اور تشدیدی تربیت کی ضرورت ہوتی تھی۔ ہر سپاہی وقت اور روپیہ کے لحاظ سے اچھا خاصہ سرمایہ ہوا کرتا تھا۔ تربیت یافتہ فوجیں جو لڑائی میں تلف ہو جاتیں ان کی جگہ آسانی سے پُر نہیں کی جا سکتی تھی۔ ذرائع آمد و رفت کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے ضروری تھا کہ ساز و سامان اور خوراک بہت بڑی مقدار میں مقام جنگ کے قریب رکھی جائے۔ اور اس سامان کی حفاظت کے لئے فوجیں تعین کی جاتیں۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ فوجیں قلعوں کی قطار میں جمع کرنی پڑتی تھیں۔ مخازن فوج کے پیچھے قریب ہی ہوتے تھے۔ مگر اس نے باوجود جب وہ کوچ کرتیں تو سامان برداری کی مقدار اتنی بھاری ہوتی تھی۔ کہ دن میں بہت تھوڑی مسافت طے کی جا سکتی تھی۔

ایسے حالات میں فوجوں کے درمیان کھلا تصادم شاذ و نادر ہوا کرتا تھا۔ اور کماندار کے لئے مشکل امر تھا کہ وہ ایسے دشمن کے ساتھ اتصال قائم کرے جو اس کے لئے تیار نہ ہو۔ لڑائی نہایت پر احتمال تھی۔ عسکری مفکروں کی رائے تھی کہ ملک بعض اوقات فتح سے بھی اتنا ہی نقصان اٹھا سکتا ہے جتنا کہ شکست سے۔ یوں بھی یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ لڑائی کے ذریعے سیاسی نتائج بسرعت انجام پذیر ہونگے۔

مختصراً یہ کہنا درست ہو گا۔ انقلابِ فرانس سے قبل بہت سے عوامل نے مل کر جنگ کو محدود بنا دیا تھا۔ جسے محدود وسائل کے ساتھ محدود مقاصد کے لئے لڑا جاتا تھا۔ جنگیں طویل ضرور ہوتیں مگر شدید نہیں ہوتی تھیں۔ لڑائیاں تباہی خیز تھیں۔ مگر شاید اسی لئے ان کی طرف رجوع کم کیا جاتا تھا۔ اقدامات کا رُخ قلعوں، مخازن، کلیدی مقاموں اور رسدی

خطوط کے خلاف موڑا جاتا تھا۔ مورچہ بند جنگ کو حرکتی جنگ پر ترجیح دی جاتی تھی۔ مکمل تباہی کی تزویرات پر مسلسل مگر معمولی کامیابیوں کی تزویرات کو ترجیح دی جاتی تھی۔

۱۷۸۹ء کے بعد جس دھماکے نے یورپ کو ہلا دیا اس میں یہ سب کچھ بدل گیا جیسا کہ ڈیلبرک نے کہا ہے "انقلابِ فرانس کے سیاسی اثرات نے فوج کو ایک نیا دستور عطا کیا جس نے پہلے تو نئی تدبیرات کا وجود پیدا کیا اور پھر اُس سے نئی تزویرات وجود میں آئیں۔"

یہ تبدیلیاں تین عسکری مفکروں کی تصانیف میں واضح طور پر موجود ہیں۔ انقلابِ فرانس سے قبل کے یورپ میں جو حالات تھے ان میں جو کچھ ممکن تھا۔ اُس کی ترجمانی فریڈرک اعظم کے کارناموں میں ملتی ہے۔ بیوؔلو نے انقلابی اور نپولینی جنگیں دیکھی تھیں اور اُس نے اُن جنگوں کے نتائج کو بتدریج محسوس کیا تھا۔ ان تینوں میں سے صرف فریڈرک ہی آزمودہ کار سپاہی تھا۔ اس کی تصانیف اس عصر کی لڑائی کی تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ گیوبرٹ اور بیوؔلو بھی گو تربیت کے لحاظ سے فوجی افسر تھے۔ مگر انہوں نے میدانِ جنگ میں فوجوں کی کمان نہیں سنبھالی۔ انہیں بحیثیت نقاد، مصلح اور پیش بین کے امتیاز حاصل ہے۔

(۲)

جب ۱۷۴۰ء میں فریڈرک اعظم نے بغیر کسی اعلان کے سیلی سیا پر حملہ کیا تو اُس نے یورپ کو پہلی مرتبہ بتایا کہ آئندہ برق رفتاری سے کیا معنے لیے جائیں گے۔ اس نے بارہا اپنے سے طاقتور دشمنوں سے لڑ کر یہ ثابت کیا کہ اپنے زمانے میں بحیثیت سپہ سالار اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس کے پرشیا میں وہ تمام عناصر موجود تھے۔ جو خاندانی سلطنتوں کے لئے مایۂ امتیاز ہوتے ہیں۔ یعنے اوپر سے حکمرانی کی جانے والی سلطنت اور ملک کے باشندوں کی جانب سے کم سے کم اثر لینے والا ملک۔ علاوہ بریں وہ مادی اور انسانی وسائل میں بھی کمزور ترین ریاست تھی۔ فریڈرک پُرنویس اور اچھا ادیب بھی تھا۔ ایسی سلطنت کے اس طرح کے مطلق العنان بادشاہ کی تحریروں میں وہ تمام باتیں موجود ہیں۔ جن کا ذکر گزشتہ باب میں آچکا ہے۔

فریڈرک کی پہلی اہم تصنیف "لڑائی کے اہم ترین اصول" تھی۔ جسے اس نے ۱۷۴۶ء میں لکھا اور جس میں اس نے سیلی سیا کی دونوں جنگوں کے تجربات شامل کئے تھے۔ یہ تصنیف رازدارانہ طور پر جرنیلوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ جب ۱۷۶۰ء میں اس کا ایک جرنیل فرانسیسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو یہ کتاب شائع کی گئی۔ ۱۷۶۸ء میں جب اس کی جنگیں ختم ہو چکی تھیں اور اس کے خیالات بھی اپنی شدت کھو چکے تھے تو اس نے اپنے بعد کی نسلوں کے لئے اپنی "فوجی وصیت" تیار کی۔ اس نے ۱۷۷۱ء میں اپنے سپہ سالاروں کے لئے ہدایات مرتب کیں اور ان کا نام "نقشہ کشی اور تدبیرات کے بنیادی عناصر" رکھا۔ وہ اپنے پورے دور میں فوج کے مختلف شعبوں کے لئے ہدایات مرتب کرتا رہا جنہیں ۱۸۴۶ء میں اس کی دیگر تصنیفات کے ساتھ یک جا کر کے شائع کیا گیا تھا۔ اس کی ان ہی تحریروں میں اس کے ہمعصر اس کی کامیاب سپہ سالاری کے راز دیکھنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ فوجی تنظیم اور تدبیرات میں تو بالعموم وہ اپنے اوائل کے نظریات پر قائم رہا البتہ تزویرات اور سیاست میں وہ ۱۷۴۰ء کی واضح جارحیت سے ہٹ کر نسبتاً غیر فعالی فلسفے کا قائل ہو گیا تھا۔

پرشیا کے حاکم مدتوں سے اپنے آپ کو فوج کی تنظیم سے وابستہ رکھا کرتے تھے۔ اس کے پردادا "الیکٹر اعظم" نے پہلے پہل فوج کی بنیاد رکھی تھی۔ اور اس فوج کے اخراجات کا کفیل ہونے کے لئے اس نے نئی اقتصادیات کی بنا ڈالی۔ اس کے عہدِ حکومت میں ہی پرشیا کی خصوصیات کا آغاز ہوا۔ اولاً یہ کہ پرشیا کا وجود اور اس کا علیحدہ مقام اس کی فوج کا مرہونِ منت تھا۔ دوم یہ کہ عسکری سائنس، سیاسیات اور اقتصادیات مل کر مملکت آرائی کے فن کا باعث بنے۔ سوئم یہ کہ پرشیا کا وجود ہوہنزولرن خاندان کی منصوبہ بندی کی کامیابی کی دلیل تھا۔ پرشیا کا بادشاہ ریاست کے کاروبار کو بنفسِ نفیس چلایا کرتا تھا اور ہر شعبے کی باگ ڈور اس کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ یعنے وحدت کا مرکز اس کی اپنی ذات تھی۔

فریڈرک کی رائے میں اگر پرشیا کا بادشاہ مضبوط فوج رکھنا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ ملک کے مختلف طبقات اور امراء کے درمیان توازن قائم رکھے۔ کاشتکار اتنے غریب تھے کہ وہ افسر نہیں بن سکتے تھے۔ دکاندار اور تاجر پیشہ طبقے سے افسر لینا "فوج کے تنزل

اور تباہی کی طرف پہلا قدم ہوگا۔[1] اس کا قول تھا کہ اگر کرنل دلیر ہو تو پوری پلٹن دلیر ہوتی ہے۔ اور اہم موقع پہ ایک کرنل کے فیصلے پر پورے ملک کی قسمت کا دار و مدار ہو سکتا ہے۔ مگر بادشاہ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ طبقۂ امرا میں جذب و شوق پوری طرح موجود ہے۔ عام سپاہیوں کے متعلق فریڈرک کے دل میں اس طرح کا احترام تھا جو ان لوگوں کے لئے ہوا کرتا ہے جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ کاشتکار خاندانوں کا تحفظ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اُن کی زمینیں تاجر پیشہ اور امرا غصب نہ کر لیں۔ فوج میں صرف وہی لوگ لئے جائیں جو زراعت کی ضروریات سے زاید ہوں۔ فریڈرک پرشیا کے اضلاعی منصوبے کو پسند کرتا ہے۔ جس کی رُو سے بھرتی کے بوجھ کو متوازن کرنے کے لئے مختلف رجمنٹوں کے لئے مختلف اضلاع بانٹے گئے تھے۔ جن میں سے وہ اپنی نفری طاقت کو پورا کرتی تھیں۔ اسے وطن دوست قومی فوج کی اہمیت کا احساس تھا۔ مگر اس نے اس طرف کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ اور اپنی سلطنت کے نظام میں انقلابی تبدیلیاں لائے بغیر وہ اس جانب کوئی اقدام کر بھی نہ سکتا تھا۔ عملی طور پر صف کے عام سپاہیوں کے لئے اس کے دل میں کوئی عزت نہ تھی اور آخر تک اس کا یہ نظریہ قائم رہا کہ غیر ملکی سپاہیوں کا استعمال اچھی ریاست کاری کا ثبوت تھا۔[2]

فریڈرک کے سپاہی اس کے ساتھ کسی خاص جذبے کی وجہ سے وابستہ نہیں تھے یوں بھی اٹھارھویں صدی کے کمانداروں کے لئے سپاہیوں کا فرار کر جانا باعثِ فکر رہا کرتا تھا غیر منظم جرمنی میں تو یہ مرض عام تھا۔ وہاں قریباً ہر جنگ میں یہ دیکھا جاتا تھا کہ ایک ہی زبان بولنے والے دو مخالف لشکروں میں لڑ رہے ہوتے تھے۔ چونکہ وہ غیر اعتباری مواد استعمال کر رہا تھا۔ اس لئے فریڈرک کڑے انضباط پہ بہت زور دیا کرتا تھا۔ اِس معاملے میں بھی فوج ملک کی آئینہ دار تھی۔ وہ ہر افسر اور سپاہی کو اس بات کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ "ہر عمل صرف ایک ہی شخصیت کے ذہن کی پیداوار ہو سکتا تھا۔" یا پھر کوئی شخص بھی توجیہہ نہیں کر سکتا ہر شخص حکم کی تعمیل کرتا ہے۔" یعنے سوچنا صرف مرکزی طور پر روا رکھا جا سکتا ہے اور وہ صرف

۱؎ فریڈرک اعظم۔ حکومت کے اصول (۳۰ جلدیں۔ برلن ۱۸۵۶ء) جلد ۹۔ ص۔ ۱۸۶۔

۲؎ فریڈرک "جنگ کے عام اصول"

بادشاہ کے ذہن میں.

اصول یہ تھا کہ جب سپاہی انضباط کی وجہ سے احکام کی تعمیل کے عادی ہو جائیں تو پھر ان کی مناسب تربیت کی جائے۔ پرشیا اپنے پریڈ میدانوں کے لئے مشہور تھا مقصد یہ تھا کہ تدبیراتی حرکیت، مارچ کی ترتیب سے لڑائی کی ترتیب میں پہنچنے کی مہارت، فیر کے نیچے بھی پرسکون رہنا اور احکام کی بے چون وچرا تعمیل میں کسی قسم کی خامی نہ رہنے دینا۔ فریڈرک بار بار کہتا تھا کہ جو فوج اس طرح سے تربیت دی گئی ہو وہ سپہ سالاری کے فن کی تکمیل میں پوری طرح معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اس طرح سے پرزوں کی سی حرکت پر قادر فوجوں کے ساتھ لڑائی میں جانا چنداں مشکل کام نہ تھا۔ مخالف فوجیں نقشے کے مطابق صف آرا ہوتی تھیں۔ ہر دو پہلو پر رسالہ، توپخانہ مناسب طور پر پورے محاذ پر پھیلا ہوا اور قدرے عقب میں، پیادہ بٹالینیں دو مضبوط متوازی خطوط میں، دوسرا خط پہلے سے سو گز پیچھے۔ ہر خط یا کم از کم پہلا خط تین صفوں پر مشتمل۔ ہر ایک صف ایک ہی حکم پر فیر کرتی اور جب ایک فیر کرتی تو دوسری دو صفیں بندوق دوبارہ پُر کرتیں۔ سپاہیوں کو صفوں میں قائم رکھنا آسان کام نہ تھا خصوصاً جب کھنی سے کھنی لگی ہوتی اور دشمن چند سو گز پر بالمقابل ہوتا۔ مگر احکام سخت ہوا کرتے تھے: "اگر معرکے کے دوران میں کوئی سپاہی داہنے بائیں اس طور پر دیکھتا ہے جیسے بھاگ کھڑا ہونا چاہتا ہو۔ یا اگر صرف خط سے باہر ایک قدم بھی نکالتا ہے تو عہدیدار جو اس کے پیچھے کھڑا ہو گا اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنی سنگین اس کی پیٹھ کے پار کر دے اور اسے موقع پر مار ڈالے۔"

فریڈرک رسالے کو بہت اہمیت دیتا تھا اور وہ اس کی فوج کا ایک چوتھائی حصہ تھا۔ وہ اسے عام طور پر مضبوط تدبیراتی وحدتوں میں صدماتی عمل حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اسی لئے شاید اس کی طلایہ کی کارروائیاں کمزور رہتی تھیں۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں توپخانے کا استعمال بڑھ گیا تھا۔ سیلیسیا کی شکست کے بعد آسٹریا والوں نے فریڈرک کی حرکی کالموں کا مقابلہ کرنے کے لئے توپخانے کے استعمال میں اضافہ کر دیا تھا۔ فرانسیسی اس دور کے بہترین توپ انداز تھے۔ فریڈرک نے بارہا اس ترقی کے خلاف شکایت کی۔ اس لئے کہ بڑی سلطنتوں میں سے پرشیا کے لئے توپخانے کا بڑھتا ہوا استعمال بہت مہنگا پڑتا تھا۔

متوازی خطوط کی ترتیب میں جب ایسے دو خطوط ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تو لاتعداد اتلاف ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے فریڈرک پہلوئی حملے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنی مشہور "ترچھی ترتیب" وضع کی۔ ایک پہلو کا ٹکڑوں میں آگے بڑھ جانا اور دوسرے پہلو کا دشمن کی زد سے باہر رہنا۔ فریڈرک کی اعلیٰ حرکیت اور بہتر ارتباط نے اس کی پہلوئی حرکتوں کو کامیاب بنانے میں مدد دی۔

سیلی سیا پر اس کے براتی حملے نے یورپ کو متحیر کر دیا۔ سیلی سیا کی یہ پہلی جنگ (۱۷۴۰ء - ۱۷۴۲ء) نہایت خطرناک بازی تھی۔ جس میں پرشیا کے بادشاہ نے بہت بھاری داؤ لگایا تھا سیلی سیا کی دوسری جنگ کے دوران کچھ عرصے تک تو اس کا ارادہ تھا کہ ہیبس برگ خاندان کا کاملاً صفایا کر دے۔ اسے اس میں تو کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ وہ سیلی سیا پر قابض رہا۔ بعد ازاں اس کی جنگی پالیسی نسبتہً نرم ہو گئی: "جنگ کے اہم ترین اصول" میں وہ برقتازی تزویرات کا قائل نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پرشیا کی جنگیں "مختصر مگر تند" ہونی چاہئیں۔ پرشیا کے سپہ سالاروں کو چاہیئے کہ زود خیز نتائج کے درپے رہیں[۳۱]۔ اس کے خیال میں طویل جنگ سے پرشیا کے ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ اور اس کی فوجوں کا قابل قدر انضباط کمزور پڑ جائے گا۔ مختصر جنگ کی خواہش کا فطری نتیجہ تھا کہ اس کے بعد وہ اس نظریے پر پہنچا کہ یا تو جنگ کی طرف رجوع کرنا ہی نہیں چاہیئے اور یا ایسی جنگ قبول کی جائے جو طویل تو ہو۔ مگر جس کی شدت اس قدر کم ہو کہ ملک کے مادی اور انسانی ذرائع اسے برداشت کر سکیں۔ دونوں حالتوں میں فیصلہ کن شرائط ایک سی ہی تھیں۔ سلطنت کے محدود ذرائع؛ پہلے سے تیار کردہ مخازن اور ایسے سپاہیوں کا استعمال جو حد درجہ تربیت یافتہ تو تھے مگر جنہیں ایام جنگ میں اپنے مقصد پر قائم رکھنے کے لیے کسی قسم کے داخلی محرکات موجود نہ تھے۔

ان میں سے کسی شرط کو بھی فریڈرک ہٹا نہ سکا۔ علاوہ ازاں جب سیلی سیا کے ضائع ہو لے کے بعد آسٹریا نے اپنے توپخانے کو محکم کر لیا تو جارحانہ تزویرات کو ترقی دینے کے لیے فریڈرک نے بہت سی فنی رکاوٹیں بھی محسوس کرنا شروع کیں۔ معمر بادشاہ اپنے آخری ایام میں بار بار کہتا

---

[۳۱] "جنگ کے اہم ترین اصول" (۱۷۴۶ء) مجموعۂ تصانیف ۲۸۔ ص ۴۸

تھا کہ اس کی جوانی کے دنوں کے حالات اب موجود نہ تھے اور اسی لئے آئندہ پرشیا صرف مورچہ بند جنگ ہی لڑ سکے گا۔ وہ کہتا ہے کہ قلعے "وہ مضبوط میخیں ہیں جو بادشاہ کی مملکت کے مختلف صوبوں کو اکٹھا کئے رکھتی ہیں۔" واہن کے زمانے سے محاصروں کی تکمیل کو سائنس کا مقام مل چکا تھا فریڈرک نے ان روایات کو قائم رکھا گو یہ امر مستقبل کے عسکری دستور کے بالکل ہی برعکس تھا۔ نپولین کو پوری زندگی میں صرف دو محاصرے کرنے تھے۔

دونوں میں ایک اور اختلاف بھی تھا۔ نپولین کے برعکس فریڈرک بھرپور لڑائی کا خواہشمند نہ تھا۔ اس کے خیال میں لڑائی کا نتیجہ بہت بڑی حد تک "اتفاقات" پر منحصر ہوتا تھا اور "اتفاقات" عقلی انحصار کی ضد تھے منصوبہ بندی کے لئے جس بلند ذہنی قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور کمانداری کی اعلیٰ طاقت جو فوجوں سے بے چوں و چرا تعمیل حاصل کرتی ہے۔ یہ فریڈرک کی نگاہ میں سائنسی جنگ کے اساسی اصولوں میں شامل تھیں۔ اور بھرپور لڑائی کی حدت و شدت میں ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دشمن کی لڑاکا جمیعت کو تباہ کرنا فریڈرک کے نزدیک مقصود میں شامل نہیں تھا۔ اسے اس بات کا احساس ضرور تھا کہ فاتح اس بات کی کوشش کرے گا کہ وہ پسپا شدہ دشمن کا تعاقب کرے۔ البتہ تباہ کن تعاقب فریڈرک کی فوج کے لئے آسان نہ تھا۔ رسالہ جسے ٹھوس وحدتوں میں صدماتی عمل کی تربیت دی گئی تھی۔ جب منتشر ہو جاتا تو اس کے فرار کر جانے کا احتمال ہوتا تھا۔ درحقیقت جہاں تک فریڈرک کا تعلق تھا وہ لڑائی کا مقصد یہ سمجھتا تھا کہ دشمن کو حرکت کر جانے پر مجبور کیا جائے۔ وہ کہتا ہے "لڑائی جیتنے کے یہ معنے ہیں کہ اپنے دشمن کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا مقام تمہارے حوالے کر دے۔[۵]

یہ وجہ تھی کہ فریڈرک کی جنگ رفتہ رفتہ مورچہ بند جنگ بنتی گئی۔ اجمالی طور پر سست رفتار اور آرام دہ (البتہ تدبیراتی طور پر وہ ایسی نہ تھی) اور وہ جنگ جس کا مشورہ ۱۷۴۶ء میں دیا گیا تھا۔ اس سے بالکل ہی برعکس۔ وہ ۱۷۶۸ء میں لکھتا ہے "بہت سی چھوٹی چھوٹی فتوحات کے یہ معنے ہیں کہ رفتہ رفتہ ایک خزانہ جمع کر لیا جائے۔" گو اس کا تزویراتی تفکر مورچہ بند لڑائی کی

---

[۵] "فوجی آئین" ۱۷۶۸ "تصانیف" ۶۔ ص ۲۴۶-۲۴۹۔ "سیاسی آئین" ۷۔ ص ۱۰۴

حدود کے اندر مقید رہا۔ اس کے باوجود معرکہ آرائی میں وہ سلبیت کا ہرگز قائل نہ تھا۔ وہ آخر تک ناگہانیت کی اہمیت پر زور دیتا رہا۔ وہ میدان میں مہاجمانہ تدبیرات کو ترجیح دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں اقدام کے مواقع زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ اکثر دماغی جنگ لڑنا بھی قبول کر لیتا تھا خصوصاً ایسے موقعوں پر جب اس طرح اسے تیاری مکمل کرنے کے لئے زائد وقت ملنے کی توقع ہوتی تھی۔

جو حالات اس زمانے میں موجود تھے۔ ان کے تحت وہ رفتہ رفتہ اس خیال کا حامی ہو گیا کہ جنگ سے کوئی خاص نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ پرشیا کی توسیع اسے پولینڈ، سیکسونی اور سویڈن جیسے رونما میں نظر آتی تھی۔ مگر اس کی تکمیل وہ اپنے بعد کی نسلوں کے لئے چھوڑنے پر رضامند تھا۔ وہ ایک خاندان سے متعلق تھا۔ نہ تو وہ انقلابی تھا اور نہ ہی مخاطرہ طلب۔ اس لئے وہ آسانی سے اپنے مقاصد کی تکمیل کا کچھ حصہ دوسروں کے لئے چھوڑ سکتا تھا۔ اسے اپنے بڑے بڑے پڑوسیوں کے ہاتھوں تباہ ہونے کا خدشہ بھی نہ تھا۔

"میرے خیال میں اگر چھوٹی ریاستیں نظم اور استقلال سے کام لیں تو وہ بڑی سے بڑی سلطنتوں کے مقابلے میں قائم رہ سکتی ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ بڑی سلطنتیں انتشار اور برائیوں سے بھری پڑی ہیں۔" اس نے مطلق اس طرف نہیں سوچا تھا کہ اگر یہ بڑی سلطنتیں اپنے انتشار اور اپنی برائیوں سے نجات حاصل کر لیں تو پھر کیا ہوگا۔ وہ انقلاب فرانس کی پیش بینی نہیں کر سکا تھا۔[1]

(۳)

اُدھر اس اثنا میں فرانس میں نپولیانی طرز جنگ کی بنیادیں قائم کی جا رہی تھیں گریبوال نے توپ خانے میں متبدل حصوں کی ایجاد، فیر کی درستی میں ترقی، اور توپوں کا وزن کم کرنے سے ان میں حرکیت کے آنے سے انقلابی صورت پیدا کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ لشکر نے علیحدہ اور مستقل صورت اختیار کر لی۔ جو فوج کا خاص حصہ کہلانے لگا اور جس کی قیادت ایک جرنیل

---

[1] "سیاسی آئین" ۱۷۵۲ء "تصانیف" میں ۷، ص ۱۵۸۔

کو سونپی جانے لگی۔ اب لڑائی میں بڑی فوجیں ایک ہی ناقابلِ تقسیم وحدت نہ رہی تھیں کمانداروں اعلےٰ کے لئے تزویرات اور تدبیرات کی نئی نئی راہیں کھل گئیں اور ماتحت جرنیلوں کو بھی اہمیت دی جانے لگی۔ انقلابی جنگوں میں پہلی بار لشکر کو اہمیت دی گئی۔ اس کا نتیجہ نپولین اور اس کے سپہ سالار تھے[ه]۔

سنہ ۱۷۶۳ء کے بعد عملی اختراعات کے علاوہ علم نظری پر بھی بہت سی تصانیف منظرِ عام پر آئیں۔ علمائے نظری میں امراء کے طبقے سے متعلق بھی ایک فرد تھا۔ اس کا نام کاؤنٹ ڈی گیوبرٹ تھا اور اس نے سنہ ۱۷۷۲ء میں اپنے "تدبیراتی مضامین" شائع کئے۔ اس کا انداز متضادانہ تھا۔ وہ بے جا تصرف کی طرف مائل تھا اور جذبات سے مغلوب ہو کر لکھتا تھا۔ جب اس نے "مضامین" لکھے اس وقت وہ جرمنی اور کورسیکا میں افسر کی حیثیت سے لڑ چکا تھا۔ دیگر "فلاسفہ" کی طرح وہ بھی فریڈرک کا مداح تھا۔ ان کی نظروں میں فریڈرک عصریت اور روشن خیالی کی بین مثال تھا۔ "تدبیراتی مضامین" میں دو خاص موضوع زیرِ بحث تھے۔ ایک تو وطن دوست یا شہری فوج کے قیام کی حمایت اور دوسرا موضوع حرکتی جنگ کی طرف دعوت تھی۔ ان دونوں کو گیوبرٹ تدبیرات میں شامل کرتا ہے۔ اس زمانے میں لفظ تدبیرات سے فوجوں کی چال کاری مراد لی جاتی تھی۔ "تدبیرات عظیم" سے وہی کچھ مراد ہوتا تھا جسے آج ہم "تزویرات" کہتے ہیں اور "بنیادی تدبیرات" سے محض تدبیرات مراد لی جاتی۔ گیوبرٹ نے ان معانی کو کوتاہ کہہ کر رد کر دیا۔ اس کی نگاہ میں پوری عسکری سائنس تدبیرات میں شامل تھی۔ اس کا قول ہے: "یہ ہر زمانے ہر جگہ اور ہر ہتھیار کی سائنس ہے۔" دوسرے "فلاسفہ" کی طرح گیوبرٹ کو بھی کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ انقلابی افکار کا نتیجہ انقلابی عمل ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے "چونکہ ہم شہری فوج قائم نہیں کر سکتے اس لئے ہماری فوجوں کو کم از کم اچھی تربیت اور اعلیٰ انضباط سے لیس ہونا چاہئے۔ گیوبرٹ اس نتیجے کے طور پر اس مقام پر پہنچا ہے جہاں پہنچ کر فریڈرک نے سنہ ۱۷۴۶ء میں یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ گو شہری سپاہی بہترین ہیں، مگر چونکہ ہر سپاہی اس ملک کا شہری نہیں جس کی فوج میں وہ شامل ہے اس لئے سپاہیوں پر نہایت کڑا انضباط رکھنا چاہئے اور ان کی تربیت

[ه] ای۔ پکارڈ۔ "اٹھارھویں صدی میں فرانسیسی توپخانہ" (پیرس ۱۹۰۶)

اعلےٰ ہونی چاہیے۔[۴]

"مضامین" کا دوسرا موضوع، حرکتی جنگ کی طرف دعوت، شہری فوج کی نسبت زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے خیال میں اس کے زمانے کی افواج بہت زیادہ بڑی تھیں توپخانے کو ضرورت سے زیادہ وقعت دی جاتی تھی۔ اور قلعوں اور مخازن کی تعداد ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور قواعد اور زمینی مطالعہ کو ان دنوں جو اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ اس پر بھی معترض ہے اس کے خیال میں چونکہ یورپی اقوام جذبات سے عاری ہیں۔ اس لئے وہ مادی اشیاء اور اعداد و شمار پر زیادہ بھروسا کرتی ہیں اور شجاعت کی کمی کو وہ زر و مال سے پورا کرتی ہیں فریڈرک کی طرح وہ توپخانے کو ایک علحدہ شعبے کا مقام نہیں دیتا اور اُسے محض مددگار سمجھتا ہے۔ وہ ڈیو ٹیل اور دوسرے ہم عصر توپخانے سے متعلق علماء نظری کے کام کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہا یہ لوگ توپوں کی تازہ حرکیت کو کارگر فیری اجتماع حاصل کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ انہی لوگوں کی تربیت نے توپخانے کے کامیاب ترین افسر نپولین بونا پارٹ کے ذہن کو جلا بخشی۔

گیوبرٹ نے فریڈرک سے مزید اختلاف رائے قائم کیا اور جو عالمی جنگ جلد بپا ہونے والی تھی۔ اس کے عملی پہلو سے بہت قریب ہو گیا۔ یہ اختلاف اس کے ان نظریات میں تھا جو اس نے قلعوں کی کم اہمیتی کے متعلق قائم کئے تھے۔ اس کے خیال میں واؔبن کے زمانے سے فن قلعہ گری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ قلعوں کی قطاریں تیار کرنے سے جنگ غیر ضروری طور پر مہنگی ہو جاتی تھی اور فوجی کارروائیوں کو محاصروں کے طویل سلسلے میں منسلک کرنے سے جنگ بے وجہ طولانی ہو جاتی تھی۔ وہ اس فیصلے پر پہنچا ہے کہ قلعے نہایت کم تعداد میں مگر از حد مضبوط ہونے چاہئیں اور تزویراتی حرکات کے لئے محض امدادی ثابت ہونے چاہئیں۔ حرکت کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے گیوبرٹ کے پاس "لشکر" کی حالیہ ایجاد تھی۔ اس کا عقیدہ نہایت واضح ہے اور فریڈرک کے عقیدے سے ایک گونہ ترقی یافتہ ہے۔ فریڈرک عام طور پر کوچ کے دوران اپنی فوج کو اس طرح منقسم کرتا تھا کہ دشمن کے مقابل پہنچنے پر

---

[۴] "مضامین" تصانیف میں۔ ۱۔ ۲۳۔

تمام حصے یک جا ہو کر وہ صورت اختیار کریں جس کے مطابق اس نے جنگ لڑنے کا منصوبہ پہلے سے قائم کیا ہوتا تھا۔ فوج اسی شکل میں پیش قدمی کرتی تھی جس شکل میں اسے لڑنا ہوتا تھا گیوبرٹ نے مارچ ترتیب کو لڑائی کی ترتیب سے آزادی دلائی۔ گیوبرٹ کے مطابق مارچ کے دوران پر ایک "لشکر" ایک کالم بناتا ہے جب مارچ کرتے وقت کالمین علیحدہ ہو جائیں تو ان کی رفتار بڑھ جاتی ہے، زیادہ فاصلہ طے کر لیتی ہیں اور دشمن کا رخ اپنی خواہش کے مطابق بدل سکتی ہیں۔ لڑائی کے لئے وہ مجتمع ہو جاتی ہیں اور ایک فوج میں جو وحدت موجود ہوتی ہے اسے کسی موقع پر بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ لڑائی میں اس طرح لچک پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں حالات اور زمین کے مطابق تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

"تدبیراتی مضامین" کے پیغام کا لب لباب یہ ہے کہ ایک نئی قسم کی فوج کی ضرورت ہے، قومی فوج ملک سے خود کفیل ہونے کی وجہ سے پہلے سے زیادہ حرکیت پذیر، قلعوں کی قیود سے آزاد ہونے کی وجہ سے اپنی حرکات پر پہلے سے زیادہ قادر اور "لشکروں" میں تشکیل ہونے کی وجہ سے چال کاری کے زیادہ قابل۔ ایسی فوج کی موجودگی میں پرانی مقاماتی جنگ اپنی جگہ حرکتی جنگ کو دے دیگی۔ انقلاب فرانس اس طرح کی فوج کو وجود میں لانے والا تھا۔

گیوبرٹ کی پیش بینی کی شہرت کو بدقسمتی سے اس کی دوسری کتاب نے ضائع کر دیا۔ یہ کتاب "جدید دفاعی اسلوب" جسے اس نے ۱۷۷۹ء میں شائع کیا اس کے ان خیالات کے صریحاً خلاف جاتی ہے جو اس نے "مضامین" میں ظاہر کئے تھے۔ وہ کہتا ہے "جب میں نے وہ کتاب لکھی تھی اس وقت میری عمر دس سال کم تھی۔ جذبہ فلسفہ کے بخارات نے میرے ذہن پر پردہ ڈال دیا تھا اور میری قوت تمیز درہم برہم ہو گئی تھی۔"[۵۹] "جدید اسلوب" جسے وہ "دفاع" میں پیش کرتا ہے۔ وہ صرف زمانۂ ماضی کے طرز جنگ اور جدید طریقوں کا مقابلہ ہے اور ۱۷۷۹ء کے مانے ہوئے عسکری نظریات سے زیادہ کچھ نہیں۔ اب وہ شہری فوج کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اس بات پر مصر ہے کہ غیر فوجی آبادی کسی طرح بھی پیشہ ور فوجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور امریکیوں کی کامیابی کو تمام تر برطانیہ کی ناقابلیت پر محمول کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عصر جدید کی کوئی ریاست بھی شہری فوجوں کے

---

۵۹ "جدید دفاعی اسلوب" ج ۲۔ ص ۲۱۲

استعمال سے اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔

گیوبرٹ اپنی دونوں کتابوں میں محدود اور غیر محدود جنگ کے فرق کو نگاہ میں رکھتا ہے اس نے حکومت اور جنگ کے درمیانی رشتے کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ اس کا عدم تطابق دلائلی نہیں بلکہ اخلاقی تھا۔ ایک قسم کا ذہنی عدم تطابق جس میں تجزیاتی نقص نہ ہو۔ انتیس سال کی عمر میں قومی فوجوں اور برقتازی کو وہ بنظرِ استحسان دیکھتا ہے۔ انتالیس سال کی عمر میں وہ انہی خیالات کو غیر موزوں تصور کرتا ہے۔ ایک دفعہ بھی اس نے عملی پیش بینی کا ثبوت نہیں دیا۔ اور نہ ہی اُسے کبھی یہ خیال پیدا ہوا کہ جو نظریات اس نے ۱۷۷۲ء میں اپنائے تھے اور پھر ۱۷۷۹ء میں رد کئے تھے وہ اسی پشت کے لئے ایک حقیقت بن جائیں گے جو ان دنوں زندہ تھی۔

(۴)

۱۷۹۳ء میں انقلابی فرانسیسی جمہوریہ۔ برطانیہ، ہالینڈ، پرشیا، آسٹریا، سارڈینیا اور سپین کے زبردست اتحاد کا مقابلہ کر رہی تھی۔ "حفاظتِ عامہ کی کمیٹی" نے ملک کی توانائی کا اس خوبی سے استعمال کیا کہ اس سے قبل کے عہد میں ہرگز ممکن نہ تھا۔ کمیٹی نے آمرانہ طریقوں سے جنگی اقتصادیات کا وجود قائم کیا۔ ملک کی آبادی میں خود آگاہی کا جذبہ پیدا کیا اور عام فوجی خدمت کا اصول "نفیرِ عام" کی شکل میں پیش کیا۔ تسخیر اجباری کے اصول کو رواج دے کر اپنی فوجوں کو مخازن سے آزاد کر کے اور شہری آبادی کے ذریعے ساز و سامان پہنچا کر انہوں نے انصرام فوج میں انقلاب برپا کر دیا۔ نیم تربیت یافتہ فوجوں کو لڑائی میں جھونک دینے سے انہوں نے وہ کیفیت پیدا کر دی جہاں تیز رفتار دستے ان لوگوں پر مشتمل تھے۔ جو انفرادی طور پر بڑھتے، فیر کرتے اور آڑ لیتے تھے۔ وہ فریڈرک کی اسلوب کی ٹھوس بٹالینوں کو خیرباد کہہ چکے تھے اور یوں تدبیرات میں بھی انقلاب برپا ہو چکا تھا۔

۱۷۹۴ء تک فرانسیسی بیاجے کی نوبت تک پہنچ چکے تھے۔ ۱۷۹۵ء میں پرشیا، ہالینڈ اور سپین نے جنگ سے علحدگی اختیار کر لی۔ ۱۷۹۶ء میں بونا پارٹ پہاڑوں سے گزر کر اطالیہ میں داخل ہو گیا۔ ۱۷۹۷ء تک یورپ کے براعظم میں امن قائم ہو چکا تھا۔ اور انگلستان صلح کے لئے

کوشاں تھا۔

فنِ جنگ میں انقلاب برپا ہو چکا تھا مگر دیکھنے والوں پر اس کی حقیقت رفتہ رفتہ واضح ہوئی بعض غیر فوجیوں نے پیشہ ور سپاہیوں سے پہلے اس کی بنیادی وجوہات کو پا لیا اور وہ شاید اس لئے کہ اصل تبدیلی عسکری تنظیم کی سیاسی اساس سے متعلق تھی۔ فرانس میں پیشہ ور سپاہی عملی طور پر اس قدر مصروف تھے کہ وہ اپنے کارناموں کے متعلق لکھنے کی طرف متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ فوجی معاملات پر لکھنے والے جو اکثر عوام کی نگاہوں کے سامنے آتے رہتے تھے۔ مثلاً بیولو، ہاپر، وین چوریبنی، کچھ عرصے تک تو بالکل ہی کچھ نہ محسوس کر سکے۔ بیولو پر بحث خصوصاً دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔

"فری ہرڈیٹرچ فان بیولو" بھی گیوبرٹ کی طرح امراء کے پائین طبقہ سے متعلق تھا اور تھوڑا بہت فوجی تجربہ بھی رکھتا تھا۔ وہ گیوبرٹ ہی کی طرح بے قاعدہ بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ خود پسندی کا مریض تھا۔ اس کی پہلی عسکری تصنیف "جدید اسالیب جنگ کا خلاصہ" ۱۷۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس نے اپنی کتاب کے خاتمے پر سیاسی فضا پر خیالات ظاہر کئے۔ فریڈرک کے برعکس بیولو نے یہ کہا کہ موجودہ عسکری تنظیم کی وجہ سے اب چھوٹی ریاستوں کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ اس کو اس لئے بھی خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے اصطلاحات قائم کر کے "تزویرات" و "تدبیرات" اور "اقدامی مستقر" کو علیحدہ علیحدہ معانی دیئے، گو یہ معانی جلد قبول نہیں کئے گئے تھے۔ اس کے باوجود اس کی کتاب کا ماحصل یہ تھا کہ اس میں متروک نظریات کو یکجا کر دیا گیا تھا۔

اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے اپنے اسلوب کی کنجی کو "اقدامی مستقر" کی شکل میں دریافت کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ جنگ کی اقلیدس جیسے پرانے خیالات پر بھی قائم تھا۔ اس کے خیال میں "اقدامی مستقر" تیار شدہ اور محفوظ مخازن کا ایک خط ہونا چاہئے۔ دو "اقدامی خطوط" جو اس مستقر کے دونوں سروں سے کھینچے جائیں۔ اس مقام پر جا کر ملیں اور نوے درجے کا زاویہ بنائیں جو حملے کا مرکزی مقام ہو۔ حملہ آور فوج اپنے مخازن سے تین دن کی مسافت سے زیادہ دور نہ جائے۔ لڑائی سے احتراز برتا جائے اور فہمند جرنیل اپنی کامیابی سے فائدہ اٹھا کر تیزی

سے آگے نہ بڑھے۔ یعنے " عین فتحمندی کے وقت دور اندیشی اور تدبر سے رک جانا۔" جدید لڑائیاں کسی نتیجے پر نہیں پہنچتیں اور جو دشمن میدانِ جنگ میں شکست کھا چکا ہو۔ وہ تھوڑے ہی عرصے بعد پھر حملہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ان نظریات کی بے بضاعتی ۱۷۹۹ء میں ہی ثابت ہو چکی تھی۔ جب فرانسیسی رسالہ برف پر سے گزر کر امیسٹرڈیم میں داخل ہوا تھا۔ ہوہن لنڈن، اور مارنگو کی لڑائیاں جو بیولو کی کتاب کی اشاعت کے دو مہینے بعد لڑی گئیں۔ اس کی کتاب کا جواب بن کر آئیں۔ اس پر اس نے ایک اور کتاب لکھی۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فرانسیسی فتوحات نے اس کے عقیدے کی تائید کی ہے در اصل اس نے جو کچھ پہلی بار لکھا تھا اب خود ہی اس کے بیشتر حصے کی تردید کر رہا تھا۔ بیولو لکھتا ہے۔ " مارنگو نے انقلابِ فرانس اور یورپ میں فوعِ انسانی کی قسمت پر مہر ثبت کر دی ہے۔" حریت فرانس کی کامیابی کا راز ہے۔ بیشتر قلعے حر کی فوج کے سامنے بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تھے اس کے نظریات۔ اس کے علاوہ فرانس کی فتح کو بشارتِ خداوندی، ایک معجزہ اور پیغامِ ربانی کا مقام دیتا ہے۔

اس کے بعد ۱۸۰۵ء کی مہم واقع ہوئی۔ اس سال آسٹریا اور روس نے "تیسرے الحاق" میں برطانیہ کا ساتھ دیا۔ دونوں براعظمی طاقتوں نے بڑی بڑی فوجوں کو مغرب کی جانب حرکت دی۔ چند ہی دنوں میں بوناپارٹ نے بہت سی سپاہ کو ساحلی مقامات سے جنوبی جرمنی کی طرف منتقل کیا۔ وہاں آلم کے مقام پر مشہور تزویر کار جنرل میک کو بغیر شدید لڑائی کے تیس ہزار آدمیوں کے ساتھ ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد وہ وی آنا کو بڑھ گیا۔ جہاں آسٹری روسی متحدہ فوج حملے کے لئے بیتاب تھی۔ اس نے انہیں آسٹرلیٹز کے گاؤں کے قریب بری طرح پسپا کیا۔

بیولو نے فوراً دو جلدوں کی کتاب لکھ ڈالی۔ عجیب متضاد قسم کی کتاب۔ یہ کتاب اس کے غیر متوازن دماغ اور یورپ کی گھبراہٹ اور حیرانی کا عکس ہے۔ اس نے اس بار اعلان کیا کہ اُسے قدرت نے نئے عسکری نظریات پیش کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس نے فریڈرک اعظم اور اس کے اسالیب کو نہایت پست درجہ دیا۔ اس کے باوجود یہ بھی کہتا ہے کہ اصلاحات بیکار تھیں۔ نپولین اب یورپ کو متحد کرنے والا تھا۔ اور یہ کہ براعظمی طاقتوں کو چاہیئے کہ اس کی شہنشاہیت

کو تسلیم کرلیں۔ وہ کہتا ہے کہ جنگ کا سب سے بڑا فن اِس بات میں ہے کہ اِنسان اپنے راس المال سے تاحدِ اِمکان فائدہ حاصل کرے۔ فوج کو متعدد چھاؤنیوں اور قلعوں میں منتشر نہ کرے بلکہ پوری فوج کو یکجا رکھ کر حرکت دیتا رہے۔ اس کے خیال میں نپولین باقی سب سے زیادہ اپنے راس المال کو قائم رکھتا ہے۔" یہ تھا وہ نظریہ جس سے پرانی طرز کی مقاماتی جنگ کو متروک تسلیم کیا جا رہا تھا۔ اُلم کے مقام پر میک کے پاس نہایت مضبوط جگہ پر طاقتور فوج موجود تھی۔ اس کے باوجود نپولین نے لشکروں کے فنکارانہ استعمال سے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ بیولو کے مطابق اِس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا تھا کہ "جدید فنِ جنگ میں تزویرات کا تدبیرات پر بھاری ہونے کا یہ بہترین نمونہ پیش کیا جا سکتا تھا۔"

چونکہ اب تدبیرات کی نسبت تزویرات پر انحصار زیادہ تھا۔ اس لئے کمانِ عظمیٰ کو اب وہ حیثیت اور اہمیت مل گئی۔ جس کا پہلے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ لڑائی میں اتفاقِ محض کے جس عنصر سے فریڈرک ڈرتا تھا وہ اب زائل ہو گیا۔ اب منصوبہ بندی زیادہ سودمند ثابت ہوتی اور پیش بینی کے امکانات زیادہ ہو گئے۔ دوسرے الفاظ میں اب جنگ میں سائنس کا عنصر بڑھ گیا۔

فریڈرک کی طرح بیولو بھی اِس بات کا قائل تھا کہ ریاست کی قیادت ایک مرکزی ذہن میں تفویض ہونی چاہئے۔ اس کے خیال میں عصرِ جدید کی تزویراتی ضروریات کے تحت سیاست اور جنگ کے مابین فرق نہیں رہتا۔ کمانِ عظمیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماہرین اور متخصصین سے بلند ثابت ہوں۔ نفری طاقت اور فوج کی ساخت کے متعلق بیولو نے پرشیائی حکومت کو فریڈرک کے اسلوب کو قائم رکھنے پر موردِ الزام قرار دیا۔ یہ اسلوب اس کے خیال میں عوام کی ذہنی و قلبی فرسودگی اور جہالت کا ذمہ دار تھا۔ اس نے فرانس کی جبری بھرتی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کی وجہ سے قومی جذبے اور اولوالعزمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ "اگر ہم محض منفی نظریہ ہی سامنے رکھیں تب بھی فوج کو تعلیم بالغان کا بہترین ذریعہ کہا جا سکتا ہے۔" "عسکری سائنس کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ "نہایت ذہنی امور یعنے اندرونی انتظامات، صفات کا عوض اور قابلیت کے اعتراف جیسے سوالات کا سامنا کرے۔" عملی طور پر اس نے پرشیا اور پورے یورپ کو مشورہ دیا کہ آسٹرلٹز کے بعد نپولین کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر لیں۔

بیولو نے اپنے اس رویہ سے ۱۸۰۸ء تک یہ صورت پیدا کر لی تھی کہ پرشیا کی حکومت اُسے یا تو پاگل ٹھہرائے یا کم از کم قومی مصیبت کے موقع پر اُسے مفادِ عامہ کے خلاف قرار دے۔ جن افسروں نے اسے جیل بھیجا ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس کے عیوب کو تو صحیح طور پر نگاہ میں رکھا تھا۔ البتہ وہ اس کے محاسن کو نہ دیکھ سکے۔

گو اس کی رفتار سست ہوتی تھی۔ اور وہ الجھ جاتا تھا پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالم نظری کی حیثیت سے اس میں آئندہ کے فوجی انقلابات کو محسوس کرنے کا ملکہ موجود تھا۔ یہ فوجی انقلاب اصل میں سیاسی انقلاب تھا۔ اس نے حکومت اور عوام کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا تھا۔ اور یہ انقلاب کا نتیجہ تھا۔ انجام کار ۱۷۹۳ء کے بعد سے فرانس کی دولت، اس کی نفری طاقت اور اس کی ذہنی قوت کو یکجا کر کے پورے یورپ کے خلاف پُر اثر طریقے سے استعمال کیا جائے گا۔ شاہوں کی جنگیں ختم ہو چکی تھیں۔ قوموں کی جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

حصّہ دوم

انیسویں صدی کے شاہکار

نپولین کے ترجمان

چوتھا باب

ژامینی

(از کرین برنٹن۔ گارڈون۔ اے۔ کریگ اور فیلکس گلبرٹ)

۱۷۹۲ء سے ۱۸۱۵ء کے دوران میں فرانس اور اس کے مخالف الحاقوں کے ایک سلسلے کے درمیان وقتاً فوقتاً ہونے والی عالمی جنگیں فنونِ جنگ کے لحاظ سے دو باتوں کے لئے اہم ہیں۔ اوّل یہ کہ ان جنگوں میں جبری بھرتی کے ذریعے قومی فوج کی بنیاد پڑی۔ دوم ان جنگوں نے فوق العادہ فنکار نپولین عطا کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان پُرہول ایام کی یادگار نے عوام الناس کی فوجوں کی شکل میں تاریخ جنگ میں ایک ناقابلِ فراموش باب کا اضافہ کیا ہے۔

۲۳ اگست ۱۷۹۳ء کی مؤتمر کے اس قانون کی فصاحت جس سے نفیرِ عام کا اعلان کیا گیا تھا آج بھی اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

"شق الف۔ اس لمحہ سے اس وقت تک جب کہ ہمارے دشمن جمہوریہ کی سرحدوں سے باہر نہ نکال دیے جائیں تمام فرانسیسیوں کو جبری طور پر فوج میں خدمات دینے کے لئے بھرتی کیا جاتا ہے۔

"نوجوان فوراً محاذ پر جائیں گے۔۔۔ شادی شدہ آدمی ہتھیار ڈھالیں گے۔۔۔۔ عورتیں خیمے اور کپڑے تیار کریں گی۔۔۔ بوڑھے۔۔۔ سپاہیوں کو جوش دلائیں گے اور جمہوریہ کے اتحاد کا پرچار کرتے ہوئے بادشاہوں کے خلاف نفرت پھیلائیں گے۔۔۔"

نفیرِ عام کو اس وقت رواج دیا گیا تھا جب فرانس کی تباہی بالکل قریب نظر آرہی تھی۔ اس کے نفاذ کے ایک سال کے اندر فرانس نے مہاجمہ شروع کر دیا۔ الحاقی طاقتیں ایک دوسرے کے مقاصد کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ انہوں نے عین نازک موقع پر اپنی پوری قوت سے کہیں کم افواج میدان میں اتاریں۔ ۱۷۹۵ء میں الحاق ٹوٹ چکا تھا۔ سپین، ہالینڈ اور پرشیا نے

صلح کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ ۱۷۹۶ء میں بونا پارٹ جوان جنگوں سے کامیاب جرنیل بن کر نمودار ہوا تھا۔ اسے پہلی بار آزاد کمان سونپی گئی۔ وہ برفانی آلپس کو چیر کر اطالیہ میں داخل ہوا، سارڈینیا کو زیر کیا اور پھر تیزی سے پلٹ کر آسٹریا کی طرف رُخ کیا۔ برطانیہ اور آسٹریا کو روس کی شکل میں ایک نیا حلیف میسر آیا۔ یہ دوسرا الحاق چند مہموں کے سلسلے کے بعد ناکام ثابت ہوا۔ گو بونا پارٹ کا حق نہیں تھا۔ پھر بھی ان مہموں کی کامیابی کا باعث اسی کو قرار دیا گیا۔ اس فتح نے آمریت کی وہ کرسی جو اس نے کچھ عرصہ پیشتر حاصل کی تھی۔ اب محفوظ کر دی۔ سنہ ۱۸۰۲ء سے ۱۸۰۳ء تک تقریباً ایک سال کے عرصے تک کوئی جنگ نہ ہوئی

اس دوران میں بونا پارٹ نے فرانس میں اپنے آپ کو مستحکم کیا۔ اطالیہ، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور جرمنی کے مسائل میں دخل انداز ہوتا رہا اور اس کے بعد ایک بار پھر انگلستان کے ساتھ جنگ آمادہ ہوا۔ برطانوی سیاست کاری کی وجہ سے اسے تیسرے الحاق کا سامنا کرنا پڑا۔ چند ہی ہفتوں میں اس نے آسٹریا کو اُلم اور آسٹرلٹز کے مقامات پر شکست فاش دی اور روسیوں کو کوہ کارپیتھین کے پار دھکیل دیا۔ تقریباً اسی موقع پر ٹرافلگر کی بحری لڑائی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ انگلستان پر حملہ نہیں ہونا تھا۔ اب اگر فرانس، برطانیہ کو شکست دینا چاہتا تھا تو وہ صرف خشکی کی طاقت پر ہی انحصار کر سکتا تھا۔ انگلستان کی اقتصادی طاقت کو تباہ کرنے کی غرض سے اس نے بر اعظمی منصوبے کا اعلان کیا جس کی رو سے برطانوی مصنوعات کو یورپ میں داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۸۰۹ء تک یورپ نے تکلیف دہ قسم کا امن دیکھا۔ اس کے بعد زارِ روس نے فرانس کے مخالف درباریوں کے کہنے پر برطانیہ کا ساتھ دیا۔ اس پر نپولین نے ۱۸۱۲ء والی تباہ کن مہم شروع کی۔ اس کا انجام معروف ہے۔

جوں جوں یکے بعد دیگرے شہنشاہ کی کمزوریاں ظاہر ہوتی جا رہی تھیں۔ نیم بزدل سی حکومتیں جو بے دلی سے اس کے ساتھ شامل ہوئی تھیں۔ اس سے علحدگی اختیار کرتی تھیں۔ برطانیہ اور روس کے ساتھ پرشیا، آسٹریا اور جرمن ریاستیں بھی شامل ہو گئیں۔ ان کے علاوہ سپین کے باغی اور اطالیہ کے جنگجو دستے بھی اس کے خلاف محاذ قائم کر چکے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۳ء میں لیپ زِگ کی لڑائی لڑی گئی۔ "قوموں کی لڑائی" جسے ۱۹۱۴ء تک یورپ اور امریکہ

کی سب سے بڑی لڑائی کا مقام حاصل رہا۔

بیس سال کی مسلسل جنگوں سے اس کی نفری طاقت زائل ہو چکی تھی۔ اور اب فرانس میں متحدہ یورپ کے خلاف قائم رہنے کی سکت باقی نہ تھی۔ ۱۸۱۴ء کے موسمِ بہار میں نپولین کو ایلبا بھیج دیا گیا۔ اس کی واپسی پر جو ہنگامہ بپا ہوا تھا۔ اس کے ماسوا اب یہ کہانی ختم ہو چکی تھی۔

اس طریقِ جنگ کا وزن، اس میں جو فوجیں برسرِ پیکار تھیں۔ ان کا حجم، جس سرعت سے نپولین ان فوجوں کو حرکت دیتا تھا، اس کی فتوحات کی اہمیت، فرانس کا بڑھتا ہوا شوق کہ وہ یورپی ریاستوں کا طرزِ حکومت بدل دے، یہ تمام باتیں ہمعصروں کو عجیب سی نظر آتی تھیں ایسی باتیں جن کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر تھی۔

فرانس کی ملازمت میں ایک ممتاز افسر تھا۔ وہ بھی نپولین کے کارناموں کو غیر معمولی سمجھتا تھا۔ البتہ اس کے خیال میں جو کچھ نپولین نے کر دکھایا وہ اٹھارھویں صدی کی سیاست اور جنگ کا قابلِ توضیح انجام تھا۔ نپولین کے کارناموں کو واضح کرنے کی کوشش میں جنرل ژامینی نے اس دور کی اختراعات میں اپنا حصہ بھی شامل کر دیا ہے۔ کلازوٹز کے ساتھ مل کر جو اس سے کچھ عرصے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس نے جنگ کے مطالعہ کے لئے اتنا کچھ کیا جتنا کہ ایڈم سمتھ نے اقتصادیات کے مطالعے سے متعلق کیا ہے۔ جب اس کی کتاب کی پہلی جلد "عسکری اقدامات پر مباحث" ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی تو اس سے قبل بھی عسکری مضامین پر کارآمد کتابیں موجود تھیں۔ ان میں سے بیشتر اور خصوصاً اپنے قریبی پیشرو ول لائڈ۔ گرمورڈ۔ گیوبرٹ۔ فریڈرک اعظم وغیرہ سے ژامینی اچھی طرح واقف تھا اور اکثر وہ ان سے استفادہ کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ ژامینی نے جس باقاعدہ طریقے سے اصولِ جنگ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے کلازوٹز کی معیت میں جدید عسکری افکار کے بانی کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

جن دو عسکری مصنفوں کو ژامینی نے نہایت توجہ سے پڑھا وہ بیولو اور کلازوٹز تھے ژامینی نے بیولو پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے جنگ کو حد سے زیادہ سائنس ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادھر ژامینی نے بیولو کو ملزم گردانا ہے کہ اس نے جنگ کے سائنسی پہلوؤں کو بے وجہ اجاگر کیا ہے اور دوسری طرف وہ کلازوٹز پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس

نے جنگ کے سائنس کو ناممکن العمل طریقے پر پیش کیا ہے۔ ژامینی نے جس طرح بیولو اور کلاؤزمتز پر تنقید کی ہے ہمیں اس طرز تنقید سے اس کی کتاب کا مقصد معلوم ہو جاتا ہے۔ بیولو کی از حد ضرورت عقلیت سے اس نے یہ سبق سیکھا کہ اٹھارھویں صدی کے عسکری عقائد کی تجدید ضروری تھی مگر جیسا کہ اس کی کلاؤزمتز کے خلاف خفگی سے ظاہر ہوتا ہے وہ اِن عقائد کو کلی طور پر ترک کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔

(۲)

انیٹووین ہنری ژامینی ۱۷۷۹ء میں واڈ کے کینٹن میں پیدا ہوا جو فرانسیسی سوئیٹزرلینڈ کا ایک حصہ ہے۔ اس کی پیدائش ایک اوسط درجے کے خاندان میں ہوئی۔ اور جیسا کہ تجارتی حلقوں کا دستور تھا اسے بھی تاجرانہ قسم کی تعلیم دلوائی گئی۔ جب اس نے فرانسیسی فوج میں غیر سرکاری اور بغیر مشاہرے کے ایک سٹاف کی آسامی حاصل کی۔ اس وقت وہ ایک بنک میں ملازم تھا۔ انتظامی امور میں اسے خاصہ ملکہ حاصل تھا۔ اس نے غیر معمولی طور پر اپنے لئے فرانسیسی فوج کے شعبۂ رسد میں ترقی کی راہیں نکال لیں۔ ساتھ ہی ساتھ سٹاف کے کام پر بھی معمور رہا۔

ان چھ برسوں میں جو اس نے فوجی افراد میں گزارے تھے اُس نے فن جنگ پر بحث و تمحیص کے بہت سے مواقع پیدا کر لئے تھے۔ جنرل نے جو اس پر خاص طور پر مہربان تھا اس نے اسے فریڈرک اعظم کی مہموں سے متعلق کتاب شائع کرنے میں مدد دی۔ اس میں اس نے فوجی معاملات کو اصولی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی اور فریڈرک اعظم اور نپولین کے فن سپہ سالاری کا موازنہ بھی کیا۔ شہنشاہ کو مصنف کی جو بات خاص طور پر پسند آئی وہ یہ تھی کہ اس نے نپولین کے طرز جنگ کو سمجھنے میں خاصی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اب شہنشاہ نے اس کی آسامی کو باقاعدہ بنانے اور اُسے کرنل کا عہدہ عطا کرنے کے احکام جاری کر دئے بلکہ حکم دیا کہ وہ ستمبر ۱۸۰۶ء میں آکر مینز کے مقام پر شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہو۔

ان دنوں جینا کی مہم نپولین کے ذہن میں کھول رہی تھی۔ جب کانفرنس ختم ہوئی تو

ژامینی نے شہنشاہ سے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو وہ شہنشاہ کی خدمت میں چار دن کے بعد ہیمبرگ کے مقام پر حاضر ہو۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ میں ہیمبرگ جا رہا ہوں" شہنشاہ نے پوچھا کیونکہ اس کے خیال میں اس کی منزل صیغۂ راز میں تھی۔

"حضور۔ جرمنی کے نقشے اور آپ کی مارنگو اور اُلم والی مہم نے مجھے اس بات کا علم دیا۔"

گو ژامینی نے بریگیڈیر جنرل کے عہدے تک ترقی کی اور کئی مہموں میں "چیف آف سٹاف" کے فرائض بھی سرانجام دئے مگر اُسے آزاد کمان آخر تک نہ مل سکی۔

ترقی نہ ملنے سے جب ژامینی سخت مایوس ہو گیا تو اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور اگست ۱۸۱۳ء میں اتحادیوں کی صفوں میں شامل ہو کر اپنی خدمات زارِ روس الیگزنڈر کو پیش کیں۔ روسی فوج میں وہ جنرل بنا دیا گیا اور اس عہدے پر وہ آخر عمر تک فائز رہا۔ یہاں اس کے فرائض روسی افواج کے مشیر تک محدود تھے اور روسی جامعۂ عسکری کے قیام میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ نئے ماحول میں اسے تصنیف و تالیف کا وقت بھی خوب ملا اور مارنگو کے بعد اس نے جو ناقدانہ اور تجزیاتی تصنیف شروع کی تھی۔ وہ مکمل کر لی۔ جب پیرس میں ۱۸۶۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس وقت دنیا کی عسکری درسگاہوں میں اس کی کتابیں نہایت وسیع پیمانے پر اور شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ ژامینی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک بار یہ کہا کہ گو اس نے کاندھے پر رائفل رکھی ہوئی دیکھی تھی۔ مگر اس نے اپنی زندگی میں سنگینی حملہ نہیں دیکھا تھا۔ ایسے حملے میں حصہ لینا تو بہت بڑی بات تھی۔ اس کے باوجود ژامینی کو "کاغذی سپاہی" یا عالمِ نظری کہنا اور ایسے ماہر اقتصادیات کے ساتھ ملانا جس نے کبھی تجارت کے مسائل کو قریب سے نہ دیکھا ہو سخت غلطی ہو گی۔ اس نے بارہا فوجوں کی حرکت کی تنظیم کی۔ اسے اکثر اہم معاملات میں فیصلے دینے ہوتے تھے خصوصاً اُلم کے مقام پر اور سپین میں۔ آج جسے لڑائی کی دُھند" کہا جاتا ہے۔ اسے اس کا عملی تجربہ تھا۔ اس کی تصانیف اس کا ثبوت ہیں۔

(۲)

ژامینی کے فوجی تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولاً خالص تاریخی اور

دوم تجزیاتی اور علمِ نظری سے متعلق۔ اس نے چند رسائل بھی لکھے مگر ان میں سے اکثر اس کے نکتہ چینیوں کے جواب میں ہیں۔ اس کے علمِ نظری کا مجموعہ شروع میں ستائیس جلدوں میں پیش کیا گیا۔ یہ فریڈرک اعظم، انقلاب فرانس اور نپولین کی جنگوں پر مشتمل ہیں اور ۱۷۹۲ء سے ۱۸۱۵ء تک کے عرصے کا احاطہ کرتی ہیں۔ ژامینی کی عسکری تاریخ کسی حد تک غیر دلچسپ ہے۔ گو معمول سے زیادہ بھی نہیں۔ مگر اس کا انداز نہایت صاف اور واضح ہے اور وہ تفاصیل میں نہیں الجھتا اس کی تاریخی تصانیف باوجود چند نئے پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے خاص دور سے متعلق ہیں اور آج ان کی طرف بہت کم رجوع کیا جاتا ہے۔

ژامینی کی وہ تصانیف جن میں وہ علمِ نظری پیش کرتا ہے وہ اب بھی قائم ہیں۔ اور ایک سو سال سے فوجی تعلیم میں پیش پیش رہی ہیں۔ علمِ نظری میں ژامینی کی پہلی پیش کش "فوجی تلمیحات" ہے جو حقیقت میں ہفت سالہ جنگ کی تاریخ ہے۔ اس کے ساتویں اور سترھویں باب کو نپولین نے آسٹرلٹز کی لڑائی کے بعد پڑھوا کر سنا اور بہت متاثر ہوا۔ ژامینی کے عسکری نظریات کے بنیادی اصول ان میں پیش کیے گئے ہیں۔ "تلمیحات" کے ساتویں باب میں وہ اپنا مشہور "اقدامی خطوط" کا اصول پیش کرتا ہے۔ اسی میں اس نے بیرونی اور اندرونی خطوط کا اہم فرق بیان کیا ہے۔

جہاں تک علمِ نظری کا تعلق ہے ژامینی کی بہترین تصنیف "فن جنگ کا خلاصہ" تھی۔ جو دو جلدوں میں ۱۸۳۶ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس تصنیف میں سوئیہ مفکر کے پیش نظر فوجی سائنس کے عام نظریات کی حقیقت تھی کہ آیا وہ کہاں تک درست تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔ ژامینی نے جنگ کا مطالعہ شروع کیا تو اس کا استدلال نہایت درست تھا۔ وہ کہتا ہے کہ چونکہ یہ انسانی معاشرے کا اہم پہلو ہے اس لئے اس کے عملی پہلو کو منطقی استدلال کے تابع ہونا چاہئے۔ وہ اپنی کتاب کے آغاز ہی میں مارشل ڈی سیکسے کے قول کے خلاف لکھتا ہے کہ "جنگ ایک ایسی سائنس ہے جو تاریکی میں چھپی ہوئی ہے۔ ہر سائنس کے اصول ہوتے ہیں۔ مگر جنگی سائنس کا ابھی تک کوئی اصول نہیں معلوم ہو سکا۔"[۱] ژامینی ہمیشہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ انسانی ذہن اس قابل ہے

---

[۱] ژامینی نے "خلاصے" کے ابتدائی باب میں یہ قول نقل کیا ہے۔

کہ وہ ایسے طریقے صاف اور واضح طور پر پیش کرے جن کے ذریعے جنگ میں کامیابی یقینی ہو جائے۔

"ہر زمانے میں ایسے اصول موجود رہے ہیں۔ جن پر جنگ کے دوران کامیابی کا دارومدار رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اصول غیر متبدل ہیں۔ ان پر ہتھیاروں، تاریخ، وقت اور مقام کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔"[۱]

بیوگلو کی نکتہ چینی کرتے ہوئے ژامینی اس کے ان "اسالیب جنگ" کے خلاف رائے ظاہر کرتا ہے جو اس نے ہر موقع کے لئے وضع کئے تھے۔ اس کے خیال میں انسانی ذہن موقع و محل کے مطابق ایسے اسالیب خود بخود معلوم کر لیتا ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ جنگ بے خودی و وارفتگی کا مظہر ہے۔ "یہ ہندسہ و ریاضی کا عمل نہیں"[۲]۔ ژامینی کی رائے میں جنگ کے دوران عقل کی دسترس محدود ہے۔ البتہ مسدود نہیں۔ سپاہیوں کی تربیت اور ان کا انضباط اساساً عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔ صحیح سوچ بجائے خود کامیابی کا موجب بن سکتی ہے۔ یہاں جرأت اور اقدام جیسی خصوصیات زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ تزویرات کے میدان میں دائمی صحت کے ایسے عام قاعدے اور اصول موجود ہیں۔ جنہیں انسانی ذہن سمجھ سکتا ہے اور جنہیں وہ الفاظ میں بیان کر سکتا ہے۔ بہت سے اصولوں پر بحث کرنے کے بعد ژامینی تزویرات کے مندرجہ ذیل اصول پیش کرتا ہے:۔

۱۔ "اپنی فوج کا بیشتر حصہ کامیابی سے محاذ جنگ کے سب سے اہم مقام پر لے جانا اور جہاں تک ممکن ہو اپنے اتصالی خطوط کو محفوظ رکھتے ہوئے فوج کو دشمن کے اتصالی خطوط کے خلاف استعمال کرنا۔

۲۔ "ایسی چال چلنا کہ اپنی فوج کا بیشتر حصہ دشمن کے چھوٹے چھوٹے حصوں کے خلاف عمل میں آجائے۔

۳۔ "تدبیراتی چال کاری سے اپنی فوج کا بیشتر حصہ محاذ کے اس حصہ پر لے آنا یا دشمن کے خطوط کے ان مقامات کے خلاف لے جانا جو نہایت اہم ہوں۔

---

[۱] "تلمیحات"۔ ۲۔ ص۔ ۲۲۳

[۲] " " ۳ " ۲۷۴-۲۷۵

۴۔ یہ ایسے انتظامات کرنا کہ سپاہیوں کی یہ بڑی تعداد صرف فیصلہ کن مقام تک ہی نہیں لائی جاتی۔ بلکہ تمام قوار، باہم اور سرعت سے لڑائی میں شریک ہو سکیں تاکہ ان کی کوششیں متحد رہیں[۵]۔"

ان مجمل اور کلی قسم کے خیالات کو ژامینی نے تاریخ جنگ کی متعدد مثالوں سے واضح کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تاریخ کی عظیم فتوحات اور فاش شکستیں ان بنیادی اصولوں پر عمل کرنے اور دوسری طرف ان سے انحراف کرنے کا نتیجہ تھیں[۶]۔

اگر فن جنگ کی انتہا یہ ہے کہ محاذ کے اہم ترین مقام پر فوج کا بیشتر حصہ یک جا کیا جائے تو اس عمل کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے صحیح اقدامی خطوط کا اختیار کرنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ اقدامی خط کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ یہ اقدامی علاقے کا وہ حصہ ہے جس پر سے فوج اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے گزر کر جائے۔ البتہ یہ قید نہیں کہ وہ ایک ہی راستہ اختیار کرے۔

ایک اور ایک سے زائد اقدامی خطوط کے اختیار کرنے میں کون سے فوائد ہیں۔ اس کا جواب اس بات پر منحصر ہے کہ کون سا خط کسی خاص حالت کے تحت "مہاجے میں یا اقدامی خط کے اہم ترین مقام پر دشمن کی نسبت زیادہ افواج پہنچانے میں" کامیابی کا باعث ہوگا[۷]۔ جہاں تک فوج کی تعداد کا تعلق ہے اس میں اس تعداد کی کوئی وقعت نہیں جو فہرستوں پر درج ہو بلکہ فوج کی تعداد اثر انداز ہوتی ہے جو لڑائی میں شریک ہو۔ وہ دہرے اقدامی خطوط عموماً خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ تاوقتیکہ اس طرح سے تقسیم شدہ فوجیں نہایت تیزی سے متحد نہ کی جا سکیں اسی لئے اگر دو اقدامی خطوط استعمال بھی کئے جائیں تو نہایت ضروری ہے کہ تمام فوجیں ایک ہی کمان کے تحت رہیں۔ ایسی فوج جس کے اقدامی خطوط اندرونی ہیں اور نسبتہً قریب قریب ہیں۔ تیز و برّاق حرکتوں سے دشمن کے مختلف حصوں کو یکے بعد دیگرے زیر کر سکتی ہے۔

---

[۵] "خلاصہ" ۱۔ ص۔ ۱۵۸۔ "تلمیحات" ۳۔ باب بیست و پنجم۔ جذبہ۔

[۶] "خلاصہ" ۱۔ ص۔ ۱۶۱

[۷] "تلمیحات" ۱۔ ص۔ ۴۱۷

بشرطیکہ وہ ہر بار اپنی طاقت کو متحد کر سکے اور یوں اپنی طاقت کا بیشتر حصہ استعمال میں لائے۔"[۸]
وہ لکھتا ہے کہ اگر باقی باتیں ایک سی ہوں تو پھر واحد اقدامی خط دوہرے اقدامی خطوط پر فوقیت رکھتا ہے۔

اقدامی خط کا اختیار یوں بھی نہایت اہم ہے کہ مہم کے فیصلے کا دارومدار اسی پر ہو سکتا ہے۔ "یہ ہاری ہوئی لڑائی کا ازالہ کر سکتا ہے۔ فتح کے فوائد کو بڑھا سکتا ہے اور ملکوں کی تسخیر کا باعث بن سکتا ہے۔"[۹] ریاضی کی جانب رجحان جس کی وجہ سے ژُامینی نے بیؤلو پر کڑی نکتہ چینی کی تھی وہ خود بھی اس کا شکار ہو جاتا ہے جب اقدامی علاقے کی تشریح کرتے ہوئے اُسے ایسے میدان سے تشبیہ دیتا ہے جس کے چار اضلاع ہوں اور ان میں سے مخالف فوج نے دو دو اضلاع قابو کئے ہوئے ہوں۔ اب کمان کرنے والے سپہ سالار کا یہ کام ہے کہ وہ اس اقدامی خط کو اختیار کرے جو اس مستطیل علاقے کے تین اضلاع پر اثر ڈالنے میں معاون ثابت ہو اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو دشمن پس جائے گا اور یا پھر اقدامی علاقہ خالی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

ژُامینی کی رائے میں سپہ سالار کے فرائض ذہنی قسم کے ہیں۔ وہ کہتا ہے "یہ عقلمندانہ علم نظری اور بلندیٔ کردار کا امتزاج ہی ہے جو کامیاب سپہ سالار بناتا ہے۔"[۱۰] ژُامینی کا عقیدہ تھا کہ جنگ کے ڈھنگ کو ایسے قاعدوں کے تحت لایا جا سکتا ہے جو سیکھے جا سکتے ہیں اور جن پر مختلف حالات میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ ان قاعدوں کا لب لباب یہ ہے کہ دشمن کی صف میں بہت سے کمزور نکتوں کے چننے کی بجائے ایک ہی نکتہ پہ توجہ مرکوز کی جائے۔ ہارے ہوئے دشمن کا تعاقب کیا جائے اور ناگہانیت کے غیر معمولی فوائد کو نگاہ میں رکھا جائے۔"[۱۱]

کئی موقعوں پر ژُامینی کا نظریہ کلازوِٹز کے مشہور نظریے کے بالکل قریب آ جاتا ہے۔

---

[۸] تلمیحات "۲- ص ۲۰۹
[۹] " " ۲- " ۲۷۹
[۱۰] خلاصہ ۱- " ۱۳۰
[۱۱] تلمیحات " ۲- ۳۸- ۳۵۳- خلاصہ ۱- باب ۳۔

جس میں وہ کہتا ہے کہ جنگ کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کی عساکر کو مکمل طور پر تباہ کیا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ نپولین کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ براہِ راست اہم ترین مقصد کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ اس کے باوجود ژامینی کا مقام اساساً کلازوتز کے مقام سے مختلف ہے۔ ژامینی کی رائے میں جنگ کا مرکزی خیال صحیح خطوط کے تعین کے گرد گردش کرتا ہے۔ اور کماندار جرنیل کا اہم مقصد یہ ہے کہ وہ جس اقدامی علاقے میں مصروفِ پیکار ہو اس پر مسلط ہو جائے۔ جب کماندار جرنیل صحیح اقدامی خطوط چن لیتا ہے تو اس کے دشمن کے لئے صرف دو راستے کھلے رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ غیر موزوں حالات کے تحت معرکہ قبول کرے اور یا پھر اقدامی علاقے سے پس قدمی اختیار کرے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ژامینی کے ذہن میں دراصل دشمن کی تباہی کا خیال نہیں تھا بلکہ اس کی توجہ حصول زمین کی اہمیت کی جانب تھی۔[۱۲]

یہی وجہ تھی کہ اسے مہاجمے سے نمایاں رغبت تھی۔ جب سپہ سالار سیاسی وجوہات کی بنا پر دفاعیہ پر مجبور ہو جاتا ہے تو ژامینی کی اصطلاح میں اُسے مہاجم دفاعیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ عصری مشترین میں سے "خط مستحی لزکی ذہنیت" کی کمزوری کے خلاف کسی نے اتنی بلند آواز نہیں اٹھائی جتنی ژامینی نے اٹھائی تھی۔

کلاوزوتز نے اپنے ذہن کو جنگ کی حقیقت اور اس کی بنیادی روح کی طرف منتقل کیا تھا اس کے مقابلے میں ژامینی عسکری افکار کی تاریخ میں تزویراتی عالمِ نظری کی حیثیت سے نمایاں ہے۔ اس کے علم کے مطابق مہم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ جنگ کا مقصد اس کے مطابق دشمن کے تمام ملک پر قابو پالینا ہے۔ اس طرح قابو پانے کے لئے اقدامی علاقوں کو یکے بعد دیگرے اپنے تسلط میں لانا ضروری ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مہم کی منصوبہ بندی جنگ چھڑنے سے پہلے کرلی جائے۔ یہ پیشتر کی منصوبہ بندی تزویرات میں شامل ہے۔[۱۳]

فنونِ جنگ میں تزویرات کا مقام تعین کرنے سے ژامینی اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ تزویرات اور فوجی عملیات کے دوسرے شعبوں مثلاً مدبیرات اور انصرام میں فرق معلوم کرسکے۔ تزویرات اور

---

۱۲ "تلمیحات" ۲۔ باب چہارم۔ "خلاصہ" ۱۔ باب سوم

۱۳ "خلاصہ" ۱۔ ۱۵۴۔ حاشیہ

انصرام پر، جن کے لئے اس نے دوسری جلد وقف کی ہے۔ ژاآمینی نہایت پُر مغز، محکم اور باترتیب طریقے سے بحث کرتا ہے اور اکثر نئی تجاویز پیش کرتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ جنگ کے ان نسبتہً ابتدائی مسائل میں اتنا محو نہیں تھا۔ اس کا خاص موضوع تزویرات تھا۔ اور انیسویں صدی کے تزویراتی مفکروں کی صف میں اس کا مقام نمایاں ہے۔ اس کے باوجود اس نے اٹھارھویں صدی کے افکار سے مکمل علحدگی اختیار نہیں کی۔ اس نے بیرو لو کی ناواجب عقلیت کی کڑی نکتہ چینی کی ہے حالانکہ اس کے اپنے افکار پر اس عصر کی عقلیت کا گہرا اثر ہے۔ وہ ایسے کلی قاعدوں کی جستجو میں تھا اور اپنی اس جستجو میں اس کا رجحان ایسے غیر عقلی عوامل کو نظر انداز کرنے کی طرف رہا، جو حساب و شمار کی حدود سے ماورا ہوا کرتے ہیں۔

ژاآمینی مختلف قسم کی جنگوں کی فہرست پیش کرتا ہے اور ان کے درمیان ان کے سیاسی مقاصد کی بنا پر تمیز کرتا ہے۔ وہ صحیح طور پر استدلال کرتا ہے کہ جنگ کے سیاسی مقاصد اس کی نوعیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے انقلاب کا پیدا کردہ عسکری سبق حاصل نہیں کیا تھا۔ اسے پوری طرح یقین نہیں ہوا تھا کہ قومی جنگ اب معاشرے کا عنصر بن گئی تھی۔ اسے جنگ کے اخلاقی پہلو کی اہمیت کا بھی یقین نہیں ہوا تھا۔

(۴)

ژاآمینی کے عسکری افکار اس بات کا ثبوت ہیں کہ انیسویں صدی کے بہت سے پُر امید آزاد خیال لوگ اس اہم خیال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ جنگ انسانی معاشرے کا غیر معمولی عنصر نہیں ہے جس کی اپنی علیحدہ تاریخ ہو بلکہ یہ کہ یہ تہذیب انسانی تاریخ کا ناگزیر جزو ہے۔ گو اس کی تمام تصانیف جنگ سے متعلق ہیں۔ پھر بھی وہ اس روشن خیال دور کی واضح پیداوار ہے۔ تاریخی لحاظ سے ژاآمینی بلاشبہ مان تسکیو کے شاگردوں کی آخری کڑی ہے۔ اور اس کا زمانہ اٹھارھویں صدی کا زمانہ تھا۔ اس نے بسمارک کے زمانے میں قلب و ذہن کی وہ روایات جاری رکھیں جو فریڈرک اعظم اور والٹیر کے آخری ایام میں پختہ ہوئی تھیں۔

ژاآمینی نے اپنے استدلال اور تحقیقی نظر کا استعمال نپولین اور اس سے قبل کے

انقلابی سپہ سالاروں کے کارناموں پر کیا۔ بعد کی نسلوں نے اسے پہلا مفکر تسلیم کیا ہے۔ جس نے نپولین پر تنقید پیش کی ہو۔ بونا پارٹ کا ذہن جسے ریاضی و ہندسہ کی تربیت مل چکی تھی اس عصر کی روایات کو قینچی کی طرح تیزی اور صفائی سے کاٹتا ہوا آگے بڑھا۔ اسے ان روایات سے جنہیں اٹھارھویں صدی میں "تعصبات" کہہ کے پکارا جاتا تھا۔ کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ژامینی کو ان رجحانات کے ساتھ اتفاق ہے۔ اسے پوری طرح احساس تھا کہ نپولین نے بحیثیت عسکری فنکار کے کتنی کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کے باوجود وہ نپولین کے ایک حصے کو نہیں پا سکا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اس نے ایک حصے کو تو دیکھ اور سمجھ لیا مگر کلی طور پر اسے نپولین کی زندگی کے اس پہلو سے نفرت تھی جو شان و شوکت 'بے پناہ بلندی' اور حصولِ ناممکنات سے متعلق تھا۔ وہ نپولین جس نے پورے یورپ پر اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جس نے عوامی سلطنتوں کی بنا ڈالی جس نے بے پناہ لشکروں کو تشکیل دی، جس نے ماسکو پر چڑھائی کی، یہ تھا وہ قصوں اور کہانیوں کا نپولین جس نے معقول ژامینی کو حیرت استعجاب اور خوف میں ڈال دیا تھا۔

اس کے معصروں کی نگاہ میں نپولین کے سفر جو اس نے یورپ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کیے تھے۔ ان کا نہ کوئی اسلوب تھا اور نہ کوئی منصوبہ۔ اس کی وہ جنگیں جو اس نے اپنی فوجیں ایک مرکزی مقام پر مجتمع کر کے جیتی تھیں۔ ان کی نظر میں دلچسپی سے خالی اور بے وجہ سنگین تھیں۔ ژامینی پہلا شخص تھا جس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نپولین کی مہموں اور لڑائیوں کی اساس ان بنیادی اصولوں پر ہوتی تھی۔ جو ہمیشہ سے صحیح چلے آئے ہیں۔ گو کلاؤزِ وِتز نپولین کو "جنگ کا دیوتا"، قانون ساز اور وہ فوق العادہ انسان مانتا ہے جس نے جنگ کے اصول وضع کیے۔ ژامینی دلیل و براہین کی تلاش میں اصول و قوانین کو فوقیت دیتا ہے اور نپولین کو انہیں عمل میں لانے والے کا مقام دیتا ہے۔

جدید عسکری افکار کی ترقی کی تاریخ میں ژامینی کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ وقت اور زمانے کے لحاظ سے اس کی اکثر تصانیف متروک ہو چکی ہیں۔ جنگ کی تدریجی کلیت نے اب خالص جغرافیائی مہموں اور محدود جنگ کو ناممکن بنا دیا ہے۔ عسکری افکار میں ژامینی کی خدمات کا ایک اور ہی میدان ہے۔ اور وہ عسکری سائنس کی بنیادی تشریحات اور جنگ میں تزویرات کے دائرے

کا صحیح تعین ہے۔ جب اس نے اقدامات کی منصوبہ بندی پر زور دیا تو اس نے اپنے ہمعصروں پر یہ حقیقت واضح کی کہ جنگ میں ذہن کو کتنا دخل ہے۔ جنرل سٹاف کا وجود اور یورپ کے مختلف ممالک میں عسکری درسگاہوں کے قیام نے ثابت کر دیا تھا کہ کم از کم اس پہلو سے ژامینی کا اثر محسوس ہوتا رہے گا۔[۱۶۹]

---

۱۶۹ ڈلس۔ ڈی۔ اردن۔ جنرل سٹاف کی ابتدا۔ تاریخ جدید کا رسالہ۔ جلد دہم (۱۹۳۸ء) ص ۱۶۱۔ 169

پانچواں باب

کلازوٹز

از- ایچ- براٹ فیلز

کلازوٹز کی عسکری تصانیف اور خصوصاً اس کی کتاب "جنگ کے متعلق" کو عسکری افکار کی تاریخ میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آخرالذکر کو ادب نے "درس" کا رتبہ دیا جاتا ہے گو اسے پڑھنے سے زیادہ اس کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کا سوئیز ہمعصر ژامینی اس کے قلم کو "غیر پابند حدود اور متکبر" کہتا ہے۔ البتہ اس کی قومی خصوصیات ایک ہی رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ انیسویں صدی کے "پرشیائی افتخار" اور "جنگ خولیا" کا پرجوش نمائندہ نظر آتا ہے۔ اس کی کتاب "جنگ کے متعلق" کو ساڈووا اور سیڈان کی لڑائیوں کی درسی کتاب کہا گیا ہے۔ کاؤنٹ شلی فن جیسی قابل شخصیت نے کہا ہے کہ "کلازوٹز نے پرشیا کے افسری طبقے میں حقیقی جنگ کے نظریات کو زندہ رکھا"[1] قدرتی بات ہے کہ اس کے نکتہ چین اس خیال کو پلٹ کر اسے انیسویں صدی کے عسکری ذہن کو تنگ نظر بنانے کا ملزم قرار دیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی میں جو "یک رُخی" تزویرات رائج ہو گئی تھیں وہ پرشیا کی کامیابیوں کا ہی نتیجہ تھیں۔ برطانوی عسکری نقاد لڈل ہارٹ کے الفاظ ہیں کہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں "اکثر سپہ سالار کلازوٹز کے لگائے ہوئے انگوروں کی سُرخ شراب کے نشے میں مست ہو گئے تھے"[2] لڈل ہارٹ نے جان بوجھ کر کلازوٹز کی مخالفت میں یہ کہا تھا "تزویرات کا مقصد یہ ہے کہ وہ لڑائی کو ممکن حد تک کم کر دے"[3] کلازوٹز کے ذکر کے وقت اس بحث کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ موجودہ مضمون ان نتائج سے

---

[1] "جنگ کے متعلق" پانچویں جرمن طبع (۱۹۰۵ء) کا دیباچہ

[2] لڈل ہارٹ "نپولین کا بھوت" (۱۹۳۳) ص ۲۱

[3] "تزویرات" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع چہاردہم ۱۹۲۹)

متعلق نہیں جو کلازوٹز کی تحریروں سے اخذ کئے گئے ہیں اور نہ ہی اِن تعصبات سے جو اس کے متعلق موجود ہیں بلکہ اِس مضمون میں اس کے ارادوں اور اس کی کامیابیوں پر بحث کی جائیگی۔

(۲)

کلازوٹز کا عسکری معاملات سے متعلق تحریری کام اس کے انتقال کے بعد دس جلدوں میں شائع کیا گیا تھا۔ جس حصے نے اسے دوامی تعریف کے قابل بنایا اس کی تصنیف "جنگ سے متعلق" ہے۔ یہ آٹھ کتابوں میں منقسم ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مقصد کیا تھا جو ان تصانیف کے وقت کلازوٹز نے اپنے سامنے رکھا؟ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس نے محض اپنے بعد والی نسل یا اس دور کے جرمن عسکری مکتب کی رہنمائی کے لئے یہ سب کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس کا مقصد اس سے یقیناً زیادہ تھا۔ وہ "مطلق" کی جستجو میں تھا۔ اِس قانون کو ڈھونڈھ نکالنے کی فکر میں جو ہر شے کی تہ میں موجزن ہے۔ ایک ایسے اصول کے درپے جو اس عصر کے جرمن فلسفہ کا اساس کہا جا سکتا تھا یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ گو کلازوٹز فوجی میدان میں متخصص کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے باوجود اسے اکتسابِ علم کی تحقیق و جستجو پر بھی دسترس تھی۔ اور اس نے جنگ کے علاوہ دوسرے فنون کے علمِ نظری اور عملی میدان کے درمیان مناسبت اور اس مناسبت کے تعین کرنے والے اصولوں کی حقیقت پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔[۱]

کلازوٹز کے تجزیاتِ جنگ کو جو شے ممتاز کرتی ہے وہ فلسفے اور تجربے کا ارتباط ہے۔ اس کا صحیح مقام دو دوروں کے درمیان واقع ہے۔ اس کی پیدائش ۱۷۸۰ء میں ہوئی۔ اس نے پہلی بار جنگی خدمت کا تجربہ رائن کی مہم میں ۱۷۹۳ء و ۱۷۹۴ء میں حاصل کیا۔ اس کے بعد کے زمانۂ امن میں اس نے نہایت محنت و جانفشانی سے ۱۸۰۱ء میں برلن کی افسروں کی اکاڈیمی میں داخلہ حاصل کر لیا۔ یہاں وہ شارن ہارسٹ کی خصوصی توجہ کا باعث بنا۔ شارن ہارسٹ کو بعد میں پرشیائی فوج کو از سرِ نو تنظیم کرنے کے فرائض سونپے گئے۔ اسی زمانے میں کلازوٹز نے کانٹ کے فلسفے سے روشناسی حاصل کی اور بلاشبہ اس نے اِس فلسفہ سے تحریک حاصل کی۔

---

[۱] "جنگ کے متعلق" دوسری کتاب۔ بالخصوص باب اوّل اور دوم۔

۱۸۰۶ء میں کلازوٹز نے بحیثیت کپتان ایک پرشیائی ایڈی کانگ کے فرائض ادا کئے اورسٹاوٹ کی لڑائی کے بعد قید ہو جانے کی وجہ سے اُسے ایک سال سے زائد عرصہ فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں گزارنا پڑا۔ واپسی پر وہ شارن ہارسٹ کے عملے میں شامل ہو گیا اور پرشیائی فوج کی اصلاح اور اخلاقی ابداع میں نمایاں حصہ لیا۔

جب ۱۸۱۱ء میں پرشیا کو نپولین کے ساتھ عسکری اتحاد پر مجبور ہونا پڑا تو آج کل کی اصطلاح میں کلازوٹز "آزاد پرشیائی" فوج میں شامل ہو گیا۔ وہ روسی فوج کے ساتھ لڑائی میں شامل ہوا اور ۱۸۱۳ء میں جنگِ آزادی کے دوران روسی کرنل کا عہدہ پا کر پہلے ضابطہ ارتباط کے فرائض انجام دیتا رہا اور پھر روسی۔ جرمن لیجن کا چیف آف سٹاف ہو گیا۔ پیرس کی پہلی صلح کے بعد وہ دوبارہ پرشیائی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ وہ ایک فوج کا چیف آف سٹاف مقرر ہوا۔ جس نے ۱۸۱۵ء میں لگینی اور واوور کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ لیکن واٹرلو کے واقعات میں کلازوٹز نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ دس سال تک وہ اہم اور مختلف النوع واقعات کے قریب قریب رہا گو ایک گونہ ان سے علیحدہ بھی رہا۔ پُرجوش ہنگامے کی دوران بھی اُس نے ذہنی توازن قائم رکھا جو اس کی فکری بلندی کا ثبوت ہے۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۰ء تک وہ برلن کی جامع عسکری کا مدیر انتظامی تھا۔ صرف اس کے چند دوستوں کو معلوم تھا کہ کلازوٹز اس عرصے میں تحقیقی تصنیف میں مصروف تھا۔

(۳)

انقلاب فرانس اور نپولین کا وہ دور تھا جب خود کلازوٹز کے الفاظ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگ فی نفسہ خطاب کر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ یورپ کی جغرافیائی اور اخلاقی حدود کو درہم برہم کر رہی تھی۔ زمانۂ سلف کی فوجیں ان پیشہ ور سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھیں جو طویل عرصے کے لئے خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کی تعداد محدود ہوتی تھی۔ مگر ان کی تربیت نہایت بلند پایہ ہوتی تھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ریاست کے راس المال کا اہم حصہ ہوا کرتا تھا اور اس لئے اس کو استعمال کرتے وقت سوچ بچار سے کام لینا پڑتا تھا۔ بایں ہمہ ان پیشہ ور

سپاہیوں کا اچھا خاصہ حصہ یا تو غیر ملکی لوگوں پر مشتمل ہوتا تھا یا وہ آبادی کے نچلے طبقات سے لئے جاتے تھے۔ اِس ساخت کی فوج شخصی عسکری خوبیوں کی حامل نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ وہ قومی جذبات کو ابھار سکتی تھی۔ اور نہ اس ملک کے باشندے اس پر فخر کر سکتے تھے۔ ایسی فوج کو نہایت کڑے انضباط کی مدد سے باہم رکھا جاتا تھا۔ اس کی سکھلائی اس قسم کی ہوتی تھی کہ وہ افسروں کی نگرانی میں کوچ کے دوران اور لڑائی میں تشکیل درست رکھ سکے۔ اس میں یہ اہلیت نہ ہوتی تھی کہ وہ چھوٹی موٹی جھڑپوں کے لئے یا خوراک اکٹھی کرنے کے لئے دستے روانہ کر سکے۔ دشمن کے خطرے سے فرار کا خطرہ زیادہ ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فوجوں کو مخازن پر بھروسا رکھنا پڑتا تھا۔ تیز رفتار منزلیں، دور دراز کے حملے، فیصلہ کن تعاقب، یہ باتیں ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور سمجھی جاتی تھیں۔ اٹھارھویں صدی کی اوسط قسم کی جنگ، کوچ اور پھر دوسری سمت کے کوچ کے لامتناہی سلسلے کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ محاصرے اور ان محاصروں کو توڑنے کے واقعات عام تھے اور معمولی قسم کی سیدھی سادی لڑائی کے واقعات نہایت ہی کم۔ یہ درست ہے کہ چند استثنائی موقع بھی پیش آجاتے تھے۔ غیر معمولی رہنماؤں کی موجودگی یا اہم سیاسی مقاصد جنگ کی شدت کو بڑھا دیا کرتے تھے۔ دراصل اِس عصر کے حالات ترقی کی راہ میں حائل تھے۔

انقلاب فرانس نے تمام رکاوٹیں دُور کر دیں۔ فرانس کے انقلابی رسمی حدود سے آزاد تھے۔ وہ تکالیف برداشت کر سکتے تھے اور جہاں کامیابی کا یقین ہوتا وہاں لڑنے کے لئے تیار تھے حملے کے وقت انہیں جانوں کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ تھا۔ وہ پوری قوم کے وسائل کو استعمال کر سکتے تھے۔ معاشری حالات میں اِس بہت بڑی تبدیلی نے نہایت اعلیٰ پیمانے کی حرکی تزویرات کو ممکن بنا دیا تھا۔ لشکر کے استعمال میں ترقی ہوئی اور رسد کا انتظام جبری طور پر کیا جانے لگا۔ اور تھوڑی اور علین لڑائی میں اب سپاہیوں پر فرداً فرداً بھی بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

نپولین نے ان تازہ توانائیوں سے استفادہ حاصل کیا اور مزید براں ان میں اپنی غیر معمولی قیادت کا اضافہ کیا۔ اس نے پہلی بار عملی طور پر مظاہرہ کیا کہ "فقیر عام" کے نئے اصول سے کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کلازوٹز کی رائے میں "نپولین نے کبھی کسی جنگ میں شمولیت حاصل نہیں کی جب تک وہ پہلے یہ فیصلہ نہ کر لیتا کہ دشمن کو فوراً پہلی ہی لڑائی میں

شکست دینی ہے۔[۵] اس عصر کے نظریے کے مطابق یہ نہایت ہی خونخوارانہ اور غیر متمدن طریقہ تھا۔ مگر یہ عہد قدیم کا دلیرانہ طریقہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کو فنی تفاصیل اور استدلال کی مدد بھی حاصل تھی۔ ناگہانیت کے عامل کا اس میں بہت بڑا دخل ہوتا تھا۔ جب کبھی ممکن ہوتا۔ وہ لڑائی کے میدان میں کامیابی سے فائدہ اٹھا کر انتہائی شدت کا تعاقب کرتا۔

نپولانی برقنازی کی رفتار آخر کار کم ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانسیسی فوجوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ ساتھ ان کو استعمال کرنے کی قابلیت میں اسی مناسبت سے ترقی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ نپولین کے مخالفوں نے اب سبق حاصل کر لیا تھا۔ انہوں نے بہت سے نئے طریقوں اور مقاصد پر عمل کرنا شروع کر لیا تھا۔ بالخصوص اب وہ فیصلہ کُن تزویرات پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔ قدیم یا جدید طریقے کا اب سوال نہ تھا۔ اب فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ کرنا ایک قومی سوال بن گیا تھا۔ ۱۸۱۳ء اور ۱۸۱۴ء کی مہم میں پانچ لاکھ کے قریب روسی اور پرشیائی سپاہی صفوں میں شامل تھے۔ اور آٹھ مہینوں کے اندر جنگ کا محاذ مشرقی جرمنی سے ہٹ کر فرانس کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔

قدرتی طور پر کلازوٹز جنگ کے ان خطابات سے گہرے اور مستقل طور پر متاثر ہوا جب ایک بار جنگ نے اپنے آپ کو مطلق طور پر ظاہر کر دیا تو اس نے صحیح طور پر پیش بینی کر لی کہ اب یہ رفتار ممکن حدود تک قائم رہے گی۔ کلازوٹز اس خیال میں درست تھا۔ اس لئے کہ "بونا پارٹ کے زمانے سے جنگ ایک قومی مسئلہ بن چکی تھی"۔ اور معاشرتی مسائل کے ربط نے "جنگ کو کمالِ مطلق" تک پہنچا دیا تھا۔ اسے یہ فکر خاص طور پر تھی کہ اس کے اپنے ملک والے اس سبق کو نظر انداز نہ کر دیں۔ اسی لئے وہ بعض مقامات پر اس حد تک چلا گیا کہ نپولین کو "جنگ کا دیوتا" کہہ کے پکارا اور یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نپولین کے طریقِ جنگ کو کلازوٹز نے تحریری جامہ پہنایا۔

(۴)

کلازوٹز کا صحیح جائزہ اس نہایت ہی تنگ نظری تک محدود نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ

---

[۵] گریہم مارڈ۔ ا۔ ص۔ ۲۸۹۔ (چوتھی کتاب۔ باب یازدہم)

پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے اس نے جنگ کی اساسات پر غور کیا۔ وہ تازہ حالات کی بنا پر تنگ نظری سے کام لینے سے مکمل طور پر بری الذمہ تھا۔ اٹھارھویں صدی کی جنگ کا نقشہ خوش فہم اور عقلیت پسند دور کی ذہنیت کے عین مطابق تھا۔ جس طرح سیاست کاری کی رسومات موجود تھیں اسی طرح جنگ کی رسومات بھی کسی حد تک موجود تھیں اور تو اور خود معاشرہ بھی دکھاوے کے چند متفقہ طور طریقوں کے مطابق اپنی روش قائم رکھ سکتا تھا۔ جنگ کی تعریف اس لئے ہوتی تھی کہ اس میں تصوراتی عنصر موجود تھا۔

یہ درست ہے کہ عرفانی دور میں کسی حد تک اصولی طور پر جنگ کی مخالفت کی گئی۔ یہ مخالفت انسان دوستی کی بنا پر بھی ہوتی تھی اور اقتصادی بنا پر بھی۔ اس کے باوجود بہت سے عسکری مفکر جنگ کو اُن پابندیوں کی بنا پر عجیب سمجھتے تھے جو لشکروں کو محدود بنائے رکھتی تھیں۔ جنگ اب ایک سائنس بن چکی تھی۔ ترقی کا ثبوت اِس سے زیادہ اور کون سا ہو سکتا تھا۔ اب سپہ سالار ریاضی اور جغرافیہ کا پابند تھا۔ ایک انگریز عالم نظری (ڈبلیو لائڈ) کے الفاظ میں جو سپہ سالار ان سے واقف ہے وہ اقلیدس کی سی باریکی کے ساتھ جنگ کی ہدایت کر سکتا ہے۔ اور لڑائی لڑنے پر مجبور ہوئے بغیر عرصے تک جنگ جاری رکھ سکتا ہے۔"

کلازوٹز نے اٹھارھویں صدی کے نظریے کی خوش فہمی اور اعتقاد نظری کو یکساں طور پر رد کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جنگ نہ تو سائنس ہے اور نہ ہی بین قومی کھیل۔ بلکہ وہ جبر و تشدد پذیر عمل ہے۔ اور باتوں کے علاوہ اس کا اشارہ اس طرف بھی تھا کہ سائنس بنانے سے جنگ کو نجابت کا درجہ ہرگز نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کا یہ نظریہ غیر متوقع طور پر درست ثابت ہوا ہے کلازوٹز نے رسد کے انتظامات[۲۶] یا جغرافیائی عوامل کو کم درجہ ہرگز نہیں دیا تھا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ریاضیاتی اور جغرافیائی عوامل تدبیرات میں اہمیت رکھتے ہیں مگر تزویرات میں ان کی اہمیت نسبتہً کم ہے۔

اس بحث کو اس نے پہلے بھی ۱۸۰۵ء کی ایک تصنیف میں پیش کیا تھا۔ اقلیدس کے مسائل سے وہ انسان اور انسان کے ان اعمال کی طرف رجوع کرتا ہے جو جنگ کے اصلی عناصر

---

[۲۶] جنگ کے متعلق "پانچویں کتاب۔ باب چہاردہم دگر ہیم ماڈ۔ ۲۔ ص ۱۰۳

یعنے غیر یقینی پہلوؤں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وہ اعتقاد نظری کو بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد ہی صحیح علم نظری کو ممکن بناتا ہے۔ وہ اپنی کتاب "جنگ کے متعلق"[۸] کے آخری حصّے میں کہتا ہے کہ علم نظری کوئی ایسا "چوب بست" نہیں جو انسان کو عمل کے دوران سہارا دئے رکھے یا "محکم قسم کی رہنمائی کرتا رہے۔" علم نظری سے دراصل مراد یہ ہے کہ "مضمون کی تجزیاتی تحقیق کی جائے جو صحیح علم تک پہنچائے۔" وہ بعد میں کہتا ہے: "علمِ نظری کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ مستقبل کے قائد کے ذہن کو تربیت دے سکے۔ بلکہ وہ اسے اپنے آپ کو تعلیم دینے میں رہنمائی کرے۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ لڑائی کے میدان تک ہرگز نہ جائے۔" اس لئے صحیح علم نظری، خلقی عمل کو نہ تو مسدود کرتا ہے اور نہ اس کی تردید کرتا ہے۔ اس کے برعکس اعتقادِ نظری عقلی عوامل کو زود یا بدیر مسترد یا مسدود کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔" جو کچھ فوق العادہ انسان کرتا ہے۔ وہ تمام قوانین اور قاعدوں سے بہتر ہوتا ہے۔ علم نظری کی استعداد اس سے زیادہ ہرگز نہیں کہ وہ تجزیہ کرکے دکھائے کہ یہ کیوں اور کیسے کیا گیا۔"[۹]

(۵)

ماقبل کے علمائے نظری اور خصوصاً اس کے ہمعصر زابلینی[۱] کے برعکس کلازوٹز کی تصانیف کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں ایک طرف تو جنگ کے اساسی عناصر کا تجزیہ ہے اور دوسری طرف بیجا اعتقاد نظری کے بجائے ایک قسم کی لچک اور قوّتِ تمیز موجود ہے۔ فلسفیانہ فکر اور تجربے نے اُسے "مطلق جنگ" یا "کامل جنگ" کے نظریے پر مجبور کیا۔ کلازوٹز کی رائے میں مطلق جنگ کا نظریہ خود جنگ کی حقیقت سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر جنگ کی تعریف کی جائے تو وہ "تشدد کا ایسا عمل ہے جس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ ہم دشمن کو اپنے ارادے ماں لینے پر مجبور کرلیں"[۱۰] ایک

۷ے گریہم ہاڈ۔ ۱۔ ص ۱۰۶-۱۰۸ (دوسری کتاب۔ باب دوم)

۸ے " " ص ۱۰۰۔ دیکھو کلازوٹز۔ تصانیف۔ ۸۔ ص ۱۶۶

۹ے کیبل۔ " ۷۲

۱۰ے گریہم ہاڈ۔ ۱۔ ص -۲- پہلی کتاب۔ باب اول)

اور پہلو سے کلازوٹز جنگ کی تعریف اِس طرح کرتا ہے: "یہ معاشری زندگی کا ایک پہلو ہے۔ یہ عظیم مفاد کی کشمکش ہے جس کا فیصلہ خون کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ باقی پہلوؤں سے اس کا یہی سب سے بڑا فرق ہے"[11] چونکہ طرفین کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ دوطرفہ متقابل عمل ان کو بالکل آخری حد تک لے جائیگا۔ یعنے "جنگ تشدد کا ایک ایسا عمل ہے جسے اپنی آخری حدود تک پہنچا دیا جاتا ہے"

اِس لئے کلازوٹز جنگ کی تعریف کو منطقی حدود تک لے جاتا ہے"... جب ہم مطلق سے حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہر شے ایک ہی صورت اختیار کر لیتی ہے"[12] "ایک فلسفیانہ باب (۱-۱) میں وہ چند ایسی رکاوٹیں پیش کرتا ہے جو جنگ کو "تصوراتی" نہیں بلکہ ایک ایسا "انفرادی" طریقہ ثابت کرتی ہیں جس کی رہنمائی منطق کے اصولوں کے بجائے امکانات کے قوانین کرتے ہیں۔ جنگ کوئی منفرد عمل نہیں اور نہ ہی اس کی بنیاد ایک ہی عامل پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں بہت سے عوامل یکے بعد دیگرے عمل میں آتے رہتے ہیں۔

کلازوٹز رکاوٹوں کی ایک فہرست پیش کرتا ہے اور جا بجا ان پر بحث کرتا ہے (ابواب یکم۔ چہارم اور ششم) ان میں "خطرہ" "بدنی تکان" "جنگ میں خبر" اور ایسے ہی دوسرے غیر یقینی عوامل شامل ہیں۔ یہ غیر یقینی حالت "ارادے اور تکمیل میں ایک فاصلہ پیدا کر دیتی ہے" ــــ وہ "رکاوٹوں" کے عنوان کے تحت اِس مبحث کو ختم کرتا ہے۔ آج یہ اصطلاح عسکری لغت کا جزو بن گئی ہے۔ کلازوٹز اس خیال کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے: "رکاوٹ کا تصور ہی وہ صورت حال پیش کرتا ہے جو حقیقی جنگ اور کاغذی جنگ کے درمیان موجود ہے" "لاتعداد ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جو منصوبے کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ کلازوٹز کا یہ فقرہ عسکری تصانیف میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے: "جنگ میں ہر بات آسان ہوتی ہے۔ لیکن آسان باتیں مشکل ہی سے انجام پذیر ہوتی ہیں ... جنگ کے دوران عمل ایک ایسی حرکت ہوتی ہے جیسے رکاوٹی میدان سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس طرح ایک انسان جس نے پانی میں غوطہ لگایا ہو آسانی سے چلنے کا نہایت

---

[11] گریہم ماڈل۔ ص۔ ۱۲۱ (دوسری کتاب۔ باب سوئم)

[12] " " ۔۱۰۔ ۶ (پہلی کتاب۔ باب اوّل)

ہی آسان اور قدرتی فعل ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جنگ میں بھی انسان اچھی خاصی طاقت کے استعمال کرنے سے بھی اوسط درجے کے نتائج حاصل نہیں کر سکتا۔[۱۳]

خیال رہے کہ کلاز وِٹز کے افکار میں وسائل اور نتائج کے درمیان نہایت گہرا تعلق ہے اس کی نہایت اچھی مثال وہ ہے جہاں وہ تزویرات اور تدبیرات کی تعریف کرتا ہے "...
... تدبیرات سے مراد معرکے میں اصلی طاقت کا استعمال ہے۔ تزویرات وہ علم نظری ہے جس سے معرکے کو جنگ کا مقصد حاصل کرنے کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔" اس تعریف کی فنی قدر و قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں اس نے اساسی عناصر پر حسب معمول زور دیا ہے اور وسیلے اور حصول کا تعلق ظاہر کیا ہے۔ جیسا کہ کلاز وِٹز اپنی کتاب "جنگ کے متعلق" میں کہتا ہے
"جہاں کہیں افواج کا تصور لایا جائے وہاں معرکے کے خیال کا وجود ضروری ہے۔.....
سپاہی بھرتی کیا جاتا ہے، اُسے وردی پہنائی جاتی ہے، مسلح کیا جاتا ہے، تربیت دی جاتی ہے، وہ سوتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، اور مارچ کرتا ہے، صرف اس لئے کہ وہ صحیح مقام اور صحیح وقت پر لڑ سکے۔"[۱۴]
جس طرح فوجیں مقصود بالذات نہیں اسی طرح معرکے بھی مقصود بالذات نہیں۔ جس طرح فوجیں لڑنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں اسی طرح معرکے مقصدِ جنگ کے حصول کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

یہاں کلاز وِٹز اس بات کو نظر انداز نہیں کرتا کہ تاریخ میں بہت کم جنگوں نے وسائل اور نتائج کے تعلق کو پوری طرح ظاہر کیا ہے۔ صحیح جنگ کا اختتام شاذ ہی ایک لڑائی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بہت سی ایسی جنگیں بھی ہوئی ہیں جن میں ایک بھی قابلِ ذکر لڑائی نہیں لڑی گئی۔ اس کی رائے میں ایسی جنگوں میں بھی جن میں لڑائی کا موقع پیدا نہ ہو۔ "لڑائی کے امکان کا خیال ہی ایک قابلِ توجہ مرکز بن جاتا ہے"[۱۵] یوں سمجھ لیجئے کہ لڑائی برطانوی بحری بیڑے کی طرح ہے جس کی موجودگی ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔" اور جو موقع پر موجود ہونے کے بغیر بھی واقعات پر چھایا رہتا ہے۔

---

[۱۳] گریہیم ماڈ۔ ص ۷۰، ۹۰ (دوسری کتاب۔ باب سوئم)

[۱۴] " " " ۲۶۸ (پہلی کتاب۔ باب اوّل)

[۱۵] " " (چوتھی کتاب۔ باب یازدہم)

کلازوٹز جب جنگ کی سیاسی تشریح کرتا ہے۔ اس وقت بھی وہ وسائل اور نتائج کے تعلق کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اس کے عقیدے کے مطابق، لڑائیاں، جنگیں اور سیاسی سمجھوتے ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں کل اپنے اجزا پر چھایا رہتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نتائج اپنے وسائل پر چھا جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ صورتِ حال اس کے عین برعکس ہے۔ لڑائی اپنی فیصلہ کن خصوصیت کی وجہ سے جنگ کے مقصد پر سبقت لے جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جنگِ مطلق پر بحث کرتے ہوئے کلازوٹز واضح کرتا ہے کہ دشمن کو تباہ کرنے کا "فوجی مقصد" جنگ کے منتہی مقصود یعنی "سیاسی مقصد" کی جگہ لیتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ کلازوٹز کی نظر میں فوج کی برتری اور خود کفیلی مسلم تھی۔ کسی حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ اس لئے کہ کلازوٹز اصرار کرتا ہے کہ سپہ سالار کو سیاسی فیصلوں سے خود ممتاز ہونا چاہئے اور درحقیقت اسے اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ ان پر اثر انداز ہو سکے۔ وہ کہتا ہے: "سیاسی مقصد کوئی آمرانہ قسم کا قانون ساز نہیں . . . بالعموم وزیرات اور بالخصوص کماندارِ اعلیٰ اصرار کر سکتے ہیں کہ سیاسی رجحانات اور مقاصد ملک کے عسکری وسائل کے ساتھ تصادم نہ کریں۔ یہ مطالبہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا[15] . . ."

اس کے ذہن میں یہ خیال ضرور رہا ہوگا کہ جنگ کے دوران میں جس پالیسی پر عمل کیا جاتا ہے اس کا انحصار عسکری طاقت پر ہوا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ پہلو موجود تھا کہ عسکری فیصلوں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ فیصلے بنیادی طور پر انسانی معاشرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور انہیں پالیسی کے "تابع" کسی صورت نہیں کیا جا سکتا۔ اور تو اور جمہوری حکومتوں کے سامنے بھی ایسے مواقع آئے ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے جب عسکری لوازم کو سیاسی ضروریات پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔ گو یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ عام طور پر کلازوٹز کے استدلال کا رجحان اس کے برعکس اشارہ کرتا ہے۔ جنگ انسانی معاشرے کی کلیت کا محض ایک حصہ ہے اور اس کا اپنے کُل سے جو فرق ہے وہ محض ذرائع تک محدود ہے۔ چاہے عسکری ضروریات بعض اوقات کتنا ہی اثر کیوں نہ ڈالیں۔ ہم انہیں ان مقاصد کو تغیّر کرنے کا ذمہ دار ٹھہرا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ سیاسی مقاصد ہی کو اصل میں منتہا کا مقام

---

[14] گریہم ماڈ۔ ۱۔ ص ۲۲-۲۳ (پہلی کتاب۔ باب یکم)

[15] ایضاً

حاصل ہے اور جنگ تو ان کے حصول کا محض ایک ذریعہ ہے۔ کسے انکار ہو سکتا ہے کہ وسائل کا تصور نتائج کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔[17] اس کی کتاب "جنگ کے متعلق" کا ایک نہایت ہی معروف فقرہ قابلِ ذکر ہے: "جنگ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ریاست کی پالیسی کو جاری رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔[18]"

اس بنیادی تصور سے جنگ کے علمِ نظری پر ایک اہم اثر پڑتا ہے یہ ایک طرح سے مطلق جنگ کو حقیقی جنگ کے قریب لے آتا ہے۔ ریاست کی پالیسی اوّل تو "وہ بطنِ مادر ہے جس میں جنگ کو نشوونما ملتی ہے" اس لئے پالیسی ہی اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جنگ کن خطوط پر جاری رکھی جائے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ سپہ سالار جنگ کا منصوبہ حالات کے جائزے کے بغیر ہی بنانا شروع کر دیں۔ "اس سے بھی زیادہ علمارِ نظری کا یہ مطالبہ مہمل ہے کہ سپہ سالار کے سامنے جنگ کے تمام ذرائع پیش کر کے اسے خالص عسکری منصوبہ بنانے کے لئے کہا جائے[19]۔ ظاہر ہے کہ خالص عسکری منصوبے کا وجود ہی نہیں۔ ہر جنگ مخصوص واقعات کا تدریجی نتیجہ ہے۔

کلازوٹز نے "الحاقی جنگوں" میں خاص طور پر دلچسپی ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو ریاست کسی اتحاد کے خلاف صف آرا ہو اس کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوتا ہے کہ اتحادیوں میں سے وہ کس کو پہلے شکست دے۔ آیا طاقتور کو یا کمزور کو؟ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ فیصلہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ایسی ریاست کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا عسکری مقصود مخالف ریاستوں کا یہ اتحاد ہے اس لئے دشمن کی فوج کو شکست دینے کے بنیادی مقصد میں شاید کسی حد تک تغیر کرنا پڑے۔ تسخیرِ ملک کو لیجئے۔ فی نفسہٖ یہ اچھا خاصہ ہتھیار ہے۔ اس لئے کہ ملک چھن جانے پر دشمن دوبارہ اپنی فوج کو آسانی سے ترتیب نہیں دے سکتا اور اس کی قوتِ ارادی کو ضعف پہنچتا ہے۔ اس لئے تزویر کار کے سامنے جو بنیادی مسئلہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے "مرکزِ ثقل" کا صحیح اندازہ لگائے جو اکثر حالات میں دشمن کی عساکر میں ہوتا ہے۔ اگر دشمن کا ملک اندرونی خلفشار سے

---

[17] گریم ماڈ۔ ا۔ ص ۲۲-۲۳۔ پہلی کتاب، باب یکم۔ [18] گریہم ماڈ۔ ا۔ دیباچہ میں۔ ص۔ ۲۳
[19] " " ۳-۱۲۶ (آٹھویں کتاب۔ باب ہشتم۔ ب)

غیر متحد ہے تو پھر اس کا "مرکز ثقل" اس ملک کا دارالخلافہ بھی ہو سکتا ہے۔ الحاقی جنگوں میں "یہ مرکز" سب سے طاقتور اتحادی کی فوج میں ہوتا ہے اور یا پھر "یہ مرکز" اتحادیوں کو منسلک کرنے والے رشتہ میں ہو سکتا ہے۔ قومی جنگوں میں "رائے عامہ" ایک اہم "مرکزِ ثقل" ہوتا ہے اور اسی لئے اس کو اہم عسکری مقصد مانا جا سکتا ہے [ن۲]

(۶)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ صحیح نہیں کہ یہ ڈلجک تجزیہ صاف اور واضح خطوط کو دھندلا کر دیتا ہے اور بجائے روشنی ڈالنے کے یہ کلازوٹز کے طالب علم کو الجھا دیتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں دو نکات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اوّل تو یہ کہ ہمہ گیر علم نظری سے اجتناب ہی کلازوٹز کے تجزیے کو دوام بخشتا ہے اور آج بھی اسے اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ اس طرح سے مختلف صورتِ حالات کا تصوّر کوئی الجھا ہوا نقشہ نہیں بلکہ زندگی میں جو صورتیں پیش آسکتی ہیں ان کا تذکرہ ہے۔

کلازوٹز نے اپنے "کھلے اسلوب" کو اور بھی واضح کرنے کی کوشش کی ۱۸۲۷ء کے ایک اطلاع نامے میں وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی کتاب جنگ کے متعلق "دو خطوط پر اصلاح کرنا چاہتا ہے پہلا تو یہ کہ وہ "دو قسم کی جنگوں" میں فرق دکھانا چاہتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ "دشمن کی سرحدوں پر کچھ فتوحات حاصل کی جائیں ....." دوسرا یہ کہ وہ اس بات پر زور دینا چاہتا ہے کہ جنگ دراصل کسی خاص پالیسی کو جاری رکھنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ نکتہ نظر جنگ پر غور کرنے کے لئے زیادہ "مرکزیت" کا ذمہ دار ہوگا۔ کلازوٹز کے خیال میں یوں کتاب کی اصلاح سے بہت سی ایسی سلوٹیں دور ہو جائیں گی جو اب تدبیر کاروں اور ریاست کاروں کے ذہن میں موجود ہیں۔"

کلازوٹز نے اپنی تصنیف کو ان ہی خطوط پر اصلاح دی۔ آٹھویں کتاب جس میں وہ جنگ کے منصوبے پر بحث کرتا ہے وہ ان "دونوں قسم کی جنگوں" کے فرق کو وضاحت سے پیش کرتا ہے

ن۲ یہ حصہ اصل کتاب کے متن کا چربہ ہے۔ پہلی کتاب باب دوم۔ آٹھویں کتاب۔ باب چہارم۔

یعنے دشمن کو شکست دینا اور محدود جنگ۔ پہلی قسم میں آخری نتیجہ ہی وقعت رکھتا ہے۔ دوسری قسم میں چھوٹے چھوٹے کامیاب معرکے اور وقت بھی معنی رکھتے ہیں۔ تاکہ انجام کار دشمن کی قوتِ ارادی زائل ہو جائے۔ محدود جنگ کی مثالیں پہلے بھی ملتی ہیں اور آئندہ بھی دو حالات میں رونپذیر ہو سکتی ہیں۔ اوّل تو ان حالات میں جب سیاسی کشمکش یا سیاسی مقاصد کم پایہ ہوں اور دوسرے جب عسکری وسائل اس نوعیت کے ہوں کہ دشمن کی مکمل شکست پر غور ہی نہیں کیا جا سکتا ہو یا اسے صرف بلاواسطہ طریقے پر حاصل کیا جا سکے۔

کلاز وتز کی یہ آرا اس بحث پر روشنی ڈالتی ہیں جن سے اس مضمون کی ابتدا کی گئی تھی۔ چھوٹی اعزامی فوجوں اور اقتصادی جنگ سے خالص عسکری معانی میں دشمن کی مکمل شکست کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس کے باوجود کلاز وتز کا دوسرا خیال باقی رہ جاتا ہے۔ جس میں وہ جنگ کو پالیسی کے جاری رکھنے کے مترادف سمجھتا ہے اور جسے وہ مزید یک جہتی تصوّر کرتا ہے۔ اس کا فیصلہ کن فقرہ پیش کرنے کے قابل ہے۔ "جنگ کا محرک جتنا شدید اور طاقتور ہوگا ... اتنا ہی جنگ، مطلق جنگ سے قریب ہوگی ... " اِس مضمون کے مصنف کے خیال میں یہ نظریہ ماضیٔ قریب کے بہت سے مباحث پر صحیح اترتا ہے۔ "دونوں قسم کی جنگوں" نے اپنی اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران جب مغربی اور مشرقی تزویرات کے درمیان کشمکش جاری تھی اس وقت کے مباحث میں یہ سوال انگلستان اور جرمنی میں بار بار اٹھتا رہا کہ آیا سیاسی ذرائع پر زور دینا چاہیئے یا عسکری ذرائع پر۔ مگر جس عظیم پیمانے پر عصرِ جدید کی جنگیں لڑی جاتی ہیں اس نے مخالف سمت کے حصولوں کی شدتِ جذبات کے باعث دونوں نظریات کو ایک میں سمو دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ "آخری مرحلے تک دباؤ جاری رکھا جائے۔"

یہ سوال اِس جگہ بھی پیش آتا ہے جب کلاز وتز "حملے" اور "دفاع" میں فرق ظاہر کرتا ہے یہ فرق اساسی قسم کا ہے۔ اس میں سیاسی، تزویراتی اور تدبیراتی پہلو شامل ہیں۔ عام طور پر جو توقع "نپولین کی طرزِ جنگ کو سمجھانے والے استاد" سے کی جا سکتی ہے اس سے وہ فرق جو کلاز وتز پیش کرتا ہے نہایت ہی مختلف ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ "دفاع" کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ عام طور پر انیسویں صدی میں اس بات کو کلاز وتز کے عقائد پر بہت بڑا دھبہ تصوّر

کیا جاتا تھا۔ اس کے نکتہ چین کہتے ہیں کہ آیا یہ درست نہیں ہے کہ عمل کی رہبری حملہ آور کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہی اقدام کے فوائد سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ کلازوٹز ان فوائد اور حملے کی پیدا کردہ "اخلاقی" برتری کو نہایت گہرے شکوک سے دیکھتا ہے۔[21] ناگہانیت کے عنصر کو البتہ وہ خاصی اہمیت دیتا ہے خصوصاً جہاں تک تدبیرات کا تعلق ہے۔ تزویرات میں کلازوٹز ناگہانیت کو وہ مقام نہیں دیتا۔ جب حملہ آور پہلی چال چلتا ہے تو دافع کو "آخری چال" کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ دافع کے متعلق جن فوائد کا وہ ذکر کرتا ہے وہ تدبیرات و تزویرات اور سیاست نیتوں کے تحت آتے ہیں۔ دافع کو اصل تو دوسرے ممالک کی سیاسی ہمدردی حاصل ہوتی ہے علاوہ ازیں اپنے وطن کا دفاع کرنے کی وجہ سے بھی اسے اخلاقی برتری حاصل ہوتی ہے محاذ جنگ کے قرب کے فوائد، قلعوں کے استعمال کی سہولت، مستحکم مقامات، اور جغرافیائی آسانیاں سبھی دافع کے حق میں ہوتی ہیں۔ وقت اور اچانک حادثات، دشمن کی تھکان، دشمن کا نشانہ خطا جانا اور ایسے ہی اور عناصر اس کی مدد کرتے ہیں۔ مختصراً دفاع اس لئے بہتر ہے کہ قدرت نے اس میں فوائد ڈال رکھے ہیں۔ "کسی چیز کو محفوظ رکھنا نئی شے کے حصول سے آسان تر ہے۔"[22] سنہ ۱۹۴۲ء کے تجربات کی روشنی میں کلازوٹز کا ایک فقرہ نہایت پرمعنے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر بات جو واقع نہیں ہوتی دافع کے لئے سود مند ہوتی ہے۔ "وہ بیج بونے کے بغیر ہی فصل کاٹ لیتا ہے۔"

اس کے باوجود منطقی دلائل کی رو سے دفاع کے یہ فوائد زائل ہوتے نظر آتے ہیں۔ دفاع میں طاقت ضرور ہے مگر اس کا مقصد منفی قسم کا ہوتا ہے۔ حملے کے دوران میں دفاعی عمل "رکاوٹی بوجھ" اور حقیقت میں "گناہِ عظیم" کا مقام رکھتا ہے۔ البتہ جہاں کہیں دفاعی نظریہ سامنے رکھا جائے اس کا انجام حملہ ہی ہونا چاہئے مطلق دفاع جنگ کی حقیقت سے انکار کرنے کے برابر ہوگا۔ آج کل کی اصطلاح میں یہی خیال یوں پیش کیا جا سکتا ہے "جنگیں کامیاب پس قدمی اور انخلا سے نہیں جیتی جاتیں۔ اس لئے کلازوٹز اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ

---

[21] گریہم ماڈ۔ ۳۔ ص۔ ۳۱ (ساتویں کتاب۔ باب پانزدہم)

[22] " " ص۔ ۱۳۴ (چھٹی کتاب۔ باب اوّل)

"سریع اور قوی مہاجمے کی ابتدا ر یعنے انتقام لینے والی شمشیر آبدار کا تیزی سے نیام سے نکل آنا ہی دفاع کی بہترین گھڑی ہے[۲۳]۔"

پہلی اور دوسری عالمی جنگوں نے اتنی مثالیں پیش کر دی ہیں کہ اب ان وقتوں کی تفصیل پیش کرنا بےسود ہے "جو حملہ آور کے لئے ہر قدم پر پیش آتی ہیں۔" اس کی توجیہہ نہایت ہی اہم بنیادی نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ "انتہائی نکتے پر پہنچ جانے کے بعد وزن دوسری طرف پلٹ جاتا ہے . . . پلٹتی ہوئی رفتار کی شدت عام طور پر سامنے کی حرکت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔" یہاں حقیقی سپہ سالاری کا امتحان ہوتا ہے۔ جیسا کہ کلازوٹز کہتا ہے۔ ہر چیز کا دار و مدار "انتہائی نکتے کو صحیح طور پر معلوم کرنے پر ہوا کرتا ہے۔" کہیں ایک سپہ سالار ضرورت سے زیادہ احتیاج کی وجہ سے خوش قسمت موقع کو کھو دیتا ہے! ور کہیں ایک اور سپہ سالار اپنی جلد بازی سے تباہی کے غار میں جا گرتا ہے۔ بیکار خرچ تباہ کن خرچ ہوتا ہے۔ "اکثر ہر شے کا دار و مدار قوتِ تمیز کے جریا آسا نار پر منحصر ہوتا ہے۔" یہی وہ موقع ہوتا ہے جب دافع کو چاہیئے کہ اپنی سپہ سالاری کا ثبوت پیش کرے اور "انتقام کی پیاسی تلوار کو نیام سے باہر کرے۔" اگر وہ دور دراز کی پیش قدمی کے بعد حملہ آور کو دفاع پر مجبور ہونا پڑے تو وہ "دفاع کی برتری" کے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی اور نفسیاتی عوامل اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ اسے دفاع کا صرف ایک ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنے اُسے قبضہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ صورتِ حال تھی جس سے ہفت سالہ جنگ میں فریڈرک اعظم دوچار ہوا۔ یہی حالت نہایت واضح طور پر دونوں عالمی جنگوں میں پیش آئی۔

"انتہائی نکتے" کی بحث کے تحت اور درحقیقت تمام تحریروں کے دوران میں کلازوٹز اخلاقی اور نفسیاتی عوامل پر جس قدر زور دیتا ہے وہ اِس موضوع کو عسکری افکار میں مستقل مقام دیتا ہے۔ کلازوٹز کمانڈر اعلیٰ اور عام سپہ سالار کی خصوصیتوں کو علیحدہ علیحدہ پیش کرتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وہ بے باکی، جسارت اور ایسے ہی قومی سپاہیانہ جذبات کو جو حقیقت میں باطنی خصوصیات میں شامل ہیں، خارجی خصوصیات مثلاً مضبوط کردار اور بے لاگ ذہن کا باہم

---

[۲۳] گریہم باڈ - ۲ - ص - ۱۵۴ (چھٹی کتاب - باب پنجم)

یکجا ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ پرشیا کے ولی عہد کو جو نصیحت اس نے کی اس میں اس نے "عقلِ سلیم پر مبنی دلیرانہ فیصلوں[24]" کو پیش کیا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب "جنگ کے متعلق" میں کہتا ہے: "ہمیں اپنے بچوں اور بھائیوں کی بہتری و بہبودی سوچنے کے لئے تند خو ذہنوں کی بجائے ٹھنڈے دماغوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے[25]" کردار کی پختگی ہی کا دُرّانی شکوک، خوف و ہراس اور میانہ روی کے معیار سے بلند ہو سکتی ہے۔

فوج کی عسکری خوبیاں بھی محض دلیری پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ فوج کی "طبیعت" کی نسبت اس کے "جذبے" کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور یقیناً محض اعداد و شمار سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گو کلازوٹز اعداد کی برتری پر بھی زور دیتا ہے۔ پہلے تو عمومی طور پر پھر فیصلہ کن موقع پر۔ مگر اس کے باوجود وہ اعداد و شمار کو ہر شے سمجھ لینے کی "کلیتہً غلط ذہنیت[26]" کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ اِس موضوع پر وہ کسی غلط فہمی کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ دشمن کی شکست سے فقط دشمن کے آدمیوں کا قتل مراد نہیں ہونا چاہیئے۔ اہم ترین لڑائی وہ ہے جس میں دشمن کی دلیری کو تباہ کیا جائے نہ کہ اس کے سپاہی[27]۔

کلازوٹز کا بنیادی نظریہ یعنی اس کا اصرار کہ غیر مادی اور غیر محسوس کو جنگ کے مادی اور خونخوار ماحول میں بھی برتری حاصل ہونی چاہیئے۔ ابھی تک متروک نہیں ہوا۔ یہ جس طرح انیسویں صدی میں پیادہ چلنے والے اور سوار سپاہیوں پر صادق آتا تھا اسی طرح آج موٹر سوار اور بکتر بند فوجوں پر بھی صحیح اترتا ہے۔ گذشتہ لڑائی میں کلازوٹز کا یہ قول شب و روز صحیح ثابت ہوتا تھا۔ مادی وسائل تلوار کا "چوبی دستہ" ہیں اور "روحانی طاقت" اس کا "چمکدار تیغہ" ہے[28]۔

---

[24] گریہم ماڈو۔ ۳۔ ص ۱۸۳۔ ملحق۔

[25] " " ۱ " ۷۱۔ (پہلی کتاب باب سوئم)

[26] " " ۱ " ۱۹۸ (تیسری کتاب۔ باب ہشتم)

[27] " " ۱ " ۲۸۶ (چوتھی کتاب۔ باب یازدہم)

[28] " " " ۱۷۸ (تیسری کتاب۔ باب سوئم)

حصّہ سوم

انیسویں صدی سے پہلی عالمی جنگ تک

چھٹا باب

ایڈم سمتھ۔ الیگزنڈر ہیملٹن فریڈرک لسٹ

عسکری طاقت کی اقتصادیات کے بانی

از: ایڈورڈ۔ میڈ۔ ارل

اگر اقتصادی طاقت کو سیاسی طاقت سے جدا کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف قدیم ترین معاشرے میں ممکن ہے۔ قومی ریاستوں کے وجود میں آنے کی وجہ سے اور صنعتی انقلاب اور عسکری فنیت میں مسلسل ترقی ہوتے رہنے کی وجہ سے ہم موجودہ زمانے میں ایک طرف تجارتی۔ مالی اور صنعتی طاقت اور دوسری طرف سیاسی اور عسکری طاقت کے باہمی تعلق سے متواتر دوچار ہوتے رہے ہیں۔ جب ریاست کاری کا بنیادی اصول تجارتیت یا کلیت ہو تو ریاست کی طاقت ہی منتہائے مقصود بن جاتی ہے۔ آج سے قریباً تین سو سال قبل کالبرٹ نے لوئی چہاردہم کی فرانسیسی شہنشاہیت کی پالیسی کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا تھا "تجارت، دولت کا ذریعہ ہے اور دولت پر جنگ کا انحصار ہے"۔ ہمارے اپنے دور میں گورنگ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ نازی عسکری ریاست کی سیاسی اقتصادیات کا مقصد "مکھن کے بجائے توپیں" تھا۔ دوسری طرف جنگ کی تیاری کے وقت شوروی حکومت کا یہ کہنا تھا کہ "دودھ بغیر اشتراکیت" سے "اشتراکیت بغیر دودھ" بدرجہا بہتر ہے۔ اس کے برعکس جمہوری ممالک کے باشندے ایسی پابندیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ایسی اقتصادیات پر مبنی ہوں۔ جس کا مقصد جنگ یا جنگ کی تیاری ہو۔ وہ ایسی اقتصادیات کو پسند کرتے ہیں۔ جس میں شخصی آزادی کو تسلیم کیا جائے۔ بجائے اس کے کہ ریاست کو تمام اختیارات سونپ دئیے جائیں۔

کسی قوم کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی کیسی ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے دفاع کی طرف سے اگر غفلت

بڑھتی گئی تو اس کا وجود لامحالہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ جب الیگزنڈر ہیملٹن نے یہ کہا تھا کہ "بیرونی خطرہ" قومی پالیسی کا بہترین محرک ہے" تو وہ ریاست کاری کا بنیادی اصول پیش کر رہا تھا۔ اور تو اور اگر قومی تحفظ کی غرض سے شخصی آزادی کو چھوڑنا پڑے تو اس میں تامل نہیں ہونا چاہئے "محفوظ رہنے کی غرض سے انسان" اپنی آزادی کی کمی کے خطرے کو قبول کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے"۔[1] ایڈم سمتھ اس بات کو تسلیم کرنے پر رضامند تھا کہ "دفاع کی اہمیت خوشحالی سے زیادہ ہے"۔[2] فریڈرک لسٹ بھی اس کا ہمخیال ہے: "طاقت کو دولت پر ترجیح حاصل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے کہ ناتوانی کی وجہ سے ہمارے پاس جو کچھ موجود ہو وہ بھی ہم سے چھین جاتا ہے۔ صرف حاصل کردہ دولت ہی نہیں۔ بلکہ پیداوار کے تمام ذرائع بھی ہم سے لئے جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ہماری تہذیب، ہماری آزادی، اور ہماری قومیت بھی آن کی آن میں ان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو طاقت میں ہم سے زیادہ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔"[3]

جب ایڈم سمتھ کی کتاب "قوموں کی دولت" شائع ہوئی تو اس سے دو سو سال قبل تک مغربی یورپ کی حکومتیں "تجارتیت" کے اسالیب کے مطابق چلائی جا رہی تھیں۔ تجارتیت کا منتہی یہ تھا۔ کہ ریاست کو مرکزیت کے اصول پر چلایا جائے اور اس طرح اس کے صنعتی، تجارتی، مالیاتی، فوجی اور بحری وسائل کو ترقی دی جائے۔ ہمارے دور کی کلیتی ریاستوں کی طرح تجارتیت کی پابند ریاستیں بھی متحفظ، آثارکیانہ، پھیلاؤ پسند اور عسکریاتی تھیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے درآمد اور برآمد پر کڑی پابندیاں عائد کی جاتی تھیں، قیمتی دھاتیں جمع کر کے محفوظ کی جاتی تھیں۔ فوجی اور بحری ساز و سامان کی ساخت اور درآمد کے لئے تاجروں کو امداد دی جاتی تھی۔ جہازرانی اور ماہی گیری کو اس لئے ترقی دی جاتی تھی کہ بحری طاقت میں اضافہ ہو۔ نوآبادیات میں لوگ بسائے

---

[1] فیڈرلسٹ (۱۷۸۷) شمارہ نمبر ۸ (نیویارک۔ ماڈرن لائبریری اڈیشن) ص ۴۲

[2] "قوموں کی دولت" (۱۷۷۶) ماڈرن لائبریری اڈیشن۔ چوتھی کتاب۔ باب دوم۔ ص ۴۳۱

[3] فریڈرک لسٹ۔ اقتصادی پالیسی کا قومی اسلوب۔ (سٹٹگارڈ ۱۸۴۱) انگریزی ترجمہ از سیمپسن ایس لائیڈ۔ (لندن ۱۸۸۵) ص ۳۷-۳۸۔ اس کے بعد اس کی طرف اشارہ "قومی اسلوب" کے عنوان سے دیا جائے گا اور انگریزی ترجمے سے اقتباس دئے جائیں گے۔

جاتے تھے اور ان کی حفاظت کی جاتی تھی تاکہ اصل وطن کو ضرورت کے وقت امداد مل سکے اور جنگ کے لئے نفری طاقت میں اضافہ ہو[۴]۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے اقدامات کی غرض یہ تھی کہ قومی اتحاد اور طاقت میں مزید اضافہ ہو۔

تجارتیت کے اسلوب میں جنگ مضمر تھی اور تجارتیت کی پیدا کردہ جنگوں سے صرف انگلستان فاتح بن کر نمودار ہوا۔ چونکہ باقی یورپی ممالک کی نسبت اسے قومی اتحاد حاصل کرنے میں کم مدت صرف ہوئی اس لئے انگلستان ان سے پہلے اس قابل ہو گیا تھا کہ "اپنے تجارتی اور بحری بیڑوں کو اور درآمدی، برآمدی اور ماہی گیری کے قوانین کو قوم کے اقتصادی مفاد کے لئے دانستہ، بےباکانہ اور نہایت سختی سے استعمال کرتا۔" یوں اسے امید تھی کہ دوسرے ممالک پر تجارت اور سیاست میں سبقت لے جائے گا[۵]۔ ۱۷۶۳ء تک انگلستان نے سپین، ہالینڈ اور فرانس کی تجارتی، نوآبادیاتی اور بحری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ انقلاب اور نپولین کی کوششوں سے زندہ کردہ فرانس کو دوبارہ واٹرلو کے میدان پر شکست فاش ہوئی۔ برطانیہ کے متحدہ امریکہ کے ہملٹن اور جرمنی کے لسٹ نے تجارتیت کے پس منظر اور فاتح انگلستان کے حالات سے متاثر ہو کر اقتصادی اور سیاسی نظریات کو اپنے اپنے ملک کے سامنے پیش کیا۔

(۲)

جب ۱۷۷۶ء میں "قوموں کی دولت" شائع ہوئی تو برطانیہ میں حالات کی تحقیق اور تجارتیت کے عملی پہلو پر نظر ثانی کا وقت آ چکا تھا۔ امریکی نوآبادیات کی بغاوت کی وجہ سے برطانیہ کی نظریں نوآبادیاتی پالیسی کے تجارتی قوانین کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ایک سو سال سے جو جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ ان کی وجہ سے قرض میں جو اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ علاوہ ازیں ہفت سالہ جنگ (۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۳ء) میں برطانیہ کامیاب رہا تھا اور اب تجارت اور بحری طاقت میں اس کا کوئی حریف نہ تھا۔ لوگوں میں احساس پیدا ہو رہا تھا کہ اب

۴۔ "تجارتیت" انگریزی ترجمہ از شیپارڈ دو جلدیں (لندن ۱۹۳۵) ۲۔ ص ۴۴

۵۔ " " ۲۔ ص ۲۱-۲۴

قدرے فراخدلانہ پالیسی کا آغاز کیا جانا چاہئے۔" پڑوسی ممالک کی دولت سیاست اور جنگ میں کتنی نقصان دہ کیوں نہ ہو تجارت کے لئے لحاظ سے سود مند تھی[۵]۔" سمتھ نے تجارتی طبقے کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور خصوصاً ٹھیکہ دار شرکتوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کے خیال میں وہ حکومت کے فرائض بھی اپنے قابو میں کر لینے کی قصوروار تھیں اور انہیں کی وجہ سے جنگ بپا ہوتی تھی[۶]۔

وہ تسلیم کرتا ہے کہ برطانیہ کو جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ وہ "محنت کش ملک ہے اور اسی لئے ایک امیر ملک ہے۔ باقی ملکوں سے زیادہ اسی کو حملے کا خدشہ ہے۔" مگر وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ جنگی خزانے ملک کے تحفظ کے لئے ضروری یا فائدہ مند تھے۔ اس لئے کہ "بحری بیڑوں اور فوجوں کے اخراجات چاندی اور سونے کے ذریعے پورے نہیں کئے جا سکتے تھے بلکہ استعمال میں لائے جانے والے سامان کے ذریعے ادا ہو سکتے تھے۔" سمتھ کا نظریہ تھا کہ کسی قوم کی جنگی قوت کا اندازہ اس کی پیدا کردہ طاقت سے لگایا جا سکتا ہے۔ بعد میں فریڈرک لسٹ نے بھی یہی خیالات پیش کئے۔ علاوہ ازیں اس نے جنگی خزانوں اور جنگی قرضوں کو جنگی مالیات کا واحد ذریعہ بنانے کی بھی مخالفت کی۔ اس کے خیال میں بھاری ٹیکس لگانا بہتر تھا۔ جن جنگوں کے اخراجات نقد ادا کئے جائیں گے۔" وہ جلد اختتام کو پہنچیں گی اور ان کا اعلان کرتے وقت لاپرواہی نہیں برتی جائے گی۔"

حالانکہ "قوموں کی دولت" کو صحیفۂ آسمانی کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ تاہم ایڈم سمتھ نے حقیقۃً تجارتیت کے اصولوں کو رد نہیں کیا تھا۔ اس نے اس کے چند ذرائع قبول نہیں کئے تھے مگر اس نے کم از کم اس کا ایک منتہی مقصود تسلیم کر لیا تھا۔ اس نے مان لیا تھا کہ جہاں تک ملک کی عسکری طاقت کو قائم رکھنے کا سوال تھا ریاست حق بجانب تھی کہ وہ مالیاتی معاملات میں دخل دیتی رہے۔ جوں جوں معاشرہ فنی حیثیت سے ترقی کرتا ہے جنگیں زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور مہنگی ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے جنگ کے اخراجات برداشت کرنے اور عسکری اداروں کو قائم رکھنے کے لئے

---

[۵] قوموں کی دولت ص ۴۶۰-۴۶۱۔

[۶] " چارٹر کمپنیوں سے متعلق۔ ص ۵۹۶-۶۰۶۔

جن ذرائع کو استعمال کرنا پڑے گا وہ تجارتی اور صنعتی ریاست میں قدیمی معاشرے کی نسبت مختلف ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں جنگ کے اوزاروں اور عسکری اداروں کا تعین مالیاتی نظام پر منحصر ہے۔ اِس لئے ناگزیر ہے کہ عسکری قوت کو مالیاتی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ یہی خیالات بعد میں مارکس انجل نے بھی ظاہر کئے۔

جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہاں تجارتیت کی روح اور اساس جہاز رانی سے متعلق قوانین تھے۔ تجارتیت کے دوسرے پہلو برطانیہ کی تاریخ کے پہلے ادوار میں ضروری رہے ہوں تو دوسری بات ہے البتہ اٹھارھویں صدی کے اواخر تک انگلستان صنعتی طور پر اتنی ترقی کر گیا تھا کہ فرانس اور جرمنی کی نسبت اسے تحفظیت کی بہت کم ضرورت تھی۔ دراصل کچھ عرصے بعد انگلستان کو اپنے فائدے کے لئے رکاوٹی پالیسی کو خیر باد کہنا پڑا۔ بسمارک کے قول کے مطابق اسے احساس ہو گیا تھا کہ "آزاد تجارت قوی ترین حربہ ہے۔" البتہ بحری طاقت بالکل علیحدہ مسئلہ تھا۔ اور ہر بات جس کا تعلق بحری طاقت سے تھا اسے مختلف نظریے سے دیکھنا ضروری تھا۔ انگلستان اور اس کے علاوہ نوآبادیات کی دفاع کے لئے ضروری تھا کہ برطانیہ دنیا کے بحری راستوں پر تنہا مسلط رہے۔ علاوہ بریں برطانیہ کی صنعت کا پورا ڈھانچہ اس کی مالیات اور تجارت کا تمام تر انحصار سمندر پار کی منڈیوں پر تھا اور سمندر پار سے ہی اسے خام اشیاء حاصل ہوتی تھیں۔ ایوانِ امراء میں لارڈ ہوورشا نے بزور کہا تھا "تمہارے بحری بیڑے اور تمہاری تجارت کے درمیان اتنا گہرا رشتہ ہے اور وہ ایک دوسرے پر اس شدت سے اثر انداز ہیں کہ انہیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔"

ان وجوہات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تجارتیت اور طاقتی سیاست کے متعلق ایڈم سمتھ کے نظریات کو اس کے اِن خیالات سے جانچا جا سکتا ہے جو اس نے جہاز رانی اور ماہی گیری کے قوانین پر ظاہر کئے۔ اس کے خیال میں "برطانیہ کا دفاع اس کے جہازوں اور جہاز رانوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ چونکہ دفاع کی اہمیت خوشحالی سے زیادہ ہے اس لئے یہ کہنا درست ہو گا کہ جہاز رانی کا قانون انگلستان کے تمام قوانین سے بہتر ہے[۹]۔" ماہی گاہوں کے متعلق بھی اس نے ایسے

---

[۸] قوموں کی دولت۔ چوتھی کتاب۔ باب اوّل حصہ اول۔ ۶۵۳-۶۶۹

[۹] " " " " دوم۔ ص ۴۳۰-۴۳۱

ہی خیالات ظاہر کیے گئے۔ اسی طرح سمتھ نے ان قوانین کی تعریف بھی کی ہے جن کی رو سے امریکی نوآبادیات میں عطیات اس شرط پر دیئے جاتے تھے کہ وہاں سے تجربہ کا ساز و سامان درآمد کیا جائے اور اس سامان کو سوائے برطانیہ کے وہ کسی اور ملک کو برآمد نہ کریں۔ مزید برآں سمتھ تحفظی محاصل کے خلاف بھی نہ تھا بشرطیکہ وہ عسکری ضروریات کی بنا پر عائد کیے جائیں۔ اسی قسم کا تحفظ جہاز رانی کے قوانین کے تحت جہازوں کی صنعت کو دیا گیا تھا۔

ایڈم سمتھ آزاد تجارت کا معتقد تھا۔ بعض ایسے نظریات کو اس نے کلیتہً غلط ثابت کیا جو اس کے زمانے کے برطانوی سامراج میں رائج تھے۔ وہ شخصی اقدام میں حکومت کی دخل اندازی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ نہ ہی وہ حکومت کے اختیار میں جا و بیجا وسعت کا مداح تھا۔ مگر جس اہم سوال کو مدِنظر رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس کے اور تجارتی مکتب خیال کے مابین کیا فرق ہے۔ وہ یہ نہیں کہ اس نے اس مکتب خیال کی پالیسی کی تائید یا تردید کی بلکہ یہ پہلو کہ جب ضرورت پیش آئے اس وقت ملک کی معاشیاتی طاقت کو ریاست کاری کا حربہ بنایا جائے یا نہ بنایا جائے۔ اس سوال کا جواب ایڈم سمتھ کے الفاظ میں یہ ہوگا کہ "ہاں" معاشیاتی طاقت کا ایسا استعمال درست ہوگا۔

اس پہلو کو سمجھنے میں بعض اوقات غلطی کی گئی ہے۔ سمتھ کے ہم خیال طلبہ نے اور خصوصاً انگلستان نے انیسویں صدی کے دوران میں سمتھ کو غیر مصالحتی آزاد تاجر کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سمتھ برطانیہ کی وطن دوستی کے جذبے سے سرشار تھا۔ مگر یہ کہنا صریحاً غلط ہوگا کہ وہ ریاکار تھا۔

(۳)

تین سو سال سے زائد عرصہ ہوا جب راجر بیکن نے اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ کسی قوم کی دفاعی قوت کا انحصار اس کی مادی طاقت کی نسبت اس کے باشندوں کی روحانی استقامت پر زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ قوت اس کے زر و سیم کے انباروں کی نسبت اس کے معاشرتی نظام کی فولادی ساخت پر زیادہ منحصر ہوتی ہے[1]

[1] راجر بیکن کی تصانیف "اخلاقی اور معاشرتی مضامین" سلسلہ تالیف جیمس سپیڈنگ۔ ۷ (باسٹن ۱۸۶۰) ص ۱۰۶

برطانیہ اپنے جزیرائی مقام کی وجہ سے اپنے دفاعی معاملات کو کسی نہ کسی طرح نباہتا رہا تھا۔ دوسری طرف پارلیمان اور تخت کے درمیان جو طولانی کش مکش جاری رہی تھی۔ اس کی وجہ سے یہ عقیدہ عام ہو گیا تھا کہ پیشہ ور فوج باشندگانِ ملک کی شہری آزادی کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اُدھر یورپ کے براعظم پر برطانیہ کے حریفوں کی قوت کا دار و مدار بڑی بڑی قائم فوجوں پر مبنی تھا۔ پیشہ ور سپاہیوں کی قیادت میں اُن کی فوجوں نے تنظیم اور فنِ جنگ میں خاصی ترقی حاصل کر لی تھی[۱]۔ سترھویں صدی کے اواخر میں میکالے نے لکھا تھا: "ملک کی مقتدر ہستیوں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ ہماری پالیسی میں قائم فوج کے لئے جگہ نہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں پارٹیوں کے لیڈروں میں ایک بھی یہ تجویز پیش نہیں کر سکتا تھا کہ اس قسم کی فوج مملکت کے مستقل اداروں میں شامل کی جائے۔"[۲]

یہ صورتِ حال اس وقت بھی تھی جب سمتھ ۱۷۵۲ء سے ۱۷۶۳ء کے زمانے میں گلاسگو میں اخلاقی فلسفے کا استاد تھا۔ سمتھ نے اعتراف کیا کہ قائم فوج کا وجود آزادی کے لئے خطرہ تھا اور یہ تاریخی حقیقت تھی کہ کرامویل نے "طولانی پارلیمان کو ایوان سے باہر نکال دیا تھا"۔ مگر اس کا عقیدہ تھا کہ اگر صحیح طور پر پیش بینی کی جائے تو فوج کو دستور تباہ کرنے کے بجائے محکم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہرکیف ملک کے تحفظ کے لئے تربیت یافتہ اور منضبط عساکر ضروری تھیں۔ ملیشیا چاہے کتنا ہی تربیت یافتہ اور منضبط ہو پیشہ ور فوج کا بدل نہیں ہو سکتا خصوصاً آتشی ہتھیاروں کی پیش رفت کی وجہ سے نظم و نسق کی اہمیت انفرادی مہارت، دلیری اور پھرتی سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے۔ سمتھ لکھتا ہے: "فنِ جنگ جس طرح عجیب ترین پیشہ ہے اسی طرح ترقی کی رفتار بڑھ جانے کی وجہ سے مشکل ہو گیا ہے۔ اس کا تعلق جن میکانکی اور دوسرے فنون سے ہے وہ اس کی ان حدود کو متعین کرتے ہیں جن تک اس کی ترقی کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ البتہ ان حدود تک اس کی ترقی کو پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ شہری آبادی کا ایک خاص طبقہ اسے

---

[۱] دوسرا باب دیکھیں۔

[۲] "تاریخ انگلستان" (وڈ سائڈ ایڈیشن۔ باسٹن۔ این۔ ڈی) ۴: ص ۱۸۶-۱۸۷

اپنا واحد یا کم از کم اصلی پیشہ تصور کرے۔"[۱۳۱]

انگریزی بولنے والی قوموں کے لئے یہ نہایت ہی اہم واقعہ ہے کہ ۱۷۷۶ء ایک طرف تو "قوموں کی دولت" کی اشاعت کا سال تھا اور دوسری طرف امریکہ کی آزادی کا اعلان بھی اسی سال ہوا۔ سمتھ نے برطانیہ عظمیٰ اور اس کی امریکی نوآبادیات کے متعلق تفصیل سے اپنی رائے پیش کی ہے اس نے جو کچھ کہا ہے وہ امریکی یا برطانوی تاریخ کے طالب علم کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس کا یہ عقیدہ صاف اور واضح ہے کہ تجارتیتی نظریات کے مطابق نوآبادیاتی پالیسی نفع بخش نہیں تھی۔ گو اس کے خیال میں سرزمینِ وطن کی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے امریکیوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا اس کے باوجود ایسی پابندیاں "انسان کے پیدائشی حقوق کے صریحاً خلاف تھیں۔" اس کے خیال میں نوآبادیات کے فوائد کا اندازہ دو باتوں سے لگایا جا سکتا تھا۔ اوّل تو نوآبادیات سے سپاہیوں کی اُس تعداد سے جو سرزمینِ وطن کے دفاع کے لئے مہیا ہو سکتی تھی اور دوم سامراج کی مدد کے لئے وہاں سے کس قدر محاصل وصول ہوتے تھے۔ اس معیار کے مطابق امریکی نوآبادیات برطانیہ کے لئے فائدہ مند ثابت ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں۔ تجارتی یا بالفاظ دیگر مالیاتی لحاظ سے انگلستان نوآبادیات کے بغیر فائدے میں رہتا مگر اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ سمتھ یہ تجویز پیش کر رہا تھا کہ انگلستان امریکی آزادی کی خواہش کو پورا کرے۔ آج تک کسی قوم نے کسی علاقے کی حکومت رضامندی سے نہیں چھوڑی۔ چاہے اس حکومت کو کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آتی ہوں۔ ایسا ایثار چاہے فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے قوم کی عزت اور وقار پر چوٹ پڑتی ہے۔

سمتھ کی دُور اندیشی نے محسوس کر لیا تھا کہ امریکی آزادی کی جنگ طولانی اور مہنگی ہوگی۔ اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ان نوآبادیوں کی فتح کے امکانات بھی تھے۔ جو دکانداروں۔ تاجروں اور وکیلوں سے ریاست کار اور قانون ساز بن گئے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ ایک وسیع مملکت کی حکومت کا نظام قائم کرلیں۔ وہ فخر یہ کہتے ہیں کہ ان کی یہ مملکت اتنی بڑی اور اتنی طاقتور

---

[۱۳۱] فرنسس ہچیسن "اخلاقی فلسفہ سے مختصر تعارف" (گلاسگو ۱۷۶۴ء) پانچویں کتاب باب اوّل ص ۶۵۸-۶۵۹ اس کے علاوہ دیکھئے "خطبات" حصہ چہارم "ہتھیاروں کے متعلق"۔

ہو گی کہ دنیا نے آج تک نہیں دیکھی اور عجب نہیں کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں" سمتھ کا خیال ٹھیک تھا۔ جو وکیل ریاست کار بن گئے ان میں الیگزنڈر ہیملٹن بھی تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں مقتدر ہستیوں کے اُس اجتماع کا تابندہ ستارہ تھا جو امریکہ کی ریاستہائے متحدہ کو وجود میں لایا تھا۔

(۴)

دو سال تک (۱۷۶۴ء اور ۱۷۶۶ء) براعظم پر سفر میں رہنے کے علاوہ ایڈم سمتھ نے اپنی زندگی تعلیمی مشاغل میں بسر کی۔ اس کے برعکس الیگزنڈر ہیملٹن نے نوجوانی کے آغاز سے ہی عملی زندگی بسر کی۔ اس کا والد کچھ زیادہ خوشحال نہیں تھا۔ ۱۷۶۸ء میں والدہ کے انتقال کے بعد ہیملٹن کو گیارہ سال کی عمر میں دنیا کا مقابلہ تنہا کرنا پڑا۔ پہلے تو اُس نے ایک دکان میں منشی کی حیثیت سے کام کیا مگر جلد ہی اس نے نیویارک کا رُخ کیا۔ جہاں اس نے ۱۷۷۳ء میں کنگز کالج (جو اب کولمبیا کالج کہلاتا ہے) میں داخلہ لے لیا۔ ایک سال کے اندر وہ رسالہ جاتی بحث میں پڑ گیا جو امریکی انقلاب سے پہلے شروع ہو گئی تھی۔ ابھی وہ بیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا شمار اس عصر کے زوردار لکھنے والوں میں ہونے لگا۔ ۱۷۷۶ء میں وہ کمیشن لے کر فوج میں شامل ہو گیا۔ "لانگ آئیلینڈ" پر اور وائٹ پلین، ٹرینٹن، اور پرنسٹن کے مقامات پر وہ واشنگٹن کی معیت میں لڑائی میں شامل ہوا۔ مارچ ۱۷۷۷ء میں جب اُس کی عمر بیس سال کی تھی تو اُسے لفٹننٹ کرنل کا عہدہ دیکر کماندار اعلیٰ کا ملٹری سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ بعد میں اس نے لافائٹ کی جیش میں ایک پلٹن کی کمان بھی کی اور یارک ٹاؤن کے مقام پر اپنی شجاعت کی وجہ سے مشہور ہوا۔ ۱۷۹۸ء میں اسے میجر جنرل بناکر فوج کے انسپکٹر جنرل کا منصب دیا گیا۔ اس وقت فرانس سے جنگ کے امکانات تھے۔ اس جنگ کی تیاری مکمل کرنے کے لئے وہ واشنگٹن کے نائب کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

مختلف سرکاری کاغذات کے علاوہ "فیڈرلسٹ" کے آدھے سے زیادہ پرچوں کے مصنف ہونے ہی سے اُسے سیاسی مصنفوں میں بلند مقام حاصل ہو گیا۔ ۱۷۸۹ء سے ۱۷۹۷ء تک کے عرصہ میں اس نے ریاستہائے متحدہ کی پالیسی کو معین کرنے میں شاید اتنا زیادہ کام کیا کہ کسی دوسرے واحد شخص نے نہ کیا ہوگا۔ اس کی اکثر مساعیٔ جمیلہ امریکہ میں روایات کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ اس کا

انتقال ۱۸۰۴ء میں ہوا جب کہ وہ صرف سینتالیس سال کا تھا۔ اس کی موت ایک عظیم قومی سانحہ تھی۔

عسکری معاملات کی تاریخ کے طالب علم کے لئے ہیملٹن کو ایڈم سمتھ اور فریڈرک لسٹ کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ ہیملٹن "قوموں کی دولت" سے واقف تھا اور جب اس نے ٹرینچ کاکس کی مدد سے اپنی معروف رپورٹ "مصنوعات" پر لکھی۔ تو یہ کتاب اس کے سامنے تھی[۱۴]۔ اسے سمتھ سے اتفاق تھا کہ پیشہ ور فوج ضروری تھی اور اس کا قائم رکھنا عقلمندی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی قومی دفاع سے متعلق اقتصادی پالیسی سے بھی اتفاق تھا۔ دوسری طرف فریڈرک لسٹ پر جو اثر ہیملٹن کی وجہ سے ہوا وہ آخر الذکر کی کتابوں سے عیاں ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کئی مقامات پر ہیملٹن کے ذریعے اپنے دلائل کو پختگی دی ہے۔ اس کی تصانیف اس بات کا ثبوت ہیں کہ لسٹ کے "قومی اسلوب" کی تہ میں ہیملٹن کے بہت سے خیالات موجزن ہیں[۱۵]۔

ہیملٹن یقینی طور پر قوم پرست تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ اقتصادی پالیسی کو قومی وحدت اور طاقت کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ اس کا ہر قول و فعل کسی نہ کسی طرح اس مرکزی خیال کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایسی قومی اقتصادیات کی تحریک کرنا جس میں صنعت و حرفت شامل ہوں، قومی قرضوں کے متعلق اس کی سفارش، اس کا قومی بنک کے فوائد میں اعتقاد، خارجی پالیسی اور قومی تحفظ سے متعلق اس کے خیالات، اس کا وہ عقیدہ جس میں وفاق حکومت کے "در پردہ اختیارات" پیش پیش تھے، اس کی محکم رائے کہ جنگ کے اوزاروں کی صنعت کو ترقی دی جانی چاہیئے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو قوم ان کی صنعت اپنے ہاتھ میں لے لے، عسکری پالیسی پر اس کے بیانات، بحریہ کو ترقی دینے کی تجاویز، اور نو آزاد جمہوری حکومت سے متعلق اس کے نظریات، اسی وقت صحیح طور پر سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ جب پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اسے قومی وحدت کے تخیل سے کتنا عشق تھا اور وہ قوم کی سیاسی اور اقتصادی طاقت کو کس متعصبانہ طریقے سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

۱۴۔ ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن کا مضمون "الیگزنڈر ہملٹن اور ایڈم سمتھ" اقتصادیات کا سہ ماہی رسالہ ۸ (اپریل ۱۸۹۴ء) ص ۳۲۸-۳۴۴

۱۵۔ ولیم۔ نوٹز: "فریڈرک لسٹ امریکہ میں" امریکی اقتصادی ریویو۔ ۱۶ (جون ۱۹۲۶ء) ص ۲۴۹-۲۶۵۔

دوسری طرف جس وضاحت سے ہیملٹن نے "مصنوعات پر رپورٹ" میں آزاد تجارت پر بحث کی ہے ممکن ہے کہ ایڈم سمتھ بھی اس سے زیادہ تفصیل اور وضاحت سے اس موضوع کو پیش کر سکتا۔ یہ رپورٹ اس نے ۵ دسمبر ۱۷۹۱ء میں کانگریس کے سامنے پیش کی تھی[16]۔ اس کی "مصنوعات پر رپورٹ" ہیملٹن کو اقتصادی قوم پرست کے رنگ میں پیش کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسی مصنوعات کو ترقی دی جائے "جو ریاستہائے متحدہ کو عسکری اور دیگر ضروری اشیاء کے سلسلے میں دوسرے ممالک کا دست نگر ہونے سے بچا لیں[17]"۔ اس کا عقیدہ تھا کہ صرف دولت ہی نہیں بلکہ ملک کی آزادی اور اس کا تحفظ بھی مصنوعات کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہر ملک کو چاہیئے کہ وہ ضرورت کی لازمی اشیاء کو ملک کے اندر ہی پیدا کرے۔ ان میں خوراک، بود و باش، لباس، اور دفاع کی چیزیں شامل ہیں۔ ہیملٹن کہتا ہے "ان کا حاصل کرنا قومی وجود کے لئے ضروری ہے۔ اس میں معاشرے کی بہبودی اور اس کا تحفظ دونوں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک کا فقدان بھی قوم کی سیاسی زندگی کے اہم عنصر کا فقدان ہے اور جب ریاست پر مشکل آن پڑتی ہے۔ تو ان کی کمی بُری طرح محسوس ہوتی ہے . . . . مثلاً ہماری خارجی تجارت کے لئے بحریہ کی ازحد ضرورت ہے۔ اگر بحریہ موجود نہ ہو تو قومی ضروریات کے لوازمات کا حاصل ہونا ناممکن ہو سکتا ہے۔ اسی لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ضروریات کے تحت مصنوعات کو ترقی دینا ضروری ہے[18]"۔

ہیملٹن کو یقین تھا کہ ریاستہائے متحدہ جیسے نئے ملک کے لئے برطانیہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ازحد مشکل تھا۔ کیونکہ اس کی مصنوعات عرصہ سے ترقی یافتہ تھیں۔ اس لئے اس کے خیال میں نئے ملکوں کی مصنوعات کو "حکومت کی طرف سے غیر معمولی تحفظ اور مدد ملنی چاہیئے[19]"۔

"مصنوعات پر رپورٹ" میں اس خیال پر بھی زور دیا گیا تھا کہ جس ملک کی اقتصادیات ہمہ رنگی یعنے زراعت، صنعت اور تجارت پر مشتمل ہوں گی۔ وہ اندرونی طور پر نہایت متحد اور بین الملی تعلقات میں زیادہ مضبوط ہوگا۔ اس خیال کو بعد میں فریڈرک لسٹ نے مزید فصاحت سے پیش کیا۔ ہیملٹن کے پیش نظر ایک ایسی قوم تھی جس کی طبقاتی اور جزوی اقتصادیات قومی اور باہمی اقتصادیات میں

۱۶؎ تصانیف ۴، ص ۷۰-۱۹۸، خاص طور پر ۷۱-۳۰۷، ۱۰۰-۱۰۱۔ ۱۷؎ ایضاً ص ۳۳-۱۰۰-۱۰۲

۱۸؎ ایضاً۔ ص ۱۳۵-۱۳۶ ۱۹؎ ایضاً ۱۰۵-۱۰۶

جذب ہو جاتی ہو۔ یوں اقتصادی مفاد کے ذریعے مربوط قوم کی طاقت ہر اہم پہلو سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

اسی طرح ہیملٹن نے بحریہ اور تجارتی بیڑے کے متعلق بھی جو دلائل پیش کئے وہ سیاست اور اقتصادیات کا مرقع تھے۔ اسے یقین تھا کہ ریاستہائے متحدہ ایک دن بحری طاقت میں دنیا کی سب سے بڑی قوت ہوگی۔ اس کا قول ہے کہ "امریکی جوانوں کے وہ زریں کارنامے" جو انہوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں انجام دئے تھے: بجائے خود طاقت کا منبع ہیں اور ابھی سے انہوں نے یورپ کی توجہ اپنی طرف کر لی ہے"۔ اس کے خیال میں بعض یورپی ریاستیں تہیہ کر چکی تھیں کہ "وہ ہمارے پروں کو ابھی سے کتر دیں تاکہ ہم بلندیوں کی جانب پرواز نہ کر سکیں"۔ مگر محکم اتحاد، کامیاب تجارتی بیڑوں، قیمتی ماہی گاہوں (جو بجائے خود ملاحوں کا منبع ہوتی ہیں) جوابی قسم کے جہازرانی کے قوانین اور مضبوط بحریہ کے ذریعے "ہم چھوٹے چھوٹے سیاستدانوں کے ان معمولی حملوں کی روک تھام کر سکیں گے اور ان کو قدرت کے کاموں میں حائل ہونے سے روکے رکھیں گے۔ اگر ہمارے پاس چند جنگی جہاز بھی ہوں تو ہماری حالت مضبوط ہو سکتی ہے"۔ اس کے ذریعے ہم "تجارتی معاملات میں اپنے نفع کے لئے سمجھوتہ کر سکتے ہیں"۔ علاوہ بریں جب غیر ممالک جنگ آزما ہوں گے تو ہماری "غیر جانبداری اور دوستی کی کچھ نہ کچھ وقعت اور قیمت ہوگی۔ یہی حقیقی سیاست" ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی جمہوریہ کی پہلی نسل نے کس طرح امریکہ کے لئے کامیاب "تزویرات" کی بنا ڈالی تھی۔

ہیملٹن کی مالیاتی پالیسی میں بھی سیاسی رنگ نمایاں تھا۔ قومی قرض کو یکجا کر لے ریاستوں کے قرضوں کو قبول کرنے اور قومی بنک جاری کرنے سے اسے امید تھی کہ ملک کے مالدار طبقے اور ملک کے مفاد کو مربوط کیا جا سکے گا۔ "لدارن" دونوں کی دولت اور اثر کو ایک دوسرے کے مفاد کی خاطر تجارتی راہوں پر لگایا جا سکے گا"۔ اس لئے یہ غیر ممکن نہیں کہ "قومی قرض قوم کے لئے باعث رحمت ثابت ہو"۔ اس کی وجہ یہ ہو گی کہ "اس کے ذریعے سے قوم کو متحد کیا جا سکے گا"*۔ وہ تجارتی اور مالدار طبقے کی مدد کا اس لئے خواہاں تھا کہ ان طبقوں نے انگلستان میں تجارتی قوانین بنانے میں

---

* رابرٹ مارس کے نام خط ۱۷۸۱ء "تصانیف" میں ۳۔ ص ۳۳۷-۳۳۸

مدودی تھی۔ اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ہر معاشرے میں سیاست کی رہبری اقتصادی اسباب کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ "ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ قومی سرمائے کے بغیر جنگ تباہی کا پیش خیمہ ہے۔" مختصراً اس کی تجویز یہ تھی کہ "ہم سرمائے کو تحفظ اور طاقت کا سرچشمہ سمجھ کر اس کی پرورش کریں۔"

ہملٹن کے لئے قومی تحفظ کا مسئلہ نہایت ہی اہم تھا اور اُسے ان عوامل کا بھی پورا پورا احساس تھا جو اس پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ امریکہ نیا ملک تھا۔ اس کے وسائل کی ترقی نہیں ہوئی تھی اور سیاسی شعور میں ابھی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی اور اسی لئے اسے مضبوط ہونے کے لئے وقت درکار تھا۔ اسی وجہ سے وہ قومی اتحاد پر بار بار زور دیتا ہے: "اگر ہم قابل حکومت کے نیچے متحد رہیں تو وہ دن دور نہیں جب ہم بیرونی خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔" مگر طاقت کے بغیر تحفظ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ "ایسی قوم جو اپنی کمزوری کی وجہ سے قابل نفریں بن چکی ہو۔ اس سے غیر جانبداری کے حقوق بھی چھن جاتے ہیں۔"

ہملٹن نے اس بات کو بھی صاف طور پر سمجھ لیا تھا کہ جب تک یورپی ممالک کے مقبوضات نئی دنیا میں موجود تھے اس وقت تک ریاستہائے متحدہ کے لئے صحیح معنوں میں طاقتور بننا محال تھا۔ وہ براعظم امریکہ کی سرزمین کا ایک طاقت کی تحویل سے دوسری طاقت کے قبضے میں آنے کا سخت مخالف تھا۔ اسی بنا پر اس نے لوئیسیانا کو خرید لینے کی حمایت کی حالانکہ یہ تجویز اس کے سیاسی مخالف جیفرسن کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ جس پالیسی کو بعد میں "منرو اصول" کا نام دیا گیا وہ اس وقت بھی ہملٹن کے ذہن میں موجود تھی۔[۲۲] ہملٹن کو دستور کی اس شق سے کامل اتفاق تھا کہ اتحاد مطلق، متحدہ دفاع، ملک کی عام بہبودی اور آزادی کا استحکام ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ زمانۂ جنگ میں حکومت کا افواج کو یکجا کر لینا ہی کافی نہ تھا بلکہ ضروری تھا کہ وہ زمانۂ امن میں، مناسب تعداد میں افواج رکھے۔ ورنہ ہماری دولت اور ہماری آزادی غیر ملکی حملہ آوروں کے رحم پر رہے گی۔[۲۳]

۲۲۔ فیڈرلسٹ: نمبر ۱۱ ص ۶۵

۲۳۔ فیڈرلسٹ: نمبر ۲۵ ص ۱۵۶

انتظامیہ کو کافی اختیار حاصل ہونے چاہئیں تاکہ وہ مرکزی طاقت کے خلاف امریکی باشندوں کے روایتی خوف کے باوجود باہمی قوتوں کی رہنمائی کرسکے۔"

ایڈم سمتھ کی طرح ہیملٹن کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ قومی دفاع کی اساس قائم فوج پر ہی ہونی چاہیئے۔ اِس موضوع پر اُس نے "فیڈرلسٹ" میں لکھا تھا "باضابطہ اور منضبط فوج کے خلاف جنگی کارروائی صرف اسی صورت کامیابی سے جاری رکھی جاسکتی ہے۔ جب ادھر بھی اسی نوعیت کی فوج موجود ہو۔ . . . جنگ بھی ایک سائنس ہے۔ جو محنت، استقلال وقت اور تجربے سے حاصل اور مکمل کی جاسکتی ہے[23]۔"

اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں یہ خیال عام ہوگیا تھا کہ پارلیمانی حکومتوں کے لئے شخصی بادشاہتوں کے مقابلے میں جنگ کی طرف رجوع کرنے کا احتمال کم تھا۔ ہیملٹن کی نگاہ میں یہ بات ازحد غیر عقلی بھی اور تاریخ کی رُو سے ناقابلِ قبول۔ اسے علمائے طبیعیات کی اِس رائے سے بھی شدید اختلاف تھا کہ "تجارت کا طبعی نتیجہ امن ہے۔" اس کے برعکس اس کی رائے یہ تھی کہ اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ تجارت مسلسل جنگوں کا باعث ثابت ہو۔ اس کا خیال تھا کہ جنگ اِنسانی معاشرے کا اِس قدر گہرا جزو بن چکی ہے کہ اس کی صورت کتنی ہی کیوں نہ بدل جائے یہ سوچنا بھی ممکن نہیں کہ زیادہ عرصے تک انسانی معاشرہ جنگ سے بچا رہے[24]۔ تعجب کی بات ہے کہ جیفرسن نے بھی ہیملٹن کے ساتھ اتفاق رائے کیا کہ تجارت جنگ کا باعث بن سکتی ہے بلکہ اس رائے کو عملی شکل یوں دی کہ غیر جنگی عقائد کے باوجود اپنے عرصۂ صدارت میں بربر کے بحری قزاقوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔

ہیملٹن کی ذہنی بلندی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ جیفرسن جو اس کا نہایت ہی سخت مخالف تھا رفتہ رفتہ اس کے اقتصادی اور قومی دفاع سے متعلق عقائد کے ساتھ متفق ہوگیا۔ جیفرسن آزاد تجارت کا حامی اور "مصنوعات" کا علی الاعلان مخالف تھا۔ اسے ہیملٹن کے "پناہ دہندہ" پروگرام سے سخت نفرت تھی۔ رکاوٹوں کے تجربہ اور انگلستان کے خلاف ۱۸۱۲ء

۲۳۔ فیڈرلسٹ ع ۲۵ ص ۱۵۷

۲۴۔ " " ع ۶

سے ۱۸۱۵ء کی لڑائی کے حالات کے بعد وہ مجبوراً اس نظریے پر پہنچا کہ طاقتی سیاست کے حقائق کی روشنی میں اسے اپنے عقائد بدلنے ہی پڑیں گے۔

گو جیفرسن نے قائم فوج کے متعلق ہیملٹن کی رائے سے مکمل اتفاق نہیں کیا اس کے باوجود اس نے اپنے عقائد میں اتنی تبدیلی ضرور کی کہ عمومی فوجی خدمات پر مبنی فوجی اداروں کے قیام کے متعلق غور و فکر ضروری قرار دیا۔ اس نے ۱۸۱۳ء میں لکھا کہ "ہمیں اپنے ملک کے مردوں کو فوجی تربیت دینی چاہئے اور انہیں ان کی قابلیتوں کے مطابق مختلف گروہوں میں تقسیم کر لینا چاہئے ہمارے کالجوں کے نصاب میں فوجی تربیت کا شامل ہونا از حد ضروری ہے۔ جب تک ہم یوں نہ کریں گے۔ ہم محفوظ نہیں رہ سکتے۔"[۲۵]

الیگزنڈر ہیملٹن کو اگر ماہرِ اقتصادیات کا مقام دیا جا سکتا ہے تو صرف ایک پہلو سے۔ یہ پہلو وہ ہے جس میں اُس نے ملک کے "نوخیز کارخانوں" کو پناہ دینے کے دلائل پیش کئے ہیں۔ امریکی کارخانوں کو پناہ دینے سے جو مالی فوائد حاصل ہوتے ان کی نسبت اس کی اس سعی کی تاریخی قدر و قیمت زیادہ اہم ہے۔ جن خطوط پر امریکی اقتصادی پالیسی کو ترقی دی گئی تھی وہ اس کی تحریروں کا ہی نتیجہ تھا۔ اگر اقتصادیات، سیاست اور ریاست کاری کو باہم کر کے دیکھا جائے تو ہیملٹن آج کل کے عظیم ترین ریاست کاروں کا ہم پایہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے خیالات کا طاقتور اثر امریکہ کی کئی نسلوں کے ذہن پر قائم رہا اور شاید اسی لئے سوائے جیفرسن کے اس کے ہمعصروں میں سے صنعت اور حکومت کے اداروں پر کسی کا اثر اتنا گہرا نہیں پڑا جتنا کہ ہیملٹن کا تھا۔

(۶)

تاریخ کے عجائبات میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اقتصادی معاملات میں ہیملٹن کی حفاظتی اور قومی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں اس کے سیاسی مخالف جیفرسن اور میڈیسن اس سے زیادہ پیش پیش رہے۔ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۵ء کے وقت طلب زمانے میں جو کارخانے قائم کئے گئے انہی کو ۱۸۱۶ء میں حفاظت دی گئی اور بعد کے تعرفی قوانین بھی ان کو حفاظت دیتے رہے۔

۲۵۔ تھامس جیفرسن کی تحریریں۔ ۱۳۔ ص ۲۶۱

۱۸۱۶ء میں جیفرسن نے ایک بیان شائع کیا جس میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی جو آزاد تجارت کی تائید میں اس کے پرانے عقائد کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ اس نے تمام امریکی باشندوں سے درخواست کی کہ وہ بھی اس کی طرح "صرف امریکی مصنوعات خریدیں اور قیمت کی پرواہ نہ کریں" اس لئے کہ "مجھے تجربے سے معلوم ہوا کہ امریکی مصنوعات ہماری آسائش کے علاوہ ہماری آزادی کی اساس ہیں۔" دوسروں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے "ہمیں چاہئے کہ ہم صنعت کار کو کاشتکار کے بالمقابل جگہ دیں"[۲۹]۔ ہیملٹن خود بھی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکتا۔

مگر کچھ عرصے بعد پرانے اختلاف پھر ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور "تحفظیت" کے متعلق نہایت سخت اختلاف رائے پیش کئے جانے لگے حتیٰ کہ ۱۸۲۶ء کے "واکر ٹیرف" نے اس قضیے کو ختم کیا۔ اس بحث میں شریک ہونے کی حیثیت سے فریڈرک لسٹ نے امریکی پس منظر پر اپنی موجودگی کا اظہار کیا اور وہ اقتصادی نظریات پیش کئے جن کا اثر صرف ریاستہائے متحدہ پر ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ جرمنی پر بھی ہونے والا تھا۔ لسٹ کی پیدائش درٹمبرگ کے مقام پر ۱۷۸۹ء میں ہوئی اور اس نے ٹیوبنگن کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ اس کے آزاد اور قوم پرستانہ خیالات کی وجہ سے وہ اپنے وطن کی حکومت کی جانب سے ہمیشہ معتوب ہی رہا۔ آخر کار جب ۱۸۲۵ء میں اسے جلاوطن کیا گیا تو وہ امریکہ چلا گیا۔ وہاں وہ "ریڈنگ ایڈلر" نام کے ہفتہ وار اخبار کا ایڈیٹر ہو گیا۔ اس اخبار کا پنسلوینیا میں اچھا اثر تھا۔ چونکہ اسے تجارتی معاملات سے خاصا شغف تھا اس لئے وہ جلد ہی پنسلوینیا کی اس جماعت کی نگاہ میں آگیا جنہوں نے "مصنوعات اور میکانکی فنون کے تحفظ" کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔ لسٹ کی تحریروں میں اقتصادیات اور سیاست کا ملا جلا وہ تجربہ شامل تھا جو اسے زندگی میں نصیب ہو چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کے دوران قیام میں وہ "تحفظیت" کا علمبردار بن گیا۔ وہ جب ۱۸۳۲ء میں جرمنی واپس گیا تو امریکی باشندے کی حیثیت سے امریکی قونصل خانے کا ملازم بن کر رہ گیا۔ وہ ۱۸۳۴ء تک بیڈن بیڈن میں ، ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۷ء تک لیپزگ میں اور سٹٹگارٹ میں قونصل رہا۔ کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد اس نے اپنی زندگی اور ملازمت کا ۱۸۴۶ء میں اپنے ہی ہاتھوں خاتمہ کر دیا۔

۲۹۔ بنجامن آسٹن کے نام خط

لسٹ کی ذہنی تاریخ کو پیش کرنا نہایت ہی آسان ہے۔ اس نے جوانی میں سیاسی اقتصادیات کا مطالعہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ساتھ ہی اِس بات کا تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے ہم جنسوں کو یہ بتائے گا کہ قومی پالیسی کے لحاظ سے وہ کون سا طریقہ ہے جس سے "جرمنی کی بہبودی، تمدن اور طاقت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔" وہ اِس فیصلے پر پہنچا کہ جرمنی کی بیماریوں کا علاج واحد قومیت کے اصول میں مخفی تھا۔ "میں اِس فیصلے پر پہنچا تھا کہ دو مہذب ملکوں کے درمیان آزادانہ مقابلہ اسی صورت میں فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ جب دونوں کی صنعت کی ترقی کا مقام ایک سا ہو۔ . . . جب میں ریاستہائے متحدہ امریکہ پہنچا تو میں نے تمام کتابیں بالائے طاق رکھ دیں۔ سیاسی اقتصادیات پر بہترین کتاب جو انسان دیکھ سکتا ہے وہ یہ جدید اور پُر از زندگی ملک ہے۔ وہاں ویرانے بدل کر طاقتور ریاستیں بن چکی ہیں۔ . . . میں نے اپنے پُرانے تجربات کی روشنی میں یہاں نہایت غور و فکر سے حالات کا مقابلہ کیا ہے اور میں نے ایک حل دریافت کیا ہے جس کی اساس کسی غیر مرئی شے پر نہیں بلکہ جو تاریخ کے ٹھوس سبق، حالات کی حقیقت اور قومی ضروریات پر مبنی ہے۔"[۲۷]

گو وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنے جرمنی کے دورانِ قیام میں اپنی جوانی میں ہی اقتصادیات اور سیاسیات پر اپنی رائے قائم کر لی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی یہ آراء امریکہ پہنچنے کے بعد قائم ہوئیں اور اس بات کا اچھا خاصہ ثبوت موجود ہے۔ جو کچھ اس نے اپنی تصنیف "امریکہ کی سیاسی اقتصادیات کا خاکہ" میں کہا ہے انہیں باتوں کو اس نے چودہ سال بعد "سیاسی اقتصادیات کا قومی اسلوب" میں دہرایا ہے۔ "خاکے" میں ہیملٹن اور ملتھیو کیری کے خیالات اس طرح واضح ہیں کہ اِس بات کا شبہ ہی نہیں رہتا کہ اگر لسٹ کے اقتصادی نظریات پوری طرح امریکی پس منظر کا نتیجہ تھے تو کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اس پر ان کا اثر ضرور پڑا تھا۔ لسٹ جرمن تھا اور آخر تک جرمن ہی رہا۔ وہ امریکہ کے وسیع اور قابلِ ترقی وسائل، اس ملک کی جواں سال ہمت، اتحاد اور یگانگی حاصل کرنے میں اس کی کامیابی، اور دنیا کی عظیم ترین مملکت بننے کے امکانات کی پُر رشک طریقے سے تعریف کرتا ہے۔ مگر وہ اِن سب باتوں پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے جیسے وہ اِن ہی باتوں کو اپنے ملک پر

۲۷۔ "قومی اسلوب" کا دیباچہ جو مصنف نے خود لکھا ہے۔ ص ۔ ۱۱ - ۱۳

عاید کرنا چاہتا ہو جو اس وقت بری طرح صد پارگی کا شکار ہو رہا تھا لسٹ ایک طرح سے نئے اور مضبوط جرمنی کے خواب دیکھتا ہے۔ ایسا جرمنی جو اندرونی آزاد تجارت کے ذریعے متحد ہو چکا ہو، جس نے غیر ملکی تجارت کے خلاف حفاظت حاصل کر لی ہو، جس میں ریلوں اور نہروں کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا اور جو یورپی اقوام کی صف اول میں کھڑا ہو۔ اس کی قسمت میں اس پروگرام کا تھوڑا سا حصہ دیکھنا لکھا تھا۔ وہ ۱۸۴۸ء کے اختلاف کو دیکھنے تک زندہ نہ رہ سکا جب بزمارک کو کامیابی حاصل ہوئی اور جرمن مملکت کا وجود قائم ہوا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کا شمار جدید جرمنی کے معماروں میں ہوتا جا رہا ہے۔ بدقسمتی سے وہ اس عظیم جرمنی کے آدمیں مداحوں میں سے بھی ہے جو مہذب دنیا کے لئے عذاب بن کر نمودار ہوا ہے۔

(۷)

باوجودیکہ لسٹ طاقت کے ساتھ بہبودی کو بھی پیش نظر رکھتا ہے اس کے اقتصادی اور سیاسی نظریات کا دارومدار طاقت پر ہے۔ وہ اصرار کرتا ہے کہ اسے تجارتیت سے کوئی تعلق نہیں مگر اس کے نظریات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اسی مکتب خیال کی طرف لوٹ گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔ "ایک قوم ایسے افراد پر مشتمل معاشرہ ہے جن کی حکومت علیٰحدہ ہو، جن کے قوانین، حقوق، خواہشات اور ادارے اپنی نوعیت کے ہوں، جن کی تاریخ اور گزشتہ عظمت مشترک ہوں، جن کا دفاع، مرنا، جینا، دولت اور جن کے حقوق کی نگہداشت ایک ہی سے عوامل پر منحصر ہو۔" وہ آگے چل کر کہتا ہے "ایسے گروہ کی معاشیات کا مقصد افراد کی طرح دولت نہیں بلکہ طاقت اور دولت ہے۔ اس لئے کہ قومی طاقت قومی دولت کو حفاظت اور ترقی دیتی ہے۔ فرد کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو اگر قوم اسے حفاظت عطا نہیں کر سکتی تو وہ فرد اور اس کی قوم کو سالہا سال کی پیدا کردہ دولت کو آن کی آن میں کھو دیں گے۔ صرف دولت ہی نہیں بلکہ اپنے تمام حقوق، اپنی شخصی اور قومی آزادی بھی۔" اس لئے ظاہر ہے کہ پیدا کُن دولت قومی تحفظ کی بنیاد ہے۔ "صرف حکومت کو صرف حقوق ہی حاصل نہیں بلکہ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر اس بات کو ترقی دے جس سے قومی طاقت اور دولت میں اضافہ ہونے کی امید ہو۔ اس کا فرض ہے کہ وہ تجارت کو بجریہ

کے ذریعے حفاظت دے، اس پر فرض ہے کہ وہ باربرداری کی تجارت کو جہازرانی کے قوانین سے محفوظ کرے، جہازوں اور بحری تجارت کو سدِّ سمندری کے ذریعے مدد دے، زراعت کو نہروں اور ریلوں کے ذریعے ترقی دے، نئی ایجادات کو اختراعی قوانین کے ذریعے حفاظت دے۔ اور اگر غیر ملکی فن یا سرمایہ ان کی ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا ہو تو ملک کی مصنوعات کو تحفظی محاصل کے ذریعے ترقی دے۔[۲۹]

"قوم کی وحدت و طاقت کے بغیر دولت بے معنے ہے۔ آج کل کے زمانے میں جس طرح ایک ملک کے لئے" اپنی فوجوں کو توڑ دینا، اپنے بحریہ کو تباہ کر دینا اور قلعوں کو مسمار کر دینا" بے وقوفی کے مترادف ہوگا۔ اسی طرح اس ملک کے لئے اپنی اقتصادی پالیسی کو دائمی امن اور عالمی وفاق کے بے بنیاد نظریے پر قائم کرنا تباہ کن ثابت ہوگا۔ ایسے نظریات آزاد خیال مکتب کے معدودے چند افراد کے دماغ میں جگہ پا سکتے ہیں"[۳۰] کسی ملک کے جنگ آزما ہونے کی طاقت کو اس کی اس قوت سے ناپا جا سکتا ہے جس سے دولت پیدا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ تحفظاتی اقدامات کچھ عرصے کے لئے ملک میں زندگی کے معیار کو کم تر کر دیں۔ اِس لئے کہ محصولات لازمی طور پر قیمتوں کو گراں کر دیتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خارجی تجارت کے فوائد کو پرکھتے وقت اشیاء کی ارزانی کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے وہ "قوم کی طاقت، عزت، اور شان و شوکت کو بھلا دیتے ہیں"۔ کسی قوم میں جتنی اشیاء کے پیدا کرنے کی قوت ہوگی اسی مناسبت سے اسے خارجی تعلقات میں کامیابی ہوگی اور جنگ میں اتنا ہی وہ آزاد رہ سکے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقتصادی اصولوں کو سیاسی استنباط سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا: ایسے دور میں جب فنی اور مشینی سائنس جنگ کے طریقوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہو رہی ہے" جب ملک کے کامیاب تحفظ کا انحصار ان باتوں پر ہے کہ آیا قوم کا سوادِ اعظم امیر ہے یا غریب، ذہین ہے یا کند ذہن، محنتی ہے یا کاہل محض، گزشتہ ادوار کی نسبت آج کہیں زیادہ ملک کی مصنوعات کو سیاسی نکتہ نظر سے جانچا جائے گا۔"[۳۱]

۲۹۔ "خاکے" ۔ ۲ ۔ ۱۰۵ ۔ ۱۰۶

۳۰۔ "سیاسی اقتصادیات کا فطری اسلوب" ۱۸۳۷ء۔ تصانیف ۴ ۔ باب چہارم ۔ ص ۱۸۶

۳۱۔ تصانیف ۔ ص ۱۶۸ سے ۱۶۹ اور ۱۱۸ سے ۱۱۹

وہ چاہتا تھا کہ متحدہ جرمنی کی حکومت ایک طرف رائن سے وسچولا تک ہو اور دوسری طرف بلگان سے بالٹک تک "اوسط درجے کی قوم کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آبادی کی تعداد بڑی ہو اور اس کا ملک وسیع ہونے کے علاوہ اس میں مختلف قدرتی وسائل کے انبار ہوں۔ "چھوٹی قوموں کے لئے اپنی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اور ان کے وجود کا انحصار ان کے طاقتور پڑوسیوں کی مدد پر ہو گا۔ دوسری صورت میں انہیں اپنے اردگرد کی طاقتوں کے ساتھ معاہدے کرنے پڑیں گے جس سے ان کی آزادی محدود ہو جائے گی۔[۳۲]" مندرجہ بالا دلائل بوجر زمانے کے جرمنی کے "جانے ماندن" والے تصور سے چنداں مختلف ہیں۔ لسٹ کی نگاہ میں عظیم جرمنی کا جو نظریہ تھا اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ڈنمارک، نیدرلینڈز، سوئٹزرلینڈ اور بلجیم کو عظیم جرمنی میں شامل کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ پہلے تین ملکوں کو وہ قومیتی اور نسلی وجوہات کی بنا پر شامل کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے پیشِ نظر اقتصادی اور تزویراتی پہلو بھی تھے ڈنمارک، بلجیم، اور نیدرلینڈز کو وہ اس لئے عظیم جرمنی میں شامل کرنا چاہتا تھا کہ اس کی نگاہ میں جرمنی کے لئے ضروری تھا کہ وہ جرمن دریاؤں کے دھانوں پر قابض رہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ رائن کے دھانے سے مشرقی پرشیا تک کے ساحل پر جرمنی کا قبضہ ضروری سمجھتا تھا۔ اس طرح اس کے خیال میں جرمنی کو وہ سب کچھ مل جاتا تھا جس کی اسے ضرورت تھی یعنے جرمنی کو "اب ماہی گاہوں، بحری طاقت، سمندری تجارت اور نوآبادیات کی ضرورت ہے۔" اسی طرح اس کے خیال میں جرمنی کو فوراً ڈینیوب کے علاقے اور یورپی ترکی میں پرامن تداخل شروع کر دینا چاہیئے[۳۳]

طاقتور قوم کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ "اپنی فاضل آبادی اور ذہنی و مادی وسائل کے ذریعے اپنے سے کم تر مہذب اقوام کے تمدن پر اثر ڈال سکے اور نوآبادیات قائم کر سکے۔ لسٹ کو واضح طور پر احساس تھا کہ برِاعظم پر جرمنی کی تمدیداور سمندر پار کی نوآبادیات کا پروگرام جنگ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پر یہ بھی عیاں تھا کہ جرمنی کی راہ میں انگلستان حائل تھا۔ انگلستان کی خارجی پالیسی اس وقت طاقتی توازن کے خطوط پر قائم تھی۔ جس کے یہ معنے تھے کہ نسبتاً

۳۲۔ تصانیف ص ۱۴۲

۳۳۔ " " ۱۴۲-۱۴۳-۳۲۷-۳۳۴، ۳۴۶-۳۴۷

کمزور طاقتوں کو متحد کر کے اُن سے قوی تر طاقتوں کی توسیع میں رکاوٹ ڈالی جائے"۔ انگلستان کا اس وقت کوئی بھی حریف نہیں تھا۔ اس کی جنگی مصنوعات نے اس کے لئے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ اس لئے "اگر دیگر یورپی ممالک بھی غیر آباد وسعتوں میں نوآبادیات قائم کر کے نفع حاصل کرنا چاہتے تھے تو ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ بھی اپنی اندرونی صنعتوں، اپنے تجارتی بیڑے اور اپنے بحری بیڑے کو فروغ دیں۔ اگر ان کی اس کوشش میں انگلستان کی صنعت، تجارتی یا بحری بیڑے رکاوٹ پیدا کریں تو ان کی متحدہ طاقت ہی انہیں کامیابی کا راستہ دکھا سکتی تھی اور یوں ان کی ناممکن امیدیں بھی بار آور ہو سکتی تھیں[۳۲]"۔ لسٹ نے برطانیہ کے سمندری اقتدار پر ایک بیان دیا۔ اس کا یہ بیان اگر امیر البحر ماہن بھی دیتا تو فخر محسوس کرتا۔ لسٹ کہتا ہے: "انگلستان کے قبضے میں ہر سمندر کی کلید ہے۔ اس نے ہر قوم پر اپنا سنتری کھڑا کر رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہندوستان کے دونوں راستوں پر سوائے آبنائے سویز کے ہر تزویراتی مقام ہے۔ اسے بھی وہ حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔ وہ جبرالٹر کے ذریعے بحیرۂ روم پر مسلط ہے۔ عدن کے ذریعہ بحیرۂ احمر پر اور بوشہر و کراچی کی وجہ سے خلیج فارس اس کے قبضے میں ہے۔ اسے صرف درۂ دانیال، ساؤنڈ، سویز اور پاناما کی ضرورت ہے۔ پھر وہ جب چاہے دنیا کے تمام سمندروں اور ان کے بحری راستوں کو بند کر سکتا ہے[۳۳]"۔ اس کے خیال میں اگر یورپی طاقتیں عقلمندی سے کام لیں تو وہ متحد ہو کر برطانوی طاقت پر دباؤ ڈال سکتی ہیں۔

اس کی نگاہ نہایت دور رس تھی۔ اس کے خیال میں مستقبل میں یونین جیک کے بجائے دنیا کے سمندروں پر امریکہ کا جھنڈا لہرائے گا۔ "اور پھر دنیا کی مختلف طاقتیں ریاستہائے متحدہ کی طاقت کو کم کرنے کے لئے وہی اقدامات کریں گی جو وہ برطانیہ کے خلاف کرنے پر مجبور ہوئی تھیں"۔ جن وجوہات نے برطانیہ کو موجودہ بلند مقام عطا کیا ہے انہیں وجوہات کی بنا پر امریکہ کی ریاستہائے متحدہ بھی کارخانوں، دولت، اور طاقت میں بلند ہوں گی۔ بلکہ وہ برطانیہ کے موجودہ مقام سے بھی بہت آگے نکل جائیں گی۔ امریکہ کی وسعت بے پایاں ہو گی۔ اس کی کروڑوں کی آبادی پورے براعظم کے وسائل کو ترقی دے گی۔ یہ وسائل پورے یورپ کے وسائل اور دولت سے کہیں زیادہ ہیں۔ مغربی

---

۳۲ - قومی اسلوب - ص ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۳۰

۳۳ " " ۳۸

دنیا کی بحری طاقت برطانیہ کی طاقت سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ اسی مناسبت سے جس سے اس کے دریاؤں اور اس کے ساحلوں کا طول زیادہ ہے۔"

لسٹ، برطانیہ کے آزاد اداروں کو سراہتا بھی تھا اور ان پر حسد بھی کرتا تھا۔ بہت کم لوگوں نے برطانیہ کی اس قدر مدح سرائی کی ہے۔ دوسری طرف وہ برطانیہ سے خائف بھی تھا اور متنفر بھی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے اس خام خیال سے کہ جرمنی اور برطانیہ میں معاہدہ کرا سکے انگلستان کا سفر بھی کیا۔ وہاں سے لسٹ موسم خزاں میں صحت اور ہمت ہار کر لوٹا اور واپسی پر ۳۰ نومبر ۱۸۴۶ء کو خودکشی کر لی۔ لسٹ اور اس کے بعد اور بھی بہت سے لوگ برطانوی، جرمن تعاون میں ناکام رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ ان دو قوموں کے درمیان اس بات پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ دونوں کے مفاد میں یکسانیت کہاں تک ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اور نفسیاتی اختلافات اس قدر وسیع تھے کہ ان کا باہم مل بیٹھنا بعید از قیاس تھا۔

(۸)

سب سے اہم منفرد اضافہ جو لسٹ نے جدید تزویرات میں کیا وہ اس کے وہ سیر حاصل مباحث ہیں جن میں وہ فوجی طاقت کے سیماب آسا توازن پر ریل کی اہمیت کو پیش کرتا ہے۔ ریلوں کی طرف اس نے پہلی بار توجہ اپنے امریکہ کے دوران قیام کی جب وہ "شیلکل نیویگیشن، ریل روڈ اور کوال کمپنی" کے بانیوں میں شامل تھا۔ ریلوں سے متعلق اس کی تحریریں دو جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۷ء کے دوران میں اس نے "ڈس ایزن باہن میگزین" نام کا رسالہ شائع کیا جس کا واحد مقصد جرمنی میں ریلوں کو فروغ دینا تھا۔ اس کی دور رس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ ریلوں کا ایسا جال جو صحیح طور پر قومی ادارہ کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہو وہ ملک کو متحد کرنے میں حد درجہ معاون ثابت ہوگا۔ جرمنی کے لیے دخانی ذرائع حمل و نقل کو جس وضاحت سے لسٹ نے محسوس کیا وہ حیران کن ہے اور ہر معیار سے قابل داد ہے۔ ریلوں کی ایجاد سے پہلے جرمنی کی تزویراتی حالت پورے یورپ میں کمزور ترین تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ پورے براعظم کی جنگیں وہیں لڑی جاتی تھیں لسٹ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ریلوں کا جال بچھ

جانے سے تزویراتی اعتبار سے جرمنی کا جغرافیائی مقام اس کے لئے طاقت کا باعث بن جائے گا۔ لام بندی میں تیزی، سرعتِ رفتار جس سے فوجیں ملک کے وسطی علاقوں سے سرحدوں تک پہنچائی جاسکیں گی اور ریلوں کی وجہ سے "اندرونی خطوط" کے فوائد جرمنی کو یورپ بھر کے ممالک سے نسبتہً زیادہ ہوں گے۔ دفاع میں دس گنا زیادہ طاقتور ہونے سے جرمنی حملے کے وقت بھی دس گنا زیادہ طاقت ور ہو جائے گا: ریل کا ہر دہ میل جو پڑوسی ملک ہم سے پہلے مکمل کرتا ہے اور ریلوں کا ہر دہ میل جو اس کے پاس ہماری نسبت زیادہ ہے، اسے ہم سے زیادہ طاقت ور بناتا ہے۔" اگر اس بات کو نگاہ میں رکھا جائے کہ یہ تحریر اس وقت پیش کی گئی تھی جب امریکہ کی خانہ جنگی نے ابھی یہ ثابت نہیں کیا تھا کہ ریلوں سے فوجی فوائد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں تو لسٹ کی پیش بینی کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ لسٹ کا یہ خیال غلط نکلا کہ ریلوں کی وجہ سے یورپی ممالک اپنی افواج کی تعداد کم کر سکیں گے۔ اس کے برعکس جیسا کہ بعد میں فرانس اور جرمنی کی جنگ نے ثابت کیا، ریلوں نے انصرامی مسائل کو اس قدر آسان کر دیا کہ بہت بڑی فوجوں کو حرکت دی جانے لگی۔ لسٹ کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا کہ ریلوں کی تکمیل پر اتنا زیادہ صرفہ ہو گا کہ حملہ آور اس کے اخراجات برداشت نہیں کر سکے گا اور یوں جنگ کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ اس کا یہ اندازہ درست نکلا کہ ریل پٹڑیاں، دوسری مستقل تنصیبوں کی نسبت جنگی تباہی سے کم اثر پذیر ہوں گی۔ ابھی جرمنی میں ریلیں بنی بھی نہیں تھیں اور لسٹ کی دور رس نگاہ جرمنی کی حدود سے نکل کر یورپ اور ایشیا کے دور دراز کونوں تک پہنچ چکی تھی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بغداد کی ریل کے خیال کا بانی نظر آتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نیل اور بحیرۂ احمر کو برطانوی جزائر کے اتنا قریب آنا چاہئے جتنا کہ نپولین کے زمانے میں رائن اور ایلب ہوا کرتے تھے اور کلکتے تک پہنچنا اتنا ہی آسان ہونا چاہئے جتنا کہ لزبن اور کاڈز کا سفر ہے۔

لسٹ کا یہ مشورہ کہ جرمنی یورپی ترکی پر قابض ہو جائے اُس کی اُس رائے سے گہرے طور پر وابستہ تھا جس میں وہ ڈینیوب کے علاقے اور بلقان میں جرمن آبادی کے منتقل ہونے کا خیال پیش کرتا ہے۔ ریلوں کی تعمیر سے متعلق اس کا ہر منصوبہ کسی نہ کسی طرح متحد اور عظیم تر جرمنی

کے خیال کے ساتھ وابستہ تھا "جرمنی کی قومی ریلوں کے نظام کے ذریعے ہی ممکن ہے کہ اس کی اقتصادی حالت کو من حیثیت القوم بلند کیا جا سکے۔"[۳۵]

(۹)

جب ۱۸۴۶ء میں لسٹ کا انتقال ہوا اس وقت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جن باتوں کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ وہ جلد معرض وجود میں آ جائیں گی صنعت نے ٹھک ٹھک کر ترقی شروع کی تھی اور جہاں تک ریلوں کا تعلق تھا وہ منصوبہ بندی کے اجمالی خاکوں سے آگے نہیں بڑھی تھیں۔ رائن کے مشرق میں قدامت پسندی اور علیحدگی پسندی کا دور دورہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جرمنی کے قومی اتحاد کے امکانات بعید نظر آتے تھے۔ اس کے باوجود لسٹ کی روح ترقی پکڑتی گئی۔ اس کی موت کے دو ہی سال بعد جرمنی میں انقلابی رو عام ہو گئی جس سے یہ امید ہونے لگی کہ جرمنی کے باشندے ایک وحدت میں منسلک ہو سکیں گے۔ مگر ۱۸۴۸ء کا انقلاب ناکام رہا اور آزاد خیالات کے بجائے "فولاد اور خون" کی پالیسی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ ایک نسل بعد کے قوم پسند آزاد خیال لوگ بھی جو آزاد خیالات کے بجائے قوم پسند خیالات میں الجھے ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ لسٹ کے ہم خیال بنتے گئے۔ "۱۸۸۰ء میں جرمن مملکت قوم پسندانہ پالیسی کے باوجود بسمارک کی برائے نام قیادت میں اسی اقتصادی راہ پر چل رہی تھی جس پر لسٹ پہلے سے چراغاں کر چکا تھا۔"[۳۶]

درحقیقت جہاں تک اقتصادی قوم پرستی اور اجارہ داری کا تعلق ہے۔ بسمارک اور اس کے جانشین جن حدود تک پہنچے ان تک شاید لسٹ بھی نہ جاتا۔ لسٹ نے ہمیشہ خوراک پر درآمدی محصولات کی مخالفت کی تھی۔ جہاں تک بعد کی جرمن محصولاتی پالیسی کا تعلق ہے۔ اسے اس نہج پر ترتیب دی گئی کہ اس سے صنعتی اور زراعتی دونوں طبقوں کو تحفظ کے تحت لایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طبقوں نے حکومت کے اس پروگرام کو تقویت بخشی جس کے مطابق اقتصادی قوم پرستی،

۳۵۔ سی۔ جے۔ ایچ۔ ہیز۔ جدید قومیت کا تاریخی ارتقاء (نیو یارک ۱۹۳۱) ص ۲۷۲-۲۷۳

۳۶۔ ایضاً

عسکریت پسندی، بحریت پسندی اور نوآبادیاتی مسلک حکومت کا شیوہ بن گیا تھا۔ چانسلر کیپریوی نے جو بیان ایوان کے سامنے ۱۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو دیا اگر لسٹ موجود ہوتا تو ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتا: "جب کوئی ملک اپنی ضروریاتِ جنگ کو فراہم کرنے پر قادر نہیں ہوتا تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مستقبل کی جنگ میں ملک کی آبادی اور فوج کے لئے خوراک مہیا کرنے کا مسئلہ فیصلہ کن اہمیت اختیار کر لے گا۔"[۳۷]

بدقسمتی سے لسٹ نے "پین جرمنیت" اور قومی اشتراکیت کے چند اور بھی بنیادی نظریات کی بنا ڈالی۔ مثلاً "تجائے ماندن"، بحری اور نوآبادیاتی توسیع، سرحدوں کی ناپائداری، آسٹریا کا "یہ وطن" کے ساتھ دائمی الحاق اور اینگلو امریکن طاقتوں کے خلاف براعظمی طاقتوں کے الحاق کی ضرورت۔ ہیملٹن کی طرح لسٹ بھی موجودہ دور میں تجارتیت کو از سرِ نو رواج دینے والی شخصیتوں میں نمایاں تھا۔ اس عصر کا تجارتیتی نظریہ زیادہ مہلک ہے۔ اس لئے کہ یہ بوجوہ زمانے کے ترقی یافتہ اور منظم معاشرے میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ ۱۸۷۰ء سے شروع ہونے والے پچاس برسوں میں جب اقتصادی قوم پرستی کا آغاز ہوا۔ اس قدر فتنے اٹھے ہیں کہ ان کا شمار نہیں، مثلاً اقتصادیات، کلیتی ریاست اور کلیتی جنگ۔ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر وابستہ ہیں کہ یہ کہنا ممکن ہو جاتا ہے کہ اسباب کون سے ہیں اور نتائج کیا ہیں۔ قومی تحفظ کے نام پر سیاسی اثرات انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہو چکے ہیں۔ ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء کے عظیم دھماکے اسی لئے تقدیرِ مبرم بن کر نمودار ہوئے۔

ایڈم سمتھ، الیگزینڈر ہیملٹن اور فریڈرک لسٹ کے نظریات ان کے گردوپیش کا نتیجہ تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا اس حقیقت کے زیر اثر کہا کہ وہ علی الترتیب انگلستان، امریکہ اور جرمنی کے باشندے تھے۔ اس کے باوجود ریاست کاری کے بنیادی اصولوں پر ان کی آرا یکساں سی تھیں۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ عسکری طاقت کی بنیاد اقتصادی طاقت پر رکھی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایسے اقتصادی اسلوب کا مشورہ دیا جو اس کے

۳۷۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ ڈاسن نے حوالہ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ جدید جرمنی کا ارتقا (نیو یارک ۱۹۰۸) ص ۲۴۳

اپنے ملک کی ضروریات کو پورا کر سکتا تھا۔ جب تک قومیں غیر محدود قومیت پر بھروسا کرتی رہیں گی اس وقت تک وہ ایسے اقدامات اختیار کرتی رہیں گی۔ جو ان کے خیال میں ان کی آزادی اور تحفظ کے بہترین ضامن بن سکتے ہیں :۔

ساتواں باب

انجلز اور مارکس

اشتراکی انقلابیوں کے جنگی نظریات

از سگمنڈ نیومن

"فلاسفہ نے حقیقت کو دراصل مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس بنیادی خامی کو دور کیا جائے۔" مارکس کے نظریات کو سمجھنے کے لئے اس کا یہ قول جو اس نے اپنے ادبی دور کی ابتدا میں ۱۸۴۵ء میں "فیورباچ" پر مقالے کے دوران میں تحریر کیا تھا، اساسی مقام رکھتا ہے۔ اس فقرے میں اس کے پیش نظر عمل تھا۔

اگر انقلاب کو ایک حقیقت تصور کیا جائے تو تزویراتی پہلو اہم اور بنیادی مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لئے مارکس اور انجلز نے اپنی تحریروں میں عسکری مسائل اور تدبیراتی ضروریات پر پوری پوری توجہ دی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ مارکسی ادب کے مطالعہ کے وقت اس اہم پہلو کو بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔

اگر مارکس اور انجلز کو عسکری تزویر کار کی حیثیت سے دیکھنا ہو تو ان کی دیگر تحریروں کے علاوہ ان کی آپس کی خط و کتابت اور رسالوں کے مضامین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ مارکسی تزویرات کی طرف سے بے توجہی صرف اس لئے نہیں برتی گئی کہ اس میں فنی مشکلات درپیش رہی ہیں۔ بلکہ اس بے توجہی کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی تعلیمات کے متعلق بنیادی غلط فہمیاں موجود رہی ہیں۔ سرسری نگاہ سے دیکھنے والوں کے لئے عسکری تزویرات اور تدبیرات ان انقلابی مفکروں کے طرز فکر سے کوسوں دور تھیں۔ اس لئے کہ انہوں نے شروع سے عسکری مشین کے خلاف آواز بلند کر رکھی تھی عسکری حلقوں اور عسکری ریاست کے وہ دشمن تھے جس معاشرے کا تصور انہوں نے بنا رکھا تھا وہ

"دنیاوی بہشت" کا مقام رکھتا تھا اور چونکہ وہ ریاست کے خیال تک کے باغی تھے اس لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ عسکری طاقت اور فوجی مہموں کے منصوبوں پر کبھی خیالات پیش کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ امید ہے کہ ادائلی مارکسیت کے عسکری پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

یہ نیا نظریہ اساسِ عمل کا سبق سکھاتا تھا۔ آج جب روس میں بین قومی اشتراکیت کو حقیقت کا لباس مہیا ہو چکا ہے اور بقول انجلز "چھٹی طاقت" معرضِ وجود میں آ چکی ہے۔ انقلاب کے عملی پہلو کو نئی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ جوں جوں بیسویں صدی کی جنگوں کا خاکہ اور ان کے مسائل واضح ہوتے جا رہے ہیں۔ مارکس اور انجلز کی تحریروں کو نئی اہمیت مل رہی ہے۔ مارکس اور انجلز کو صحیح طور پر جدید کلیتی جنگ کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ قومی اشتراکیت کے دعویدار ڈاکٹر بلاؤ نے فخریہ کہا تھا کہ اس نے ایک نئی حقیقت کو معلوم کر لیا ہے۔ یعنے جدید جنگ چار پہلوؤں پر حاوی ہوتی ہے سیاست، اقتصادیات، نفسیات، اور سب سے آخر میں عسکری طاقت اس نظریے کا علم مارکس اور انجلز کو بہت پہلے سے تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جنگ جس کے بہت سے رُخ ہیں کسی رُخ کی کمی سے بھی ہاری یا جیتی جا سکتی ہے۔ بین قومی سیاسی میدان پر قوم کی اندرونی خلفشار سے یا قوم کے عام فرد کے قلب کی گہرائیوں کی تلملاہٹ سے ان سبھی پہلوؤں کی وجہ سے یکساں طور پر جنگ کا فیصلہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ جنگ اور انقلاب کو جنہیں آج ہم جڑواں تصور کرتے ہیں۔ عالمی انقلاب کے ان دو عظیم تزویرکاروں نے آج سے بہت پہلے اپنی اصلیت پر دیکھ لیا تھا۔ ان کی نگاہ میں جنگ اور انقلاب کا ایک دوسرے پر مسلسل اثر تھا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر ملے ہوئے تھے کہ انہیں جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

درست ہے کہ مارکس اور انجلز کی تحریروں میں یہ نظریہ اس قدر واضح الفاظ میں موجود نہیں ان کے نزدیک جنگ مختلف موقعوں پر مختلف ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے "امید افزا" نازک موقع پر انجلز نے مارکس کو لکھا "طویل اقتصادی بحران کو انقلابی تزویرات رستا ہوا ناسور بنا کر ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی ہے۔ . . . تاکہ عوام کے خون کو گرما دے۔ . . . عین اس طرح جس طرح کہ رسالے کو بڑھنے کا حکم دینے سے پہلے اگر گھوڑوں کو پانچ سو گز تک دلکی چال چلایا

جائے تو ان کا جوش و خروش بڑھ جاتا ہے ۔"

اگرچہ جدید اشتراکیت کو اس کے اصل عسکری اور پرعمل روپ میں دیکھا جائے تو پھر اس کے رہنماؤں کے مقام بدل جاتے ہیں اور فریڈریچ انجلز اپنے عالم نظری استاد کارل مارکس کی نسبت بہت بلند قامت نظر آتا ہے ۔ گویہ دونوں طبیعت اور کردار کے لحاظ سے قریب قریب متضاد تھے پھر بھی اُن کی دوستی مثالی تھی ۔ تقریباً چالیس سال کے عرصے تک ایک کی تحریریں دوسرے کی تحریروں کی تفسیر تھیں ۔ مارکس کا فکر یقینی طور پر انجلز سے زیادہ مرتب اور باقاعدہ تھا ۔ اس کی رہنمائی کے بغیر انجلز کی تحریروں کو صحیح جہت اور وضاحت میسر نہ ہوتی ۔ یہ بھی اغلب ہے کہ مارکس میں سیاسی تزویرکار کی قابلیت زیادہ تھی اور اسے موقع شناسی کا خاص ملکہ تھا خصوصاً انقلابی موقعوں پر ۔ گو انجلز فطری کسرِ نفسی کی وجہ سے شاگرد کی حیثیت سے خوش رہا اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا تعاون کسی طرح بھی اپنے ساتھی کی نسبت کم نہ تھا ۔ فطرتاً وہ عمل کا گرویدہ تھا ۔ اور اس کا ذہن ہمیشہ عملی حل تلاش کرتا تھا ۔ اسے سواری کا ازحد شوق تھا ۔ وہ اپنے کام میں نہایت لاأبالیانہ انداز سے دلچسپی لیتا تھا چاہے اسے "خیالِ مطلق کی باڑوں کے اوپر سے کود کر ہی کیوں نہ پار جانا پڑتا ۔" مارکس اس کی قوت کا مداح تھا ۔" وہ ہر وقت کام کر سکتا ہے ۔ بھوکا ہو یا سیر شکم اس کی تحریریں سلیس اور پُرمعنی ہوتی ہیں ۔" انجلز خود اپنی طرز کے متعلق کہتا ہے کہ توپ چلنے کی طرح "ہر مضمون گولے کی طرح اپنی جگہ پر پڑا اور دھماکہ پیدا کیا ۔"

یہ عسکری اصطلاحات محض لفظوں کا ہیر پھیر نہیں تھا ۔ اسے اوائل عمر کی فوجی تربیت اور تجربے پر فخر تھا ۔ اسے ۱۸۴۹ء کی بیڈن کی شورش کا بھی تجربہ تھا ۔ شاید اسی لیے اس نے انگلستان کی جلاوطنی کے ایام میں عسکری فن کے مطالعہ کی طرح رجوع کیا ۔ اسے اس کے دوست مذاقاً "جنرل" کہا کرتے تھے ۔ افسوس کہ یہ سپہ سالار اپنی عسکری قابلیت نہ دکھا سکا ۔ اس کے باوجود روسی انقلاب کی تزویرات اور تدبیرات پر اس کا جو اثر پڑا وہ معروف ہے ۔

انجلز کی عسکری تحریریں اس کی باقیماندہ تحریروں سے حجم میں زیادہ ہیں ۔ اس کی تحریروں میں مہموں پر مفصل تبصرے، فنِ سپہ گری پر مقالات، سپہ سالاروں کے کارنامے اور ان کی سوانح، اور عسکری فن سے متعلق کتب پر تنقیدیں شامل ہیں ۔ اس کی آرا جن میں وہ کسی ماہرِ فن سے استفادہ

نہیں کرتا حقیقی معنوں میں حیران کن ہیں۔ اس کی عسکری تحریروں کے متعلق وہی کچھ دہرایا جا سکتا ہے جو ایک نقاد نے کلازوٹز کے متعلق کہا تھا: "وہ تنقید نگاری میں فوق العادہ شخصیت ہے۔ اس کی آراء سونے کی مانند صاف اور وزنی ہیں۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ کس طرح تزویراتی خیال سادگی پر مبنی ہو سکتا ہے"۔ کلازوٹز نے اینگلز کو بہت متاثر کیا۔ اس نے ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کے خط میں مارکس کو لکھا: "دوسری چیزوں کے علاوہ آج کل میں کلازوٹز کی "جنگ" کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ استدلال اور فلسفہ پن کا اچھوتا انداز ہے مگر اپنے مضمون پر خوب قادر ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ آیا جنگ فن ہے یا سائنس اس کا جواب خوب دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ جنگ تجارت کی مانند ہے۔ جنگ میں لڑائی کا وہی مقام ہے جو تجارت میں نقدی کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ خواہ کس قدر کم موقعوں پر اس کا بپا ہونا ضروری ہو۔ پھر بھی ہر بات کا رخ اسی طرف کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بالآخر اسے بپا ہونا ہی پڑتا ہے اور وہ بھی فیصلہ کن طور پر"۔ شاید اسی لئے بالآخر فیصلہ کن اقدام اور دفاع کے دوران بھی تدبیراتی مہاجمے کی طرف رجوع انقلابی تزویرات کا بنیادی اصول بن گیا۔ قابل غور بات ہے کہ اس اصول کو صرف سرخ فوج کی ان کامیاب جنگوں میں ہی استعمال نہیں کیا گیا جو خانہ جنگی کے دوران لڑی گئی تھیں بلکہ دوسری عالمی جنگ میں قومی اشتراکیوں کے خلاف بھی روس اس پر کاربند رہا۔ انقلاب کے اس سپاہی نے عسکریت اور جنگ کے لئے تیار رہنا تمام عمر اپنا خاصا بنائے رکھا اور اس کے زیر اثر مارکس نے بھی یہی رویہ اختیار کئے رکھا۔

(۲)

جیسا کہ ہاری ہوئی بازی کے متعلق دستور ہے۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے متعلق بھی غلط فہمیاں رہی ہیں اور اس کے مقصد کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔ انیسویں صدی کے وسط کے یورپ کی عسکریت کو سمجھنے میں مارکس نے ہرگز غلطی نہیں کی تھی۔ حتیٰ کہ جہاں کہیں یہ جذبہ امن پسندانہ لباس میں بھی پیش کیا جاتا تھا اس کی حقیقت کو بھی وہ خوب سمجھتا تھا۔ اس نے ۲۸ جنوری ۱۸۵۳ء کے نیو یارک ٹریبیون" میں اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے: "یہ سمجھنا کہ مانچسٹر مکتب خیال نے امن کا جو وعظ پیش کیا ہے اس کی کوئی فلسفیانہ اہمیت ہے صریحاً غلط ہوگا۔ اس سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ فن جنگ

میں تجارتی طریقوں نے جاگیرداری طریقوں کی جگہ لے لی ہے۔ توپوں کے عوض "راس مال"۔ یہ درست ہے کہ برّ اعظم یورپ پر ۱۸۴۸ء کی تحریک کا انجام ناکامی کی صورت میں پیدا ہوا۔ انقلابی تحریک بغیر کسی واضح نتیجے کے مدھم پڑ گئی۔ اس کے باوجود یورپ کی یہ خانہ جنگی نہایت ہی اہم عسکری واقعہ تھی۔ جرمنی میں یہ جنگ سنگروں کے پیچھے سے اور کھلے میدانوں میں لڑی گئی تھی۔ باغیوں کی قیادت اکثر موقعوں پر ایسے تربیت یافتہ افسروں نے کی جو باغیوں میں شامل ہو چکے تھے۔ پرشیا اور آسٹریا کی فوجوں میں ایسے عنصر موجود تھے جنہیں بیسویں صدی میں بالشویک اثرات کا شمار کیا گیا ہے۔

ناکامی کے باوجود یا یوں کہنا بہتر ہو گا کہ ناکامی کی وجہ سے ۱۸۴۸ء کی تحریک نے سائنسی اشتراکیت کے نکتۂ آغاز کا کام دیا۔ یہ سائنس اس کے بانی علمائے نظری کی کاوشوں کا عظیم ورثہ ہے۔ جسے وہ اپنے پیرووں کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ اشتراکیت کے صحیح مفہوم کے متعلق تحقیق و جستجو، اس کا تاریخی پس منظر اور اس کی عسکری تزویرات، یہ تھا مارکس اور اینگلز کی تحریروں کا مرکزی خیال جس میں انہوں نے اپنی جلاوطنی کے اوائلی سال صرف کیے۔ شکست نے جو سبق سکھائے تھے ان سے مستقبل کی انقلابی معرکہ آرائیوں کی تزویرات کے اصول مرتب ہوئے تھے۔ یہ اصول وسطی یورپ کے ۱۸۴۸ء سے ۱۸۴۹ء کے انقلاب کے قابلِ قدر تجزیئے کی صورت میں پیش کیے گئے۔ یہ اینگلز کی تصنیف تھی جسے مارکس نے ترتیب دی تھی اور جسے نیویارک ٹریبیون میں ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۲ء میں شائع کیا گیا۔ جرمنی کے متعلق اس شاہکارانہ اور حقیقت پر مبنی تصنیف "انقلاب اور جوابی انقلاب" کا ایک اہم بیان اُس وقت دوبارہ منظرِ عام پر آیا جب ۱۹۱۷ء میں لینن نے فنلینڈ سے پٹروگراڈ کے بالشویکوں کو لکھ بھیجا تھا۔ "انقلابی معرکہ آرائی کو فن کا وہی درجہ حاصل ہے جو جنگ کو ہے.... اور یہ بھی چند قوانین کی پابند ہے... اولاً کبھی انقلابی معرکہ آرائی کی طرف رجوع نہ کرو جب تک کہ اس کے تمام نتائج کے لئے پوری طرح تیار نہ ہو...... دوم...... جب ایک بار اُس پر آمادہ ہو تو پھر پورے استقلال اور پامردی سے اس پر کاربند رہو اور ہمیشہ مہاجمے پر رہو۔ دفاعیہ بغاوت کے لئے موت ہے...... اپنے مدِ مخالف کو ناگہانیت کا شکار بناؤ...... ایمان کی طاقت کو ہمیشہ بلند رکھو...... جرأت...... جرأت...... اور پھر بھی...... جرأت..."

مارکس اور انجلز کی انقلابی تدبیرات کے عقیدے کا صحیح مفہوم اس وقت واضح ہوتا ہے جب ان کے فلسفیانہ اسلوب کے پس منظر کو اچھی طرح ذہن میں رکھا جائے اِس فلسفے کی اساس "تاریخ کی مادی ترجمانی" پر رکھی گئی تھی۔ اور اس معاشرتی سیاسی تحریک کی تہہ میں اس عصر کے معاشیاتی حالات تھے۔ انجلز کے الفاظ میں: "۱۸۴۷ء کا عالمی تجارتی بحران فروری اور مارچ کے انقلابات کا حقیقی باعث تھا۔ اور صنعت کو ۱۸۴۹ء کے وسط میں جو فروغ ملا اور جو ۱۸۵۰ء میں اپنی انتہا کو پہنچا وہ مرتجع یورپ کو دوبارہ طاقت بخشنے میں مددگار ثابت ہوا۔" اس استدلال کو تکمیل تک پہنچاتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ "اب نئے انقلاب کے لئے نئے بحران کی ضرورت ہے۔" یعنی ۱۸۵۶ء کی کساد بازاری کو انہوں نے انقلابی موقع کا پیش خیمہ تصور کیا تھا۔ انجلز کی خوشی کی انتہا نہ تھی: "اب ہمارا موقع آرہا ہے ..... اس بار وہ پوری طرح آرہا ہے ..... زندگی اور موت کی کشاکش ..... میں ابھی سے پرشیائی، آسٹریائی، بویریائی اور فرانسیسی فوجوں کی تنظیم کا بغور مطالعہ شروع کر رہا ہوں۔" مگر یہ "مزمن بحران" انقلاب اور جنگ تک نہ پہنچا سکا۔ کامیاب تزویرات کی کسوٹی صحیح وقت کی پہچان بن چکی تھی۔

جب انقلابی حالات گزر گئے تو مارکس اور انجلز نے زوردار الفاظ میں تنبیہ کی کہ انقلاب سے کھیلنا ازحد خطرناک ہے۔ بے مصرف شورشوں کے بجائے انہوں نے مشورہ دیا کہ نیم صلح کے ایام کو ایسا پروگرام بنانے میں صرف کرنا چاہیئے۔ جس میں طویل مدت کے لئے تزویراتی منصوبہ تیار کیا جاسکے۔ انجلز چاہتا تھا بلکہ مضطرب تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر انقلابی فوج کی قیادت کرے مگر وہ جانتا تھا کہ اس کام کے لئے موقع نہیں آیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اشتیاقِ عمل بھی بعض اوقات خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اور وہ اپنے اس جذبۂ عمل کی وجہ سے اپنے مقصد کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ صحیح تزویرات کے لئے انتظار اور موقع کی شناخت جزویات میں شامل ہو چکے تھے۔

انہوں نے جلاوطنی کے ایام کو سودمند بنانے کا تہیہ کرلیا۔ لندن میں رہ کر انہوں نے انیسویں صدی کے اوسط طبقے کی تہذیب کے عالمی واقعات سے دلچسپی لینا شروع کردی۔ وہ جرمنی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور فرانس کی تنگ نظر سیاسیات سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ دونوں مفکرین کو

قدرت نے وسعتِ نظر بخشی تھی۔ مقامی اور محدود سیاسیات سے ہٹ کر انہوں نے وسیع پیمانے پر غور کرنا شروع کیا اور ان کی جلا وطنی ان کے منتہی نظر کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ انقلاب فرانس کو "چھوٹے" نپولین کے ہاتھوں شکست ہو چکی تھی۔ مارکس نے اس سے تدبیراتی سبق حاصل کئے۔ وہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ "دہقانوں کی جمہوری قوت کو ترقی" دینے کی ضرورت ہے اس کے بعد سے اس نے تہیہ کر لیا کہ انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے اہم ترین کام یہ تھا کہ دہقانوں کو اپنا حلیف بنا لیا جائے۔ اس کے خیال میں روس کے دہقانوں کے حالات ایسے تھے کہ وہ انقلاب کو کامیاب بنا سکتے تھے۔ مارکس اپنے لندن والے بوسیدہ مکان میں بیٹھ کر دنیا کے انقلابیوں کے کماندارِ اعلےٰ کی حیثیت سے نپولین کے انداز میں لکھتا ہے: "آئندہ انقلاب میں ہم امید کرتے ہیں کہ روس مہربانی فرما کر انقلابیوں کی صف میں شامل ہو گا۔" اس کے بعد سے ان کے سیاسی تدبیرات کے بنیادی عوامل میں روس کو اہم مقام حاصل رہا۔ اسی فیصلے نے ۱۹۱۷ء کے شوروی ہنگامے کی بنیاد ڈالی۔

اشتراکیت کے اِن بانیوں کا وہ فیصلہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا جس سے انہوں نے اپنی توجہ دنیا کے عام سیاسی معاملات کی طرف دینا شروع کی۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا ۱۸۴۸ء کے انقلاب کی ناکامی کی تہہ میں بین قومی وجوہات تھیں۔ ان دونوں دوستوں پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ خارجی واقعات داخلی معاملات پر کس قدر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور وہ اس نتیجے پر بھی پہنچے کہ آئندہ کا یورپی انقلاب کسی ایک ملک کی کوششوں سے کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

(۳)

۱۸۵۰ء کے عین بعد مارکسی تدبیرات دوسرے مرحلے پر پہنچی۔ اب اشتراکی رہنماؤں نے قومی سیرت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ مختلف قوموں کی مخصوص سیرت کس طرح بین قومی امور پر اثر ڈالتی ہے۔ اسی دور میں انہوں نے واضح طور پر جانچ لیا کہ وسطی یورپ میں آزادی کی روح بیدار ہو چکی تھی۔ انہیں امید تھی کہ یہ بیداری یورپ کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے گی۔ اب یہ اشتراکی رہنما بین قومیت کے دعویدار تھے۔ اس لئے مقام تعجب نہیں کہ انہوں نے اوسط طبقے کی

سیاسی جماعتوں سے بہت قبل بین قومی سطح پر معاشرتی خرابیوں کے حل سوچنا شروع کر دیئے۔
جنگِ کریمیا پہلا موقع تھا جب انجلز نے اس عصر کے عسکری معاملات کا تجزیہ کیا۔ اس کے نظریات کے اظہار کا ذریعہ صرف وہ مضامین تھے جنہیں کارل مارکس مسلسل نیویارک ٹریبیون میں شائع کراتا رہا۔ ان مضامین سے اس کا فنی جزدیات کے متعلق علم اور تزویراتی تدبر ثابت ہوتا ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر امریکہ کے عوام نے انہیں متخصص کی رائے سمجھ کر داد دی۔

جب یہ جنگ شروع ہوئی تو انجلز کو امید تھی کہ حلفاء اپنی ان فوجوں سے فائدہ اٹھا کر، جو بالٹک اور بحیرۂ اسود میں متعین تھیں، سریع اقدام کریں گے اور اس طرح روسی بحریہ اور اس کے ساحلی محفوظ مقامات کی تباہی کا باعث بنیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ "اندھا دیو" اس تیز اسی حرکت کے ذریعے گرا لیا جائے گا۔ جونہی اسے شکست ہو گی انجلز کے خیال میں روس کے اندر انقلاب کی رو پھیل جائے گی اور دنیا اس رستے ہوئے ناسور سے چھٹکارا حاصل کرے گی۔ مگر پرشیا اور آسٹریا کی متذبذب پالیسی کی وجہ سے ایسی مشکلات پیش آنا شروع ہو گئیں کہ پوری فوجی تزویرات کا نقشہ بدلنا پڑا۔ ان کے غیر جانبدار رہنے کی وجہ سے خشکی پر فیصلہ کن اور بڑی لڑائیاں نہ لڑی جا سکیں۔

انجلز نے فریقین کی فوجوں کی تنظیم اور ان کی تدبیراتی قابلیت کا بغور مطالعہ کیا تھا وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اتحادیوں کو فوقیت حاصل تھی۔ کئی سال بعد جب وہ روسی ماہر اقتصادیات ڈینیلسن کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر رہا تھا تو اس نے جنگِ کریمیا کے متعلق کہا کہ "وہ عہدِ قدیم کے صنعتی طریقوں اور جدید طرز کی صنعت کے درمیان غیر مساوی کشمکش تھی۔ جس کا نتیجہ ظاہر تھا"۔ اتحادیوں کی فتح پر یقین ہوتے ہوئے بھی اس نے انگریزی فوج کی تنظیم کی کڑی نکتہ چینی کرنے میں توقف نہ کیا۔ خوراک، لباس اور طبی وسائل کی شرمناک حد تک کمی نے برطانوی عوام کے غصے کو بھی بھڑکا دیا تھا۔ مارکسی اصولوں پر کاربند ہوتے ہوئے اس نے ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا ذمہ دار حکمران طبقے کو ٹھہرایا۔

جنگِ کریمیا کا ایک واضح پہلو یہ تھا کہ اس میں قلعوں اور محصور جنگ کو اہمیت دی گئی تھی۔ بادی النظر سے دیکھنے والوں کے لئے اس تبدیلی سے شاید یہ ظاہر ہوتا کہ اب طریقِ جنگ میں تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ اور عسکری افکار نپولین اور فریڈرک اعظم کے زمانے کی نسبت مائل

نہ نزول ہو چکے تھے۔ انجلز ایسے کسی نتیجے پر نہ پہنچا۔ بلکہ اس نے کہا کہ اس خیال کو حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ سبسٹاپول کے سقوط کے بعد اس نے لکھا: "آج قلعوں کی صرف اتنی اہمیت رہ گئی ہے کہ وہ مبارز فوج کے لئے اجتماعی مقامات کا کام دیں۔" اس سے وہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ روسی بھی کھلے میدانوں سے احتراز برتنے میں غلطی پر نہیں تھے۔ اِس لئے کہ روس کے وسیع میدانوں کے بچاؤ کی نسبت ان کی سالمیت زیادہ اہم تھی۔ دوسری طرف اتحادی بھی حق بجانب تھے کہ وہ اس مہم کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرتے۔ اور وہ اِسی صورت ممکن تھا کہ روسی قلعے پہلے سر کئے جائیں۔ اس مخمصے کا جواب انجلز کی رائے میں یہ تھا کہ دونوں فریق انقلابی تزویرات کی طرف رجوع کرتے اور "اصولوں کے مطابق جنگ" لڑتے۔

۱۸۵۶ء میں جب کریمیا کی جنگ اختتام کو پہنچی تو انجلز نے عظیم انقلابی انتشار کی امید ترک کر دی۔ اب اس کے تزویراتی مباحث کا موضوع بونا پارٹیست اور عظیم سلاوی قومیت بن گئے روس کے اقتدار کی وسعت اور روسی قومیت کے احساس کی بیداری سے وہ از حد خائف تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے روس کی آمرانہ رجعت پسندی سے نفرت بھی تھی۔ اگر روس کی عسکری طاقت مد مقابل کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر لیتی تو اس کے خیال میں ۱۸۴۸ء کا انقلاب کبھی ناکام نہ ہوتا۔ تزویراتی سماجی اور اقتصادی وجوہات کی بنا پر اب وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ مشرقی اور جنوبی یورپ کے جو حصے ماضی میں جرمنی نے فتح کئے تھے وہ اسی کے تحت رہنے چاہئیں۔ اس نے ایسے بڑے ملکوں کے حصے بخرے کرنے کی مخالفت شروع کر دی جو قومیت اور سماج کی بنا پر قائم کئے گئے تھے۔ اس کی رائے میں ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے قائم کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جو اپنی آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکتی تھیں۔ بیسویں صدی کی سیاسیات کے خطرات کو اس نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔

جدید مباحث کی رُو سے اس نے بونا پارٹیسٹ کے خلاف بھی بروقت آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ اس نے دو رسالوں میں جن کا عنوان "پو اور رائن" (۱۸۵۹ء) اور "سیوائے، نیس اور رائن" (۱۸۶۰ء) تھا بونا پارٹیسٹ کی خواہشات کو عسکری نکتہ نگاہ سے فاش کیا۔ پہلے مضمون میں اس نے اس عہد کی اس غلط رائے کے خلاف لکھا جس کے مطابق یہ باور کیا جاتا تھا۔

کہ رائن کا دفاع پو کے خط پر ہی ہو سکتا تھا۔ انگلز نے ثابت کیا کہ جرمنی کی جنوبی سرحد کی حفاظت کے لیئے وادی پو کو کسی قسم کی عسکری اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ تزویراتی بیانوں کے تحت اصل مقصد سیاسی مفاد تھے جن کے ذریعے ہولی رومن امپائر کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ جرمنی چاہتا تھا کہ وہ یورپ کے معاملات میں فیصل کا مقام حاصل کر سکے۔ روم اور برلن کے محور اور ہٹلر کے جرمنی کے نئے نظام کو اس کی پیدائش سے اسی سال قبل ہی رد کر دیا گیا تھا۔

اس سے کہیں زیادہ انگلز کی وہ بحث تھی جو اس نے مغربی مہم کی ممکن تزویرات کے متعلق پیش کی۔ اس میں اس نے یہ ثابت کیا کہ چونکہ فرانس اب پیرس کو مستحکم کر چکا تھا۔ اس لیئے اب وہ رائن کے بائیں کنارے کو حاصل کرنے کی خواہش کو آسانی سے ترک کر سکتا تھا۔ جہاں تک عسکری وجوہات کا تعلق تھا انگلز نے فرانس کی "قدرتی سرحد" کی دلیل کو کامیابی سے رد کیا۔ انگلز پر اچھی طرح واضح تھا کہ فرانس کے دفاع میں جو اصل خامی تھی وہ کمزور بلجیمی سرحد تھی۔ اس لئے کہ یورپ کے معاہدوں کے باوجود "تاریخ کو ابھی یہ ثابت کرنا ہے کہ بلجیم کی غیر جانبداری کاغذ کے پرزوں سے زیادہ وقعت رکھتی ہے۔" یہ دلائل حقیقت پر مبنی تھے اور انہیں کی بنا پر انگلز نے کامیاب عسکری مہم کا منصوبہ پیش کیا۔ مستحکم پیرس کو مستقر بنا کر فرانس بلجیم کی سرحد پر مہاجمانہ طریقے سے اپنا دفاع کر سکتا تھا۔

تقریباً دس ہی سال بعد فرانسیسی پرشیائی جنگ میں انگلز نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ وہ مہاتی تزویرات کا ماہر تھا۔ یورپی ناظروں میں صرف وہ واحد شخص تھا جس نے اُس تزویرات کی پیشین گوئی کی تھی جس نے مالٹکے کو سیڈان کے مقام پر فیصلہ کن فتح دلوائی۔

"سپو آئے، نیس اور رائن" والے مضمون کا اشارہ عسکری تزویرات کے ایک اور پہلو کی طرف تھا جس کا صحیح اندازہ پہلی عالمی جنگ سے قبل نہ ہو سکا۔ یہ پہلو فرانس اور روس کے اتحاد کی وجہ سے دو رُخی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ یورپ کی آزادی کو اس وقت سب سے زیادہ خطرہ روس کی طرف سے تھا۔ اس کے باوجود انگلز کو خام سی امید تھی کہ یہ خطرہ اس وقت رفع ہو جائے گا جب انقلاب کا نیا حلیف روس کے آزاد شدہ دہقان کی صورت میں نمودار ہوگا۔

"جو کشمکش روس کے حکمران طبقے اور روس کے دیہات کے محکوم دہقان کے درمیان شروع ہو چکی ہے اس نے ابھی سے روس کی خارجی پالیسی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا ہے۔"

دوسری طرف اس نے نپولین سوئم کے منصوبوں کو زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ اس نے برطانیہ کے دفاع اور فرانس کی طرف سے انگلستان پر حملے کے امکانات کا بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس نے والنٹیر رفل برداروں کے متعلق کئی مضامین لکھے۔ وہ ان رفل برداروں کی ٹولیوں اور ان کی کڑی قواعد کا مداح ہوتے ہوئے بھی یہ کہنے پر مجبور تھا کہ وہ فرانس کی توسیع شدہ فوج کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھے۔ فرانس کی فوج کو اس نے "یورپ کی بہترین عسکری تنظیم" کا خطاب دیا۔

اس کے بعد کے چند برسوں میں سب سے اہم عسکری واقعہ امریکہ کی خانہ جنگی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مالٹکے نے اس کے متعلق کہا تھا کہ اسے "مسلح ہجوم کی حرکتوں کا مطالعہ کرنے کی پروا نہ تھی"۔ اس کے برعکس انجلز کی نگاہ میں یہ "ایسا ڈراما تھا جس کی مثال عسکری تاریخ میں موجود نہ تھی"۔ یہ حقیقتہً انقلابی جنگ تھی۔ صرف اسی لئے نہیں کہ اس جنگ میں ریلوں اور بکتر بند جہازوں کا استعمال پہلی بار کیا گیا تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس جنگ نے دنیا کو "غلامی کے وجود سے نجات دلائی"۔ باوجود انجلز کو شمال کے ساتھ ہمدردی تھی پھر بھی اس نے ان کی "کاہلانہ انتظامی کارروائیوں" کی کڑی نکتہ چینی کی۔ اس نے ۵ نومبر ۱۸۶۲ء کو مارکس کے نام خط لکھا جس میں کہا: "میں ایسے لوگوں کے لیے جذبات پیدا نہیں کر سکتا جو اتنے بلند مقصد کے لئے بھی اپنے سے چوتھائی آبادی کے ہاتھوں بار بار شکست کھانے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔" اسے اس خانہ جنگی کے نتائج کے متعلق کسی موقع پر شک پیدا نہیں ہوا۔

جب پرشیا نے بسمارک کی قیادت میں ترقی کرنا شروع کی تو انقلابیوں نے اپنی توجہ ایک بار پھر یورپ کے میدانِ جنگ کی طرف مبذول کی۔ مختصر سی ڈینش جنگ نے انجلز پر ثابت کر دیا کہ جرمن پیادہ فوج ڈنمارک کی فوج سے بہتر تھی۔ "اور پرشیائی آتشی ہتھیار یعنی رفل اور توپخانہ دنیا میں بہترین تھے۔" اس کے باوجود اس نے پرشیا کی عسکری ضربی طاقت کا اندازہ اصلیت سے کم لگایا۔ سیڈووا کی لڑائی سے ایک دن قبل اس نے مالٹکے کے مہماتی منصوبے پر

سخت نکتہ چینی کی البتہ دوسرے ہی دن اسے تسلیم کرنا پڑا کہ جرمنوں نے "جنگ کے اہم اصولوں کی خلاف ورزی کے باوجود بہت کچھ حاصل کر لیا تھا۔" انقلاب کا ایک اور موقع گزر چکا تھا اور اینگلز نے اس حقیقت کو سمجھنے میں دیر نہ کی۔ اسے پرشیائی فوج کا احترام تو تھا ہی۔ اب اس نے اس فتح کے سیاسی نتائج بھی قبول کر لئے۔

مارکس اور اینگلز کی منطقیت کی عظمت کو اب ایک نئے امتحان کا سامنا کرنا پڑا۔ جلاوطنی کے مشکل پسند مکتب میں وہ طبقاتی نشو و نما کو یورپ کی مخصوص کشمکش کے رنگ میں دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے اور جہاں تک اس کی انقلابی سپہ سالاری اور قیادت کا تعلق تھا۔ اسے وہ اس طرح منظر عام پر لاتے رہے تھے جیسے "سماجی ترقی کو خارجی طور پر واضح کیا جا رہا ہو۔" اب ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی تزویرات کے تیسرے مرحلے تک پہنچیں اور انقلابی ریاست کے اصولوں کی بنیاد ڈالیں۔

(۴)

انقلابی ریاست کی تزویرات کو جس شکل میں مارکس اور بالخصوص اینگلز نے دیکھا وہ ابتدائی مراحل سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اشتراکی تحریک نے ان کو اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ہی نہ دیا اور تو اور اشتراکی پارٹیوں کے رہنماؤں نے اینگلز کے بہت سے نظریات کے ساتھ بے اعتنائی کا سا رویہ برتا۔

بہرکیف اس موقع پر اس کی پالیسی کا صحیح رُخ واضح ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمر بھر کی عسکری تزویرات کے مطالعہ کا نچوڑ تھا اور دوسری طرف اس نے یورپ کی جمہوریت کیلئے نشانِ راہ کا کام دیا۔ اینگلز کی فوجی پالیسی کی اساس جمہوری فوج اور ہتھیار بند قوم پر تھی۔ اسے یقین تھا کہ رفتہ رفتہ اس خیال کو کامیابی حاصل ہو گی اور اس نے بعد کے تیس برسوں میں اس اصول کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

پرشیا کی فوجی تنظیم کے مطالعہ کے لئے اینگلز نے ایک کتاب شائع کی جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مزدور پارٹی کے لئے یہ عسکری معاملات پر پہلی کتاب کا کام دے۔ اسے اس اہم موقع پر

شائع کیا گیا تھا جب دستوری مباحث زوروں پر تھے اور جاگیردار امرا اور آزاد خیال تجارتی طبقے کے بورژوا آپس میں بر سر پیکار تھے۔ اینگلز نے پرولتاری عوام کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنے مفاد کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں تو وہ رجعت پسند طاقتوں کے خلاف بورژوا طبقے کو امداد دیں۔ اینگلز نے بورژوا طبقے پر سخت نکتہ چینی کی۔ انہوں نے نہایت قیمتی تزویراتی موقع کھو دیا تھا اور اس عرصے میں فوج کو اپنے ساتھ ملانے میں ناکام رہے تھے۔ اس کے خیال میں فوجی نشو و نما سماجی ترقی کا جزو لاینفک تھی۔ اس سے قبل کی تحریروں میں بھی مارکس اور اینگلز نے فوجی تنظیم کی محکم اساس کے لئے سماجی ترقی کی موجودگی کو ضروری بتایا تھا۔ اب ان کا یہ نظریہ تھا کہ سماجی ترقی کے لئے فوج بذاتِ خود بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ جمہوریت کو کامیاب بنانے کے لئے فوج سے بہتر ذریعہ موجود ہی نہیں۔ اگر جبری بھرتی کو ایک عرصے تک جاری رکھا جائے تو بیرونی خطرات سے قوم کو بچانے کے لئے بہترین اور مضبوط ترین فوج تیار ہو سکتی ہے ساتھ ہی ساتھ اس طرح سے پوری قوم کی فوج میں شمولیت کی وجہ سے خود فوج کی اندرونی ساخت میں تبدیلی پیدا ہونا لابدی ہے اور پائیں طبقوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کے شامل ہونے کی وجہ سے فوج صحیح معنوں میں قومی ادارہ بن سکتی ہے۔

۱۸۹۱ء میں اینگلز نے اپنے اس نظریے کو فخریہ الفاظ میں پیش کیا: "گو بادی النظر میں اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے۔ ملک میں بالغ رائے دہندگی کی نسبت جبری بھرتی زیادہ فائدہ مند ہے۔ جرمنی کی اشتراکی جمہوریت کی اصل طاقت اس کے رائے دہندوں کی تعداد میں نہیں بلکہ اس کے سپاہیوں میں ہے۔ وہی فوج جو ایک زمانے میں سب سے زیادہ پرشیائی اور ملک میں سب سے زیادہ رجعت پسند ہوا کرتی تھی ۱۹۰۰ء تک تقدیر مبرم کی طرح اس کی اکثریت اشتراکی بن جائے گی۔" ظاہر ہے کہ اینگلز نے قائم شدہ اداروں کی داخلی طاقت اور ان کی سخت جانی کا غلط جائزہ لگایا تھا۔ اسی طرح اس نے تاریخی تغیرات کے متعلق بھی غلط پیش بینی کی۔ اس کے اس تیقن نے اسے موجودہ حالات کے مطابق فوجی ضروریات کے متعلق غلط فہمی میں ہرگز نہیں ڈالا۔ جسے وہ "غیر ممثل عالمی اور انتہائی تباہی" کی جنگ کہہ کے پکارتا ہے اور مستقبل قریب میں اس کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ علاوہ بریں

وہ کہتا ہے کہ اس جنگ کا فیصلہ انگلستان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس لئے کہ انگلستان، فرانس
یا جرمنی کو اپنی مرضی کے مطابق ناکہ بندی کر کے بھوکوں مارنے کی قابلیت رکھتا تھا اور یوں
انہیں ہار ماننے پر مجبور کر سکتا تھا۔

اس بات کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اینجلز کے آخری ایام کے عقیدے اس کے
ماقبل کے عقیدوں کے مطابق تھے یا مخالف۔ البتہ اشتراکیت کے جوڑواں اور متقابل بھائی
یعنی اس کی انقلابی اور تدریجی شاخیں اسے یکساں طور پر اپنا قائد ماننے کے لئے تیار ہیں۔
وہ فطرتاً ایک جنگجو سپاہی تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سست رفتار تھکا دینے والی اصلاحات کا
قائل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود اشتراکیت کا یہ نامی تزویر کار اتنا سادہ لوح نہیں تھا
کہ وہ ہر کشمکش اور ہر جنگ کے لئے مناسب ہتھیاروں کا مشورہ نہ دیتا یا یہ نہ کہتا کہ ہر قوم اور ہر
عصر کے لڑنے کے طریقے جدا جدا ہوتے ہیں۔

اپنے آخری ایام میں اینجلز نے انقلابی تزویرات میں اس طرح کی تبدیلیوں کی ضرورت کا
ثبوت "فرانس میں ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۰ء تک کی طبقاتی کشمکش" کے پیش لفظ میں یوں دیا "۱۸۴۸ء
کی لڑائی کے طریقے اب متروک ہو چکے ہیں۔" اینجلز حق بجانب تھا جب اس نے کہا تھا "گلی کوچوں
کی لڑائیوں کے دوران بھی سدِ راہ میں مستقل رکاوٹ بننے کی نسبت دل بڑھانے کا کام زیادہ دیتی
تھیں۔" اگر وہ فوج کا دل ٹوٹنے تک قائم رہ جاتیں تو ختم ہو جایا کرتی تھی۔ ورنہ شکست ہوتی تھی
وہ زمانہ اب گزر چکا تھا اب بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ یہ تبدیلیاں فوج کے حق میں تھیں اور
شورش برپا کرتے والوں کے لیے نقصان دہ تھیں۔ نئے ہتھیار وجود میں آ چکے تھے۔ بارود کی
طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ صنعت کی یہ پیداوار شورش پسندوں کو میسر نہ آ سکتی تھی۔

اب حکومت پر فتح قانونی طریقوں سے ہی حاصل کی جا سکتی تھی۔ اب اشتراکی قوت کو صرف
ایک طریقے سے بار بار اُٹھنے سے روکا جا سکتا ہے اور وہ تھا فوج سے اس کا تصادم جس
طرح چند روزہ پیرس کمیون کے موقع میں فاضل خون بہنے دیا گیا تھا اسی طرح اب بھی اس کا
وہی علاج کیا جا سکتا تھا۔" اشتراکی عسکریت پسندی" کے اس پہلے تجربے کو یورپ کے انقلابی
ادب میں بہت سراہا گیا ہے۔ مارکس نے نہایت تفصیل سے اس کا تجزیہ "فرانس میں خانہ جنگی"

(۱۸۷۱ء) میں کیا تھا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ لینن کے خیالات بھی اس سے متاثر ہوئے تھے اور سوویٹ روس کے اولین ایام کے نظام میں بھی اس کا اثر موجود تھا۔ اس کے باوجود کمیون نے انقلابی عسکری تزویرات سے متعلق کوئی خاص سبق نہیں پیش کیا تھا۔ بلکہ تزویر کار استاد انجلز کی رائے میں تو پیرس کمیون کا دہرانا انتہائی درجہ کی غلطی تھی۔ اس نے اپنے آخری ایام میں یہ رائے قائم کی کہ اشتراکیت کی کامیابی صرف جمہوری طریقوں اور عام رائے دہندگی کے ذریعے ہی ہو سکتی تھی جس طرح اس نے یہ رائے قائم کی تھی کہ جمہوریت کی کامیابی عالمگیر فوجی خدمت کے ذریعے ہی ممکن تھی۔

"ہتھیار بند قوم" کا تخیل انجلز نے صاف اور واضح الفاظ میں پیش کیا تھا اور اسے اپنا منتہی مقصود بتایا تھا۔ اس کے خیال میں موجودہ سماج میں عسکریت کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لینا سخت گمراہی تھی۔ اس کا "ہتھیار بند قوم" کا تخیل دوسری عالمی جنگ میں سوویٹ روس نے کامیابی سے عملی طور پر پیش کیا اور تقریباً عام عسکریت پسند جمہوریتوں نے اس سے چراغِ راہ کا کام لیا۔

آٹھواں باب

مالٹکے اور شلیفن

پرشیائی جرمن مکتب

از ہاجو ہالبرن

وی آنا کی صلح کے پچاس سال بعد تک پرشیا نے یورپ کی سیاسیات میں عملی طور پر شرکت کرنے سے احتراز برتا۔ گزشتہ صدی کے ساٹھ کے عاشرے میں پرشیائی فوج پورے برّاعظم میں طاقتور ترین بن کر نمودار ہوئی۔ مگر اسے قریب قریب دو نسلوں سے جنگ کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں روسی، آسٹریائی، فرانسیسی اور برطانوی فوجیں جنگیں لڑتی رہی تھیں۔ ساٹھ کے عاشرے میں پرشیائی فوج کی برتری، اس کی تنظیم، ایامِ امن کی تربیت، اور فنونِ جنگ کے نظری مطالعہ کی وجہ سے وجود میں آئی تھی اور اسے سیڈووا، اور سیڈان سے پہلے کے پچاس برسوں میں کمال تک پہنچایا گیا تھا۔

انیسویں صدی کی پرشیائی فوج کے بنانے والے چار آدمی تھے۔ فریڈرکِ اعظم۔ نپولین شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ۔ فریڈرک نے فتح کے علاوہ مصیبت کے موقع پر عزم واستقلال کی یادوں کو ورثے میں چھوڑا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے فوجی جانشینوں پر اس حقیقت کو واضح کیا تھا کہ ایامِ امن میں بھی فوج کی زندگی سخت محنت کی متقاضی رہتی ہے اور یہ کہ لڑائیاں پہلے تربیتِ میدان پر جیتی جاتی ہیں۔ مگر اس نے نوجوانوں کو تزویرکار نہ بنایا۔ یہ ایک اجنبی فاتح تھا۔ جس نے پرشیائی سپاہیوں کو بتایا کہ تزویرات کا جنگ میں کون سا صحیح مقام ہے اس سے غیر پرشیائی نژاد نوجوان افسروں نے سبق سیکھ کر پرشیائی فوج کی صورت بدل ڈالی۔ اور اسے فرانسیسی فوج کے سانچے پر ڈھالا یوں نپولین کو پرشیائی فوج کی تنظیم کاری میں دوسرا مقام عطا ہوا۔ اور پھر جینا کی لڑائی کے بعد شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ نے پرشیائی

فوج کو نئی طرز کی جنگ کے سبق حاصل کرنے کے قابل بنایا۔

پرشیائی فوج کے اصلاح کار یہ جانتے تھے کہ یہ نئی طرز کی جنگ ان عظیم سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کا نتیجہ تھی جن کا باعث انقلاب فرانس بنا تھا۔ فریڈرک کی فوج ان کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل تھی جو ملک اور سماج سے بے تعلق ہوا کرتے تھے۔ امراء اور جاگیردار طبقے سے متعلق افسر بلند نامی کے حقدار ہوا کرتے تھے اور صف کے سپاہیوں کو قابو میں رکھنے کیلئے نہایت کڑے انضباط سے کام لیا جاتا تھا۔ پرشیا کے اصلاح کاروں نے آمرانہ دور کی فوج کو قومی فوج بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جبری بھرتی کو اس وسیع پیمانے پر عمل میں لایا کہ پہلے کبھی بھی اس کا تجربہ نہیں کیا گیا تھا۔ گو یورپ کے تمام ممالک میں جبری بھرتی کو قانونی طور پر قبول کر لیا گیا تھا۔ اس کے باوجود پرشیا کے علاوہ باقی تمام ممالک میں جبری بھرتی کا اطلاق صرف غریبوں پر ہونے لگا۔ صرف پرشیائی فوج ہی صحیح معنوں میں قومی فوج کہلا سکتی تھی۔ بدقسمتی سے پرشیا میں جمہوریت مفقود تھی۔ اور عوام ہمیشہ دفتری مطلقیت کے سلاسل میں گرفتار رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبری بھرتی ایسا ذریعہ بن گئی جس سے ایک مطلق العنان حکومت کی طاقت میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔

پرشیا کے عسکری اصلاح کاروں کے عوامی فوج قائم کرنے کے خواب ۱۸۱۵ء کی سیاسی رجعت نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دئیے۔ اس کے باوجود ان اصلاح کاروں کے تزویراتی اور تدبیراتی خیالات کو دوام میسر آیا اور وہ پرانے مکتبِ خیال کی چند کامیابیوں کے باوجود یکسر نہ مٹائے جا سکے۔ پرشیا کے "ضوابطِ میدانِ جنگ" میں جو ۱۸۴۷ء میں طبع کئے گئے یہ کوشش کی گئی کہ فریڈرک کی تدبیرات کو ازسرِنو استعمال میں لایا جائے اور جنہیں ۱۸۱۲ء میں شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ نے نہایت عقلمندی سے متروک کر دیا تھا۔ البتہ اس رجعت کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرشیائی فوج نے شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ کے تزویراتی تخیل کو نہیں بھلایا جہاں تک معاصروں کا تعلق ہے۔ یہ دو افسر جن کے خاندان ہینوویریا اور آسٹریا سے متعلق تھے وہ اس پائے کے تھے کہ فنِ جنگ میں نپولین کی ہمسری کر سکتے۔ ۱۸۱۳ء میں شارن ہارسٹ کی بے وقت موت نے اسے میدانِ جنگ میں فوج کی اعلیٰ کمان سے محروم

رکھا۔ جب ۱۸۱۳ء کی خزاں سے لے کر ۱۸۱۵ء کے موسمِ گرما تک نیسی ناؤ نے پرشیائی فوج کے چیف آف سٹاف کے فرائض انجام دئے تو یہ ثابت ہو گیا کہ پرشیا کا جدید عسکری مکتب خیال صرف نئے عسکری فلسفے کا بانی ہی نہیں تھا بلکہ اس میں ایسی شخصیتیں موجود تھیں جو اپنے افکار کی ترجمانی میدانِ جنگ پر عملاً بھی کر سکتی تھیں۔

تاریخی اعتبار سے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ دونوں افسر نئی طرز کے سپہ سالاروں میں شامل تھے۔ دونوں پیدائشی رہنما تھے۔ اور جرمنی کے فلسفیانہ دور کے یہ دونوں فرزند کانٹ اور گوئٹے کے فلسفے کی پیداوار تھے۔ وہ فلسفہ جو عمل کو پر لگا کر تخیل کے ہمدوش کر دیتا ہے۔

پرشیا کی یہ نئی تزویرات نپولین کے فنِ جنگ کی ترجمانی کا نتیجہ تھی۔ سیڈووا اور سیڈان سے پہلے انیسویں صدی کے طلبا، فنِ جنگ کی نگاہ میں نپولین کی تزویرات پر ژامنی کی تحریریں حرفِ آخر کا مقام رکھتی تھیں۔ نپولین نے خود ہی تو کہا تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے اس باشندے نے اس کے اندرونی خیالات کی غمازی کی تھی اور اس کی تزویرات کو بھانپ لیا تھا۔ البتہ نپولین نے یہ بھی کہا تھا کہ ژامنی نے اصول مرتب کئے تھے اور فوق العادہ انسان اصولوں کی بجائے اپنے مافی الضمیر کا پابند رہا کرتا ہے[1]۔ نپولین کی تزویرات کی ترجمانی جو شارن ہارسٹ نے کی اور جس پر نیسی ناؤ نے ۱۸۱۳ء سے ۱۸۱۵ء کی مہم کی بنیاد رکھی وہ تاریخی اور استدلالی طریقوں پر مبنی تھی۔

پرشیا کے نئے تزویراتی مکتب نے اپنی ترجمانی کے لئے پرشیائی جنرل سٹاف میں ایک نئے ادارے کی بنیاد ڈالی جو اس کا دماغ اور اس کا عصبیاتی مرکز کہا جا سکتا ہے۔ جب ۱۸۰۶ء میں شارن ہارسٹ نے وزارتِ جنگ کو از سرِ نو تنظیم دی تو اس نے ایک نیا شعبہ قائم کیا جس کا کام یہ تھا کہ ایامِ امن میں فوج کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھے۔ تنظیمی اور لام بندی کے منصوبوں کو مکمل کرے۔ اسی شعبے کے تحت اقدامی منصوبوں کی تیاری اور تزویرات و تدبیرات کی ہدایت کاری کے فرائض تھے۔ شارن ہارسٹ چونکہ وزیر جنگ تھا اس لئے اس کا اثر ان افسروں پر نہایت گہرا تھا جو اس وزارت کے عملہ پر تھے۔ وہ جنگی مشقوں کے ذریعے ان کے تزویراتی

۱۔ جنرل بیرن گرگاؤڈ۔ سینٹ ہیلینا۔ ۱۸۱۵ء۔ ۱۸۱۸ء۔ ۲۔ ص۔ ۲۰

اور تدبیراتی خیالات کی رہنمائی کرتا رہتا تھا۔ یہ دستور بن گیا تھا کہ یہ افسر فوج کے مختلف حصوں کے ساتھ ایڈجوٹنٹ کی حیثیت سے ملحق کئے جاتے تھے۔ اس طرح وہ چیف آف سٹاف کے خیالات اور اثر کو پوری فوج میں پھیلاتے رہتے تھے۔ اور کوئی سپہ سالار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ شارن ہارسٹ کے زمانے میں جنرل سٹاف کو وزارتِ جنگ کی ایک شاخ کی حیثیت حاصل تھی۔ ۱۸۲۱ء میں چیف آف سٹاف کو جنگی معاملات میں بادشاہ کا سب سے بڑا مشیر بنایا گیا اور وزارت کی تحویل میں فوج کے انتظامی اور سیاسی امور رہ گئے۔ اس فیصلے کے اثرات بہت دور رس تھے۔ اس لئے کہ اس فیصلے نے فوجی معاملات میں جنرل سٹاف کو فیصل کی حیثیت دیدی تھی خصوصاً اس لئے کہ یہ حیثیت اسے اعلانِ جنگ کے بعد ہی نہیں بلکہ جنگ کی تیاری کے دوران اور ایامِ امن میں بھی حاصل تھی۔

(۲)

آزادی کی جنگوں کے دوران جو خیالات اور ادارے پیدا ہو گئے تھے اُن سے فائدہ اٹھانا مالٹکے کے مقدر میں لکھا تھا۔ مالٹکے کی تربیت ڈینش کیڈٹ کے طور پر ہوئی تھی اور اسے ۱۸۱۹ء میں لفٹیننٹ کے طور پر کمیشن ملا۔ چونکہ ڈینش فوج میں ترقی کے امکانات محدود تھے اس لئے اس نے ۱۸۲۲ء میں پرشیائی فوج میں کمیشن کے لئے درخواست دی۔ پرشیائی حکام نے اس کا امتحان لیا اور پھر اُسے پائین ترین درجے سے زندگی شروع کرنے کے لئے کہا گیا۔ البتہ ایک ہی سال بعد اسے فوجی کالج میں داخلہ دے دیا گیا۔ یہ کالج اس وقت کلازوٹز کی زیرِ نگرانی تھا۔ فوجی کالج کے قیام کے دوران اس نے جغرافیہ، علم الطبیعات اور تاریخ جنگ میں اس قدر شوق پیدا کیا کہ یہ تمام عمر اس کے ساتھ رہا۔ ۱۸۲۶ء میں مالٹکے دو سال کے عرصے کیلئے واپس اپنی رجمنٹ میں لوٹ آیا مگر اس عرصے میں بھی اس کا مشغلہ زیادہ تر علمی ہی رہا۔ اسے اپنے ڈویژن کے افسروں کو تعلیم دینے پر مامور کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں وہ جنرل سٹاف پر تعین کیا گیا جہاں وہ ساٹھ سال سے زیادہ عرصے تک رہا اس پانچ سال کے عرصے کے علاوہ جو اس نے ڈینش اور پرشیائی فوجوں میں لفٹننٹ کی حیثیت سے گزارا تھا۔ مالٹکے کو سپاہ کی کمان کا کوئی موقع نہیں ملا مگر ساٹھ سال کی عمر میں اس نے

آسٹریا کے خلاف جنگ میں پرشیا کی پوری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں سنبھالی۔

اس کا مطالعہ اور اس کی تعلیم اس قدر وسیع اور مکمل تھی کہ وہ ہر پہلو پر حاوی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں اظہارِ خیال کا ملکہ بہت زیادہ تھا۔ مالٹکے نے اپنی محنتِ شاقہ سے جرمن نثر نویسی میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔ البتہ وہ ریاست کار اور سیاسی مفکر نہ بن سکا۔ اس کے برعکس شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ ریاست کار بھی تھے اور سپہ سالار بھی۔ ان کی عسکری اصلاحات کے پیشِ نظر پوری قوم کی زندگی کی اصلاح رہا کرتی تھی۔ مالٹکے کو احساس تھا کہ سپہ سالاری اور ریاست کاری کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور شاید اسی لیے وہ سیاست میں گہری دلچسپی لیتا رہتا تھا مگر وہ سیاسی معاملات میں دخل دینے سے ہمیشہ گریز کرتا رہا اور حکومت کے فیصلوں میں کبھی مداخلت نہ کی۔

۱۸۵۵ء میں ولیم چہارم نے اُسے اپنے بھتیجے شہزادہ فریڈرک ولیم کا اے ڈی کانگ مقرر کیا۔ یہ شہزادہ بعد میں فریڈرک سوئم کے نام سے بادشاہ ہوا۔ اس منصب نے اس کے تعلقات شہزادے کے والد کے ساتھ پیدا کر دیے جو سپاہی شہزادہ کہلاتا تھا۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ولیم اوّل نے اس میں قابلیت کے وہ جوہر دیکھے جنہوں نے اسے بعد میں چیف آف دی جنرل سٹاف کے عہدے تک پہنچا یا۔ ۱۸۵۷ء میں جب ولیم پرشیا کا نائب السلطنت مقرر ہوا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ مالٹکے کو اس عہدے پر مامور کیا۔ اس کے باوجود ولیم اوّل کو فوج کی فنی اور سیاسی تو تنظیمی میں دلچسپی زیادہ تھی اس لئے شاہی مجلس مشاورت میں وزیرِ جنگ رُون کا خاموش طبیعت چیف آف جنرل سٹاف پر چھایا رہتا۔ گو نیشنل گارڈ کا وجود مقبولِ عام تھا اس کے باوجود رُون کے مشورے سے نیشنل ملیشیا میں تخفیف کی گئی اور قائم فوج کو وسعت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کے افسروں کو ملک کے تمام فوجی اداروں پر قابض کر دیا گیا۔ پرشیائی پارلیمنٹ نے اس فیصلے کی مخالفت بھی کی مگر یہ تو تنظیمی قبول کر لی گئی اور بسمارک کے عہد میں تو بغیر مباحث کے اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ جب سیڈووا کی جنگ لڑی گئی اس وقت اس فیصلے کی وجہ سے جو مباحث پیدا ہو گئے تھے وہ ابھی جاری تھے۔ جب بسمارک کی پالیسی اور مالٹکے کی فتوحات نے جرمن قوم کی پرانی آرزو یعنی قومی اتحاد کو پورا کر دیا۔ تو یہ مباحث خود بخود ختم

ہو گئے۔ مالٹکے کی کامیاب تزویرات نے دو اہم مسئلوں کو حل کر دیا۔ اوّلاً یورپ کے ممالک میں متحدہ جرمنی کا قیام اور دوم فوج کا حکمرانہ ڈھانچہ قائم رکھنے سے جمہوری اور آزاد خیال طبقوں پر پرشیا کے بادشاہ کی فتح۔

مالٹکے کو بادشاہ کے مشیروں میں یکایک اہمیت حاصل ہو گئی۔ عجیب بات ہے کہ اس اہمیت کی کسی کو بھی توقع نہ تھی۔ حالانکہ شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ کے زمانے سے لے کر اگر پرشیائی فوج کی تاریخ کو بغور دیکھا جاتا تو مالٹکے کا عالی مقام حاصل کرنا لازمی امر تھا۔ شہنشاہ کے مشیروں میں شامل ہو جانے کے بعد اس نے اپنے کام کے علاوہ کسی بات میں کبھی دخل نہ دیا۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۶ء کے سیاسی منظر سے اس نے مکمل علیحدگی برتی اور اسی لئے وہ اپنی پوری توجہ آئندہ کے فوجی اقدامات کی طرف دے سکا۔ اس وقت یورپ کے تمام ممالک کی نسبت پرشیائی فوج کی امنی تنظیم بہتر تھی۔ اس کے لام بندی کے منصوبے نہایت مکمل تھے اور نہایت تیزی سے فوجیں مجتمع کی جا سکتی تھیں۔ مالٹکے نے اِس تیز رفتاری میں مزید اضافہ کیا۔ پرشیا کا جغرافیائی مقام تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ مالٹکے نے اس کا علاج ریلوں کے استعمال میں محسوس کیا اور ریلوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ابھی جرمنی میں ریل پٹڑیاں بچھنا شروع نہیں ہوئی تھیں کہ اس نے اس موضوع کا بغور مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۰ء کے عرصے میں مختلف ممالک کی فوجوں کی نقل و حرکت پہلی بار ریل کے ذریعے کی گئی۔ ریل کے ذریعے تزویرات کے نئے نئے پہلو اجاگر ہو رہے تھے۔ تزویرات کی بنیاد وقت اور فاصلے پر رکھی جاتی ہے ریل کے وجود نے وقت اور فاصلے کو ایک نئی شکل و صورت بخش دی تھی۔ اب تزویراتی حسابات میں لام بندی کی تیز رفتاری اور فوجوں کے اجتماع کی رفتار کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہو چکی تھی صنعت کے پھیل جانے سے ملک کے طول و عرض میں سڑکوں کے گھنے جال پھیل چکے تھے۔ مالٹکے چاہتا تھا کہ سڑکوں کے ان جالوں کو بھی استعمال کرے۔ ۱۸۶۵ء میں مالٹکے لکھتا ہے:" جوں جوں فوجی وحدتوں کا حجم بڑھتا جاتا ہے۔ حرکیت کی وقتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ایک دن میں انسان ایک ہی سڑک پر ایک جنبش سے زیادہ حرکت میں نہیں لا سکتا۔ جوں جوں یہ اپنی منزل کے قریب ہوتی جاتی ہیں حرکیت کی وقتیں مزید بڑھتی چلی جاتی ہیں . . . . چونکہ لڑائی کے لئے

اشد ضروری ہے کہ تمام فوجیں ایک ہی مقام پر مجتمع کی جا سکیں۔ اس لیئے تزویرات کا اصلی راز یہ ہے کہ حرکت مختلف خطوط پر کی جائے مگر ساتھ ہی ساتھ خیال رکھا جائے کہ اجتماع صحیح وقت پر ہو سکے۔" سیڈووا کے بعد اس نے اپنے خیالات کو ان الفاظ میں پیش کیا: "یہ اور بھی بہتر ہوگا اگر فوجوں کو میدانِ جنگ میں عین لڑائی کے دن مختلف نکات سے بڑھایا جائے۔۔۔۔۔۔
جب بہت سی جیوش کو حرکت میں لانا ہو تو یہ کہنا نہایت مشکل ہوتا ہے کہ واقعتہً ایسا نتیجہ برآمد ہو سکے گا۔ اس کی کامیابی کا انحصار وقت اور فیصلے جیسے قابل تخمین عوامل پر ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی ایسے چھوٹے چھوٹے عوامل پر بھی ہوتا ہے۔ جن کا پہلے ذہن و گمان بھی نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں، موسم اور غلط خبریں۔ مختصراً یہ کہنا درست ہوگا کہ لڑائی کے فیصلے پر اتفاقات بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اسی کو قسمت اور تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہر کیف جنگ میں خطرات مول لئے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

اس کا یہ آخری فقرہ اس کے جنگی فلسفے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کلازوٹز کا عقیدتمند طالب علم تھا۔ وہ اپنے استاد کی تعلیم کے مطابق یہ ماننے کو تیار تھا کہ جنگ میں حتی الامکان عقل سلیم اور استدلال کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ جنگ ملکی پالیسی کا اوزار ہے۔ مالٹکے اس بات کا قائل تھا کہ کماندار کو جنگ کی ہدایت کاری پر پورا پورا اختیار حاصل ہونا چاہیئے مگر وہ یہ بھی مانتا تھا کہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات کی وجہ سے تزویراتی تبدیلیاں ضروری تھیں۔ گو تزویرات پر پالیسی کے اثر انداز ہونے سے سپہ سالار کو بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا کہ لام بندی پر اس کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہیئے اور جنگ شروع ہونے سے بہت پہلے ارباب حل و عقد کو لام بندی کے تفاصیل سے واقف رہنا چاہیئے۔ اس مرحلے کے بعد جنگ 'دلیری'، 'تدبر'، اور استدلال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔

مالٹکے اس نظریے کے خلاف تھا کہ تزویرات ایک سائنس ہے اور یہ کہ ایسے عام اصول وضع کیے جا سکتے تھے جن سے اقدامات کے منصوبوں کا منطقی استخراج کیا جا سکتا ہے۔ ہر موقع کے لیئے علیحدہ حل ہوتا ہے جو اس سے متعلق حالات پر مبنی ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ حل کماندار کے علم، تربیت، اس کی دور اندیشی اور جبلّات کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بھی مستقبل

کے کمانداروں کو مختلف حالات سے آگاہ کر سکتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ میدانِ جنگ میں کیسی کیسی الجھی ہوئی صورتِ حالات پیدا ہو سکتی ہیں۔ مالٹکے کی رائے میں تزویرات کو تاریخِ جنگ سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے بشرطیکہ اس تاریخ کا مطالعہ صحیح زاویۂ نگاہ سے کیا جائے۔

مالٹکے کے خیال میں فنی اور مواصلاتی ترقی کی وجہ سے متحد المرکز اقدامات اب پہلے سے کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر عمل میں لائے جا سکتے تھے۔ گو تاریخ کی اہمیت فوجی افسروں کے لئے بہت زیادہ تھی۔ پھر بھی اس کے خیال میں تاریخ اور تزویرات کی اہمیت مساوی نہیں تھی۔ اس لئے کہ "تزویرات وہ اسلوب ہے جس میں بروقت اور حسبِ موقع ان تمام اسباب سے استفادہ حاصل کیا جاتا ہے جن پر قدرت حاصل ہو۔ . . . . . یہ مشکل ترین لمحات کے بوجھ کے نیچے کارروائی کرنے کا فن ہے"۔ اس لئے کمان کی تنظیم کو مالٹکے کے نظریات میں بہت بلند مقام حاصل تھا جن کی ہدایات مجلسِ مشاورت کے دائرے سے باہر تھیں۔ اقدامات کے منصوبوں کے متعلق کماندار کو سوائے چیف آف سٹاف کے اور کوئی مشورہ دینے والا نہ ہو۔ برے سے برے منصوبے پر بھی اگر جرأت اور ہمت سے عمل کیا جائے تو وہ مختلف الرائے مجلسِ مشاورت کے منصوبے سے اچھا نتیجہ برآمد کرے گا۔ ساتھ ہی ساتھ مالٹکے کی رائے میں منصوبے پر ہٹ دھرمی سے قائم رہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ سپہ سالار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام کمانداروں کو اقدام کا مادہ پیدا کرنے کی ترغیب دیتا رہے۔

مالٹکے نہایت ہی ضروری احکام کے علاوہ کوئی حکم صادر نہیں کیا کرتا تھا: "حکم میں وہ تمام باتیں درج ہونی چاہئیں جو کماندار کے اپنے اختیار میں شامل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہونا چاہئے"۔ اس کے معنے یہ تھے کہ کماندارِ اعلیٰ کو تدبیراتی معاملات میں ہرگز دخل نہیں دینا چاہئے۔ مالٹکے اپنی فوج کی رزمیہ قوت کو زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے ماتحت افسروں کے ذہنی عمل اور روحِ عمل پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ عہدِ جدید کی ایجادات نے ان پر بہت سی قیود عائد کر ڈال دی تھیں۔ جن کا پہلے ادوار میں وجود بھی نہیں تھا۔ ۱۸۶۶ء کی جنگ میں مالٹکے نے اکثر حرکتوں کی ہدایت کاری برلن میں رہ کر اپنے دفتر سے کی اور سیڈووا کی لڑائی سے صرف چار دن پہلے میدانِ جنگ پر آیا۔ نہایت عقلمندی سے اس نے اپنے آپ کو تزویراتی معاملات تک

محدود رکھا۔ تزویراتی نکات پر تیزی اور آزادی سے عمل درآمد کے لیے اس نے کمانداران سپاہ اور جیوش مقرر کیے۔ البتہ تدبیراتی معاملات میں تمامتر ذمہ داری جیش اور لشکروں کے کمانداروں پر تھی۔

مالٹکے کے تزویراتی نظریات اور اس فن میں اس کی عملی قابلیت کا پہلا اور سنگین ترین امتحان ۱۸۶۶ء میں آسٹریا کی مہم میں پیش آیا۔ فریقین کی فوجوں کی تعداد بعد کی فرانسیسی پرشیائی مہم کی نسبت زیادہ مساوی تھی۔ اور مالٹکے کی راہ میں بہت سی کڑی سیاسی اور جغرافیائی دشواریاں حائل تھیں۔ ولیم اس جنگ سے گریز کا خواہشمند تھا۔ مگر بالآخر بسمارک نے اسے اس میں دھکیل ہی دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرشیا نے اپنی لام بندی آسٹریا کے بہت بعد شروع کی۔ لام بندی کے اجرار کے بعد بھی یقینی نہیں تھا کہ بادشاہ جنگ کے اعلان پر رضامند ہو جائیگا۔ اس لیے شروع کے تزویراتی مسائل نہایت ہی نازک قسم کے تھے۔ مالٹکے نے بادشاہ کو جنگ کے اعلان پر رضامند ہونے میں بسمارک کی مدد کی۔ مگر اس نے ایسا کوئی فوجی قدم نہیں اٹھایا جس سے سیاسی معاملات پر اثر پڑے۔ اسی طرح کے حالات میں اس کے بھتیجے نے، جو ۱۹۱۴ء میں ولیم دوم کا چیف آف سٹاف بنا، اس قسم کا تزویراتی منصوبہ تیار کیا کہ حکومت کی آزادیٔ عمل کاملاً سلب ہو گئی۔

مالٹکے کی چالوں کے پیش نظر اوّلاً تو یہ مقصد تھا کہ پرشیائی لام بندی میں جو تاخیر ہو چکی تھی اس کا ازالہ ہو سکے۔ جہاں آسٹریا ریل کا صرف ایک خط استعمال کر سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مالٹکے پانچ ریل خطوں کو استعمال کر کے ملک بھر سے فوجوں کو میدانِ جنگ کے قریب لے آیا۔ مالٹکے انہیں ریلوں سے اتار کر وہاں ہی روکنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ وہ انہیں وہاں سے آگے بڑھا کر گوئٹز کے نام کے اور بھی قریب لے آیا۔ اس کے باوجود اس نے باقی پرشیائی سپہ سالاروں کی رائے کے خلاف محدود مقام میں پوری فوج کو مجتمع کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ جب اس نے سنا کہ آسٹریا کی فوجوں کا بیشتر حصہ بوہیمیا کے بجائے موراویا میں مجتمع ہو رہا تھا۔ تو اُسے معمولی سی تشویش پیدا ہونے لگی۔ آسٹریا کے اس اجتماع سے یہ امکان پیدا ہو رہا تھا کہ ان کے حملے کا رُخ بالائی سیلیسیا کی طرف ہو گا۔ اگر کسی وقت بھی مالٹکے کو کسی قسم کی

جھجک پیدا ہوئی تو وہ فوجی عوامل کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ ولیم اوّل کے رویے کی طرف سے تھی۔ مالٹکے کا خیال تھا کہ اگر اسے پرشیائی فوجوں کو بالآخر مجتمع کرنے کا موقع مل گیا تو کامیابی کا پورا امکان تھا۔ کم ترین فاصلے سے اس اجتماع کو پورا کرنے کے معنے یہ تھے کہ اسے آگے بڑھ کر بوہیمیا میں داخل ہونا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر پرشیائی فوج کی حرکت اسی دن شروع کی گئی جس دن آسٹروی فوج نے مورسے ویا کو چھوڑا تو پھر آسٹروی فوج کے گٹش چن پہنچنے سے پہلے پرشیائی اجتماع مکمل ہو جانے کا امکان تھا۔ گٹش چن ہی وہ نکتہ تھا جو مالٹکے نے اپنے اجتماع کے لئے چن رکھا تھا۔

۲۲ر جون کو پرشیائی افسروں نے آسٹریائی پیشاول کے افسروں کو اعلانِ جنگ پیش کیا۔ پرشیا نے جرمنی کی دوسری ریاستوں کے خلاف ۱۶ر جون کو ہی جنگ شروع کر دی تھی۔ آسٹریائی فوج اپنی گزشتہ جنگی تاریخ پر نازاں تھی۔ ان کا جوش و خروش اور ان کا جذب و شوق از حد بلند تھا۔ اس کے افسروں کی تربیت اور قابلیت مسلم تھی۔ ان میں اس دور کے بہترین جرنیل شامل تھے۔ فوج کے بعض صیغے مثلاً سوارہ اور توپخانہ یقینی طور پر پرشیائی فوج سے بہتر تھے۔ پرشیائی فوج کی اصل طاقت پیادہ میں تھی۔ جس کی تدبیرات اور ہتھیار نہایت ارفع و اعلیٰ تھے۔

جو شے پلڑے کو جھکانے میں کامیاب ثابت ہوئی وہ پرشیائی فوج کی تزویراتی قابلیت اور آسٹریائی اعلےٰ کمان کی تزویرات میں کم علمی تھی۔ اس کا کماندار بینا ڈک تھا جس کی جنگی خدمات کا ہیپس برگ خاندان معترف تھا۔ مگر اس کی تربیت قدیم مکتب میں ہوئی تھی۔ اور اس کا تزویراتی مشیر جنرل کرسمانی اٹھارھویں صدی کے اقدامی تصورات میں الجھا رہتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے آسٹریائی فوج کی تزویرات کا رخ قائم کر رکھا تھا۔ وہ دلدار تشکیل پر زور دیتے تھے اور قدرتی طور پر مدفوعہ مقامات کی اہمیت کو بہت وقعت دیتے تھے۔ ان کے برعکس مالٹکے کا نظریہ یہ تھا کہ فاصلے پر وقت کے ذریعے فتح پائی جا سکتی ہے۔

آسٹریائی فوج نے مورسے ویا سے تین متوازی کالموں میں کوچ کیا۔ جب ۲۶ر جون کو مقدمہ جوسف شاڈٹ پہنچا تو فوج کو دوبارہ مجتمع کرنے کے لئے تین دن درکار تھے خیال

کیا جاتا ہے کہ ان تین دنوں نے پرشیائی فوج کو نجات دلائی۔ مالٹکے کی بار بار تنبیہہ کے باوجود پہلی فوج نہایت سست رفتاری سے آگے بڑھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بینیاڈک کو اندرونی اقدامی خطوط استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔ ممکن ہے کہ جب بینیاڈک نے پہلی فوج پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس کی رائے صحیح ہو۔ مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ اگر وہ ایک پرشیائی فوج پر حملہ کرنا چاہتا تھا تو دوسری پرشیائی فوج کے عقبی حملے سے بچنے کے لئے اس کے پاس صرف ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دو دن کی مہلت تھی۔ جب بینیاڈک کو اس غلطی کا احساس ہوا تو اس وقت ایلب کے پیچھے پسپ قدمی کے لئے وقت نہیں رہا تھا اور وہ دریا کو عقب میں رکھ کر لڑائی قبول کرنے پر مجبور ہو چکا تھا۔

۲ جولائی کی رات کو مالٹکے نے اپنے آخری احکام صادر کئے۔ حقیقت میں جس طریقے سے ان پر عمل کیا گیا اس سے وہ کہیں زیادہ جرأت مندانہ تھے۔ مالٹکے کے تخیل نے سیڈووا کو گھیرے کی لڑائی کی شکل میں تیار کیا تھا۔ مگر پرشیائی جرنیلوں نے ان کو سمجھنے میں غلطی کی۔ اور آسٹریائی فوج بچ کر نکل گئی گو اس کا چوتھائی حصہ کام آیا۔ چار سال بعد سیڈان کی لڑائی نے ثابت کر دیا کہ اب پرشیائی جرنیل سبق حاصل کر چکے تھے۔ اس موقع پر ان کے بالمقابل کی فرانسیسی فوج تعداد میں بھی ان سے کمتر تھی۔

مالٹکے نے اپنی تحریرات سے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ اندرونی اقدامی خطوط جن کا اس قدر چرچا تھا، در اصل ان کی قدر اتنی زیادہ نہ تھی۔ اس نے اپنے تجربے کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا: "اندرونی خطوط کا فائدہ صرف اسی صورت میں ہے جب آپ اپنے لئے اتنا فاصلہ محفوظ رکھیں کہ چند منزلیں طے کر کے پہلے ایک دشمن کے خلاف اقدامات کریں اور آپ کے پاس اتنا وقت موجود ہو کہ اسے شکست دے کر اس کا تعاقب کریں۔ اور پھر پلٹ کر دوسرے دشمن کی طرف توجہ کریں جسے اس دوران میں صرف نظر کے نیچے رکھا گیا ہو۔"

یہ کہا گیا ہے کہ مالٹکے کی تحریرات میں اس وقت کی پرشیائی فوجی برتری کا عکس موجود تھا۔ یہ اندازہ صرف ایک حد تک صحیح ہے۔ فرنکفرٹ کے معاہدے کے بعد پرشیا اطمینان کا سانس لے سکتا تھا۔ مگر ایک شرط تھی۔ یعنے اگر اس کے قریبی پڑوسیوں فرانس اور روس کے

فوجی تعاون کو روک لیا جائے۔ مالٹکے کو یہ خیال پہلی بار ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوا البتہ اس وقت اسے اتنی اہمیت حاصل نہ تھی۔ نوّے کے عاشرے کے پہلے برسوں میں جب فرانسیسی روسی معاہدہ وجود میں آیا تو یہ خیال اہم تزویراتی مسئلہ بن گیا۔ اس تحت میں بھی مالٹکے کا منصوبہ اس کی گزشتہ تزویرات کے خطوط پر تھا۔ یعنے پہلے ایک دشمن سے مقابلہ کیا جائے اور کم سے کم طاقت استعمال کی جائے تاکہ دوسرے دشمن کے مقابلے کے لئے برتر قوار مہیا کی جاسکیں جن سے اسے تباہ کیا جائے۔ اس کا مشورہ تھا کہ مغرب میں دفاع کیا جائے اور روس کے خلاف مہاجمہ اختیار کیا جائے۔ مالٹکے کے بعد دوسرے چیف آف جنرل سٹاف کاؤنٹ شلیفن نے ۱۸۹۴ء اس کے برعکس منصوبہ تیار کیا۔ اس کے بعد سے دو رخی جنگ کے تمام جرمن منصوبوں میں پہلا مہاجمہ مغرب کی جانب قرار پایا۔

(۳)

کاؤنٹ آلفرد شلیفن، ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوا۔ ایک معزز گھرانے کا چشم و چراغ تھا اس کے خاندان نے پرشیائی تخت و تاج کی خدمت کے لئے حکومت اور فوج میں متعدد افسر دئے تھے۔ اس کی خاموش طبیعت، اس کی کمزور بینائی اور اس کا شوقِ کتب بینی اس بات کی دلیل تھے کہ وہ فوج کے بجائے حکومت کے کسی دوسرے شعبے میں ملازمت اختیار کرے گا۔ البتہ جب وہ فوج میں جبری سال گزار رہا تھا تو اس نے افسر بننے کا فیصلہ کیا۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۱ء تک وہ فوجی کالج میں رہا۔ اس کے بعد جہاں جہاں وہ تعینات ہوتا رہا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل سے ہی اس کے افسروں نے اسے اعلےٰ سٹاف کے عہدے کے لئے نامزد کر رکھا تھا۔ ۱۸۶۸ء میں اسے پہلی آہن رجمنٹ کی کمان سونپی گئی اور وہ سات سال تک اس کا کماندار رہا۔ ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۶ء میں پنشن پانے تک وہ جنرل سٹاف پر رہا۔ پہلے مختلف شاخیں اُس کے تحت رہیں اور پھر ۱۸۹۱ء سے وہ چیف آف جنرل سٹاف رہا۔

۱۸۶۴ء میں جتنا تجربہ مالٹکے کو حاصل تھا اس سے کہیں زیادہ تجربہ اسے حاصل تھا۔ ۱۸۶۶ء کی جنگ میں شلیفن سوارہ جیش کے سٹاف کا رکن تھا۔ اس نے سیڈووا کی لڑائی اہی

حیثیت سے دیکھی اور اس سے بہت اثر لیا۔ مالٹکے کی ادائلی زندگی کی کشمکش کے ساتھ اگر مقابلہ کیا جائے تو شلیفن نے نہایت آسانی سے افتخار حاصل کیا۔ بلکہ ۱۸۶۶ء سے پہلے جنرل اسٹاف کے اثر کا ہمیشہ مقابلہ کیا جاتا رہا۔ سیڈووا اور سیڈان کے بعد جو طاقت اس بلند مرتبت عہدے کو میسر آگئی تھی وہ شلیفن کو مالٹکے کی طرف سے وراثت میں ملی۔ اس لئے شلیفن کو فوجی معاملات پر توجہ دینے کی مہلت مالٹکے سے بھی زیادہ ملتی رہی۔ شاید اسی لئے اس نے اپنے فوجی فیصلوں کے سیاسی نتائج کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ مالٹکے سیاست سے ہمیشہ علیحدہ رہتا تھا مگر وہ سیاسی قوادر کی طرف ہمیشہ توجہ دیتا رہتا تھا اور اپنی تزدیرات کو ان کے مطابق ڈھالا کرتا تھا۔ شلیفن اپنی زندگی بھر خالص فوجی مسائل کی طرف متوجہ رہا۔

گو ۱۸۹۱ء کے بعد جنرل اسٹاف کے اراکین اور اس کی شاخوں میں تبدیلی ہوتی رہی مگر ادارے کی حیثیت سے اس میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہوا۔ اس کے فرائض یہی رہے کہ وہ ایام امن میں فوج کی تعلیم کا ذمہ دار رہے اور اقدامات کے منصوبوں کی تیاریاں مکمل رکھے۔ فنی اعتبار سے شلیفن نے ریل کے خطوط کی ترقی، متحرک وزنی توپخانے کا اجرا، اور ریل کے مہندسی دستوں جیسے نئے شعبوں کو وجود میں لانے کے ذریعے فوج کی مزید نشوونما میں حصہ لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پہلی عالمی جنگ میں وزنی توپخانوں اور ریل کے مہندسی دستوں نے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیئے۔

صنعتی دور کے دو نمایاں نتائج یعنی سریع رفتاری اور فراواں صنعت میں سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ صرف آخرالذکر ہی کا جنگ پر اثر پڑ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ عہدِ جدید کی کثیر التعداد فوجوں اور ان کی بے پناہ فیری طاقت نے نپولین اور مالٹکے کے عہد کی متحرک جنگ کی تزدیرات کو ختم کر دیا ہے۔ مگر جو خاموشی سے اس نظریے کو قبول کرتے تھے شلیفن ان کو ٹوک دیتا تھا۔ شلیفن کی رائے میں مکمل تباہی کی تزدیرات ہی اس دور کے سماجی نظام کو بچا سکتی تھی۔ گو شلیفن نے کلی جنگ کی پیشگوئی نہیں کی۔ اس کے باوجود اس نے اتنا ضرور کہہ دیا تھا کہ آئندہ طولانی جنگ کی وجہ سے عظیم سماجی تبدیلیاں رونما ہو کر رہیں گی۔ تاریخ میں اس نے اپنا مقام عسکری مفکر اور فنِ جنگ کے استاد کی حیثیت سے پیدا کیا۔ معمولی مسائل اس کے فکر کو پریشان نہیں

کرسکتے تھے اور نہ ہی اتفاقی حادثات اسے الجھن میں ڈال سکتے تھے۔ گو ظاہرا طور پر وہ الگ تھلگ اور اپنے آپ میں گم رہتا تھا اس کے باوجود اس کی شخصیت میں ایسی شاہانہ مقناطیسی قوت مضمر تھی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں برقی رو بھر دیتا تھا۔ شلیفن کی موت عین اس وقت ہوئی جب بہت بڑے فیصلے کئے جا رہے تھے۔ وہ جنوری ۱۹۱۳ء میں آخر دم تک جرمنی کے عسکری مسائل کے حل کرنے میں محو رہا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کا سایہ پہلی اور پھر کسی حد تک دوسری عالمی جنگ کے اوپر منڈلاتا رہا۔ ۱۹۳۵ء کے دوران جنرل بیک، چیف آف جرمن جنرل سٹاف نے کہا کہ "وہ فنِ تزویرات کے مانے ہوئے استادوں کا سرتاج تھا۔"

۱۸۹۳ء کے فرانسیسی روسی تعاون سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر یورپ میں جنگ چھڑ گئی تو جرمنی کو دو رخی جنگ لڑنا پڑے گی۔ جرمنی کے لئے ناممکن تھا کہ وہ فرانس اور روس کی فوجوں کا مقابلہ اعداد و شمار کے میدان میں کر سکے۔ آسٹریا ہنگری کے لئے اپنے ہتھیاروں اور فوج میں اضافہ کرنا مشکل تھا۔ اٹلی کے متعلق یقین نہیں تھا کہ وہ ساتھ دے گا۔ اور دن بدن برطانیہ مخالف صف کی طرف جا رہا تھا۔ البتہ جرمنی کو مرکزی مقام کے فوائد بھی حاصل تھے اور اگر وہ تھوڑا سا خطرہ قبول کر کے اپنی طاقت کو اس طرح استعمال کرے کہ ایک محاذ پر شروع کے ایام میں زیادہ فوجیں رکھے تو نتائج اچھے برآمد ہو سکتے تھے۔ شلیفن کی رائے میں یہ وقتی برتری اُس محاذ پر استعمال کرنی چاہئے جہاں صرف چند لڑائیوں میں صرف فتوحات ہی حاصل نہ ہوں بلکہ جہاں جنگ کا اختتام جلد ہو سکے۔ مالٹکے کا نظریہ یہ رہا تھا کہ فرانس کے خلاف وفاع کیا جائے اور روس کے خلاف مہاجمہ اختیار کیا جائے۔ شلیفن کے خیال میں اس منصوبے پر عمل کرنے سے جنگ کا اختتام جلد نہیں ہو سکتا تھا۔ مالٹکے نے اس بات کی تنبیہہ بھی کر دی تھی کہ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۱ء کی جنگوں کے برعکس آئندہ کی جنگ کا طوالانی ہونا یقینی تھا۔

طوالانی جنگ کے خطرات سے بچنے کے لئے شلیفن نے ۱۸۹۴ء میں فیصلہ کیا کہ اگر یورپ میں جنگ چھڑ جائے تو جرمنی سب سے پہلے فرانس کے خلاف مہاجمہ اختیار کرے۔

۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان شلیفن نے وہ عظیم الشان منصوبہ تیار کیا جس کے مطابق جرمنی کو ایسا مہاجمہ اختیار کرنا تھا جس کی رو سے ابتدائی لڑائیوں سے زبردست

نہ ور حرکت وجود میں آجاتا اور جرمن فوج کا داہنا بازو لکسمبرگ، بلجیم اور جنوبی ہالینڈ سے ہوتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔ باوجودیکہ دو رخی جنگ میں فرانس کے خلاف اس قسم کے برق رفتار دھاوے سے بلجیم اور ہالینڈ کی غیر جانبداری کو نظر انداز کرنے سے سیاسی نتائج اچھے نہیں نکل سکتے تھے، جرمن جنرل سٹاف اور جرمن حکومت نے یکساں طور پر اسے قبول کر لیا تھا۔ مشرقی محاذ کا دفاع معمولی قوت سے کرنا تھا اور جرمن فوج کا ۸/۹ حصہ فرانس کی عظیم فوجی قوت کو تباہ کرنے کے لیئے مامور کرنا تھا۔ شلیفن کی امیدوں کے مطابق مشرق میں اندرونی خطوط اور دوری تزویرات کے ذریعے یہ امکان تھا کہ اعداد و شمار میں کمتر فوج بھی ختم حاصل کر لے گی۔ مشرقی محاذ پر فتح کا خواب ۲۸ اگست ۱۹۱۴ء کو ٹینن برگ کی لڑائی میں صحیح ثابت ہوا جس میں سیموناف کی فوج کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ شلیفن کو یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ مشرقی محاذ پر اس طرح کی لڑائی تزویرات جنگ کی اصلاح میں فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ اسے صرف اتنی امید تھی کہ اس محاذ کی فتح سے اتنا وقفہ حاصل ہو جائے گا جس میں مغرب کی عظیم لڑائیاں کامیابی سے اختتام کو پہنچائی جا سکیں گی۔

شلیفن کا رجحان کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ عسکری تاریخ کو نہایت سادہ سے رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جدید تدبیرات کے مطالعہ سے اس نے اپنے تزویراتی نظریات قائم کر لیئے تھے اور وہ اپنے جدید خیالات کو عہد قدیم کی جنگوں پر چسپاں کرنا چاہتا تھا۔ شلیفن کا عقیدہ تھا کہ دُوری و یینے گھیرے کی لڑائی جسے دشمن کے دونوں بازوؤں پر حملہ کر کے عمل میں لایا جائے کامیاب تزویرات کا بہترین نمونہ تھی۔ مزید برآں اس کا خیال تھا کہ تعداد کے لحاظ سے کمتر فوج کے لیئے بدیہی تھا کہ وہ اِس قسم کی تزویرات پر قدرت حاصل کرے۔ چنانچہ اس کے لیے فتح حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا۔ فریڈرک اعظم کا قول تھا کہ اگر جنرل اپنی چالیں صحیح طور پر چلے تو تعداد میں کمتر فوج کو فکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی نظریے کو شلیفن اپنے انداز میں پیش کر رہا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ جرمن فوج کا ہر افسر اس نظریے پر بھروسا کرے۔

شلیفن نے ۱۹۰۵ء میں جو یادداشت پیش کی اس میں وہ آٹھ سپاہ یعنی بہتر لشکروں کو استعمال میں لانا چاہتا تھا۔ مہاجہ جسے پہلے مرحلے میں وردون۔ ڈنکرک کے خط تک پہنچنا تھا

وہ ہٹز کے محور کے گرد گھوم رہا تھا۔ لام بندی کے اکتیس دن بعد اسے سوم پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اس کے بعد کا اور فیصلہ کن مرحلہ پائین سین کے خلاف اقدامات کی صورت میں شروع ہونا تھا اور سین کو عبور کرنے کے بعد لڑائی آخری مراحل میں پہنچتی تھی۔

شلیفن کے منصوبے کی جرأت اس خطرے میں مضمر تھی۔ جو وہ جرمن فوجوں کو داہنے بازو پر مجتمع کرنے میں لے رہا تھا اور اس طرح وہاں تعداد میں عظیم برتری پیدا کر رہا تھا۔ خیال تھا کہ جرمن اور فرانسیسی فوجیں تعداد میں مساوی ہوں گی۔ اس پُرامید منصوبے کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ السیس کا مقام قریب قریب خالی کر دیا جائے اور فرانسیسیوں کو بالائی رائن عبور کرنے کا موقع دے دیا جائے۔ شلیفن کو توقع تھی کہ فرانسیسی اپنے محفوظ قلعوں کو نہیں چھوڑیں گے اور اگر انہوں نے پیش قدمی کی تو جس وقت جرمن داہنے بازو کا گھومتا ہوا خطرہ ان کے عقب میں پہنچے گا۔ وہ اس کی مقناطیسی کشش سے عقب کو لوٹ آئیں گے۔ اگر انہوں نے یوں کیا تو اسے امید تھی کہ وہ مہم کی فیصلہ کن لڑائیوں میں بروقت نہیں پہنچ سکیں گے۔

۱۹۱۰ء میں شلیفن نے اپنے اور مالٹکے کے تزویراتی نظریات میں فرق پیش کیا: "۱۸۷۰ء میں ہم تعدادی طور پر برتر تھے۔ اس برتری کی وجہ سے ہمارے لئے ممکن تھا کہ دشمن کے ساتھ اتصال ہونے کے بعد ہم اس کے بازو کے گرد گھوم کر اس کے پہلو میں حملہ کر سکتے۔ اب ہم کبھی بھی امید نہیں کر سکتے کہ اعدادی برتری حاصل کر سکیں گے بلکہ بمشکل مساوی تعداد حاصل کر سکیں گے اگر انسان کل پر حملہ آور نہ ہو سکے تو ایک حصے پر ہی حملہ کر دے۔ اس کے بہت سے مختلف طریقے ہیں ...... دشمن کے بازو پر کس طرح حملہ کیا جائے؟ ایک یا دو جیشوں کے ساتھ نہیں بلکہ ایک یا دو سپاہ کے ساتھ اور ان سپاہ کی پیش قدمی کا رُخ دشمن کے پہلو کی طرف نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کے خطِ ارتداد کے خلاف ہونا چاہئے ....

شلیفن کے تزویراتی افکار کا نچوڑ ان الفاظ میں موجود ہے۔ اس نے جرمنی کی پوری نفری طاقت کی لام بندی کا مشورہ کبھی بھی نہیں دیا۔ تزویراتی افکار اور قابلیت کو وہ اعدادی برتری اور عظیم انسانی اجتماع پیدا کرنے تک ہی محدود نہیں رکھتا تھا بلکہ انہیں اور معانی بھی دیتا تھا۔
شلیفن کے اکثر نظریات اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو فریڈرک، نپولین

اور مالٹکے جیسے استادانِ فن نے اپنی روایات کی صورت میں اسے ورثہ میں دئیے تھے۔ البتہ شلیفن اپنے عظیم المرتبت اسلاف سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا۔ اس نے نہ صرف لام بندی، رسلیات، ابتدائی اجتماع اور مہاجمے کے صحیح رُخ کے بالتفصیل منصوبے کو مکمل کیا بلکہ فیصلہ کن لڑائی کے منصوبے کی تفصیلات بھی تیار کر لی تھیں۔ یہ امر ۱۹۰۵ء کے "شلیفن منصوبے" کو تاریخ تزویرات میں اہم مقام دیتا ہے۔ نپولین کبھی کبھی فخر سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنی مہم کے تمام مراحل کو پہلے سے سوچ لیا کرتا تھا۔ مگر بعض لوگوں کے بیانات اور اس کی سپہ سالاری کا عملی پہلو اس کی تردید کرتے ہیں۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ نپولین سے اگر پوچھا جاتا تو وہ مالٹکے کے اس بیان کے ساتھ اتفاق کرتا کہ "دشمن کا اختیارِ کلی" جنگ کے مراحل کو پہلے سے تعین کرنے نہیں دیتا۔ اس کے برعکس شلیفن کا عقیدہ تھا کہ دشمن کے اختیار کو سلب کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے شروع سے دفاع پر مجبور کر دیا جائے۔

شلیفن اس بات پر زور دیتا تھا کہ ایسے تزویراتی اقدامات کی کامیابی کا انحصار تمام محاذ پر چھا جانے میں تھا تاکہ دشمن اپنی طرف سے تزویراتی اقدامات نہ شروع کر دے۔ شلیفن کے منصوبے میں یہ بات نمایاں تھی۔ اس نے فرانسیسیوں کے لئے سوائے ایک راہ کے باقی سب راستے مسدود کر دئیے تھے۔ یہ ایک راستہ جو کھلا رہ گیا تھا۔ اس پر چلنے سے ان کی تکالیف میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ فرانسیسی، السیس، لورین کے خلاف مہاجمہ اختیار کر سکتے تھے۔ مگر اس سے انہیں فیصلہ کن نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس طرح وہ اہم مقام سے اپنی فوجوں کو بہت دور لے جاتے۔ اگر شلیفن کو اس طرح پوری جنگ کو ایک لڑائی میں تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کرنی تھی تو ضروری تھا کہ اول تو وہ لام بندی اور مہم کے منصوبوں کو بیک وقت تیار کرتا اور دوم لازمی تھا کہ وہ فوجی کمان کی تنظیم کو مکمل کرتا۔ اس نے کمانڈرِ اعلیٰ کو اسی شکل میں تصور کیا تھا جس شکل میں دنیا نے اسے پہلی عالمی جنگ میں دیکھا۔ "آج کا کمانڈرِ اعلیٰ نپولین نہیں ہے جو اپنے مشیروں اور سٹاف کے ساتھ ایک پہاڑی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ . . . وہ بہت عقب میں بہت بڑے مکان میں ہے جس کے وسیع کمرے ہیں، جہاں تار اور ریڈیو کی موجود ہیں ٹیلیفون اور مواصلات کی تمام سہولتیں موجود ہیں . . . یہاں نہایت آرام وہ کرسی میں بیٹھ کر عصرِ جدید کا سکندرِ اعظم پورے

میدانِ جنگ کو نقشے پر دیکھتا ہے ..."[2]

حرکی اقدامات کے دوران اور خصوصاً ایسے موقعوں پر جب چال کاری کے ذریعے سے کمتر تعداد کی فوج کی یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو تو عہدِ جدید کی فوجوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کا ارتباط نہایت گہرا اور مکمل ہو۔ اس لیے شلیفن اس بات پر بہت زور دیا کرتا تھا کہ جنرل سٹاف کے افسروں کی تربیت کے دوران تزویرات کو اہمیت دینی چاہیے۔

شلیفن کے بعد چھوٹے مالٹکے کے زمانے میں جرمن کمانِ اعلیٰ کی حالت بالکل بدل گئی۔ شلیفن کا پہلا مفروضہ یہ تھا کہ فوج کا کماندارِ اعلیٰ صحیح قسم کا رہنما ہوگا جو اپنے تزویراتی نظریات میں رد و بدل نہیں کرتا رہے گا اور عین نازک مرحلے پر اپنی بجائے اپنے سٹاف کے جونیئر افراد کو تاریخی فیصلے نہیں کرنے دیگا۔ ۱۹۱۴ء کی فرانسیسی مہم کو شلیفن منصوبے کی آزمائش بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ۱۹۱۴ء کے حالات ۱۹۰۵ء سے بالکل مختلف تھے۔ اس دوران میں روس نے مزید طاقت حاصل کر لی تھی۔ اور فرانس میں کرنل گرینڈ میسن کی تعلیم کے زیرِ اثر ہجومی جنگ کے نظریات جنرل سٹاف میں عام ہو گئے تھے۔ شلیفن نے داہنے بازو کے گھماؤ کا جو نقشہ پیش کیا تھا اس میں بھی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ شلیفن چاہتا تھا کہ فرانسیسی ایسا کوئی قدم نہ اٹھا سکیں جس سے مہم کی تزویرات پر اثر پڑ سکے۔ مگر مالٹکے نے "دشمن کے اختیار" کو موقع دے کر مہم کی نوعیت کو ہی بدل دیا تھا۔ اس ذہنی تبدیلی نے جرمن اعلیٰ کمان کے تزویراتی مقصد کے متعلق تذبذب سا پیدا کر دیا تھا۔

۱۹۱۴ء کی جنگ میں جرمن فوج کا داہنا بازو شروع سے ہی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ناکافی تھا جو شلیفن نے پیش کیا تھا۔ جرمن فوج کے لیے رودبار کے ساحل پر پہنچنا اور وہاں سے پیرس کی مغربی اور جنوبی جانب اقدام کرنا نہایت غیر یقینی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دو جرمن سپاہ کے بلجیم سے مشرقی پرشیا بھیج دیے جانے سے داہنا بازو اور بھی کمزور ہو گیا تھا۔ وہ مارن کی لڑائی سے غیر حاضر تھیں اور جب مشرقی محاذ پر ٹیننبرگ کی لڑائی لڑی جا رہی تھی۔ تو وہ اس وقت راستے ہی میں تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح حل یہ تھا کہ جرمن

۲۔ شلیفن۔ کینیے۔ ص ۲۷۸۔

آٹھویں فوج کو امداد دینے کے لئے مغربی محاذ کے جرمن بائیں بازو سے فوجیں لے جانی چاہیئے تھیں جہاں محفوظات بھی موجود تھے۔

باوجودیکہ شلیفن منصوبے کو بڑی حد تک کمزور کر دیا گیا تھا اور اس پر عمل نہایت بے دلی سے کیا گیا تھا پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۱۴ء کا جرمن مہاجمہ طاقتور تھا۔ شلیفن کا ۱۹۰۵ء کا منصوبہ مستقبل کی جنگ کے لیے اس کے اپنے خیال میں حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے مفروضہ قائم کر لیا تھا کہ فرانسیسی اپنے قلعوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ یہ صحیح تھا۔ البتہ جب وہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہو چکا تو اس نے محسوس کیا کہ فرانسیسی ایک نئے نپولیانائی تخیل کے زیر اثر مہاجمے کی طرف رجوع کر رہے تھے۔ اسے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ فرانسیسی، بلجیم کے راستے پہلے سے ہی نامور، برسکو، اینسٹورپ کے خط پرت پر کر کے جرمن مہاجمے کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن شلیفن کا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا۔ کسی بھی فرانسیسی افسر یا مؤرخ نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ فرانسیسی عسکری استخبارات کی اس سنگین غلطی کی کیا وجہ تھی۔

فوج سے عہدہ برآ ہونے کے بعد بھی شلیفن نے اپنے آپ کو تدبیراتی اور فنیاتی ترقیوں سے آگاہ رکھا۔ چونکہ اسے خدشہ تھا، کہ فرانسیسی، اینسٹورپ۔ نامور خط کو حاصل کر لیں گے۔ اور پھر لورین میں مہاجمہ اختیار کریں گے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جرمنی کے لئے یہ از حد ضروری تھا کہ وہ اپنے محاذ کے پیچھے طاقتور محفوظات کو قائم رکھے۔ البتہ اس کا عقیدہ اب بھی یہی تھا کہ جرمنی کے داہنے بازو کے ذریعے ہی عظیم تزویراتی نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ریل کے ذریعے رسلیات سے نئے تزویراتی مواقع حاصل ہونے کے امکانات بڑھ گئے تھے۔ بدبختی سے ۱۹۱۴ء کی جرمن اعلیٰ کمان نے یہ ثابت کر دیا کہ انھوں نے ابھی ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہیں آنے دیا تھا۔ ان کے برعکس فرانسیسیوں نے ثابت کر دکھایا کہ رسلیات کے نئے محرک ذرائع کے استعمال میں وہ جرمنوں سے بہت آگے تھے۔ موٹروں کو رسلیات کے لئے استعمال کرنے میں اولیت کا سہرا انہیں کے سر تھا۔ جب مارن کے مقام پر فرانسیسی محاذ پر دباؤ پڑنے لگا تو جنرل گیلینی نے پیرس کی ٹیکسیوں کے ذریعے ساٹھ ہزار

جو اا ستمبر ۱۹۱۴ء میں فلانڈرز پہنچا تھے۔

جرمن افسروں کا جہاں تک تعلق ہے ان کی نگاہ میں مان کی لڑائی شلیفن کی وقعت کو کم نہ کر سکی شلیفن کی تعلیمات سے مشرق میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ اور نو اور ۱۹۱۸ء میں جب جرمنی کو شکست ہوئی اس وقت بھی کسی کو یہ خیال تک پیدا نہ ہوا کہ شلیفن جدید جنگ کا استاد نہیں تھا۔ بلکہ جوں جوں جرمنی نے ہتھیار بندی کی۔ رفتار کو تیز کیا شلیفن کی وقعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ نئی جرمن فوج اس کی تعلیمات کی روح سے اثر لے کر تیار ہوئی تھی۔ اور اسے شلیفن کے پیش کردہ نظریات یعنے تزویراتی انتذام، حرکیت اور دُوری چال کاری کی کامیابی پر ایمان تھا۔ ان کے علاوہ پہلی عالمی جنگ کی شکست نے اور بھی بہت سے سبق جرمن فوج کو سکھائے تھے۔ جب ستمبر ۱۹۱۴ء میں جرمن مہاجمہ رک گیا تو دفاعی جنگ نے بہت بڑی اہمیت حاصل کر لی۔ ۱۹۲۳ء کے مابین بعد جب جرمنی ابھی نسبتہً کمزور تھا اس وقت جرمن جنرل سٹاف کے ذہن میں دفاع کا خیال بدرجۂ اتم رہتا تھا۔

اس سے بھی زیادہ اس تجربے کی اہمیت تھی جو سامنے کے حملوں سے حاصل ہوا تھا ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی خندقی لڑائی نے جرمن اعلیٰ کمان کو مجبور کیا کہ وہ فیصلہ کن لڑائی کے لئے کوئی نیا تزویراتی پہلو معلوم کریں۔ سامنے تدبیراتی حملوں نے محض شلیفن کے نظریے کی تائید کی تھی کہ دشمن پس قدمی پر مجبور ہو جائے گا۔ البتہ نئے مقامات پر از سر نو لڑنے کے قابل رہیگا۔ فیصلہ کن نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دشمن کے خطوط کو اپنی گہرائی تک کاٹا جائے کہ اس کے عقبی مواصلی خطوط خطرے میں پڑ جائیں اور اس طرح اس کی آزادیٔ عمل کو شل کیا جائے۔

جرمنی میں ۱۹۲۰ء کے بعد دو موضوع عام طور پر تنقیدی بحث کا ذریعہ بنتے رہتے تھے۔ اولاً ۱۹۱۴ء میں شلیفن منصوبے کی ناکامی اور دوم ۱۹۱۸ء کے موسم بہار کا مہاجمہ لیوڈن ڈارف عہد کے سب سے بڑے نقاد کرانٹ فان ڈل من شگن نے دوسری عالمی جنگ کے شروع ہونے سے دو سال قبل اس بحث کا خلاصہ اپنی کتاب "شگافِ محاذ"* بیں جو اس نے ہٹلر کی فوج

---

* شگافِ محاذ یعنے محاذ کے اگلے حصوں میں شگاف ڈال کر آگے بڑھ جانا۔

کے لیے لکھی تھی۔ شلیفن کے نظریات کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے: "محاذ میں شگاف ڈالنا سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔"[۳] اس کتاب میں اور اسی طرح دوسری جرمن مطبوعات میں بھی اس کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ ناگہانیت اور حرکیت کی طرف توجہ دی جائے اور مشین بردار اور موٹر بردار فوجوں کے استعمال کو ترقی دی جائے۔ ۱۹۳۰ء کے جرمن جنرل سٹاف نے ان خطوط پر غور و فکر کیا اور اس قسم کے تدبیراتی ذرائع کے استعمال کے امکانات کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ان کی توجہ خاص طور پر اس مسئلہ پر رہی کہ ایسے قرار کو کس طرح ہوائی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ استعمال کیا جائے۔ اس دور میں جرمن جنرل سٹاف کی خاص کوشش یہ رہی کہ وہ ایسی تدبیرات کو ترقی دیں جس کی مدد سے شلیفن کی دوری اور تباہ کن تدبیرات کو از سرِ نو عمل میں لایا جا سکے۔ اگر اس پہلو کو نگاہ میں رکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ فرانس کے خلاف جرمن حملہ بھی شلیفن کے تخیل کا مرہونِ منت تھا۔ البتہ شلیفن منصوبے کو دوسری زندگی عطا ہو سکی۔

شارن ہارسٹ اور نیسی ناؤ عسکری مصلح بھی تھے اور قومی مصلح بھی۔ جب وہ جنگ کے مسائل پر غور کرتے تھے تو ان کی نگاہ میں امن کا وہ زمانہ بھی ہوتا تھا جسے جنگ کے بعد آنا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ فوجی تنظیم نہایت دور اثر ہوا کرتی ہے اور ایامِ مابعد جنگ پر اُن کا اثر یقینی ہوا کرتا ہے۔ کلازوٹز بھی ان کا ہمنوا معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ یہ درس دیتا ہے کہ سیاست اور جنگ کی "منطق ایک ہی ہے۔ باوجودیکہ ان میں مختلف صرف و نحو استعمال ہوتی ہے۔ ویانا کی کانگریس کے بعد کا بے عملی کا دور کچھ اس نوعیت کا تھا کہ اس میں فوج کے درمیان اور سماجی اور سیاسی قوتوں کے درمیان ربط قائم نہ رہ سکا۔

جہاں تک مالٹکے کا تعلق رہا وہ عسکری معاملات میں چانسلر کو دخل دینے سے روکتا رہتا تھا۔ اس کے باوجود سیاسی معاملات میں وہ بسمارک کی رہنمائی کو ہمیشہ تسلیم کرتا تھا۔ بسمارک کی اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک نمایاں کامیابی نے فوج کو سہل پسندی کی طرف مائل کر دیا۔ انہیں اب نہ تو پارلیمان اور نہ ہی رائے عامہ کا خوف رہ گیا تھا۔ اُس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ فوج شاہی حکومت کے تمام احکام کو برضا و رغبت ماننے کے لیے تیار رہنے لگی اور ۱۸۹۰ء کے

۳۔ کے۔ کرافٹ فان ڈیلمین سنگن "شگافِ محاذ" ہمبرگ۔ ۱۹۳۷ء۔ ص ۴۰۵

بعد جب ولیم دوم نے ولیم اوّل اور بسمارک کے تمام فرائض کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت بھی فوج کی طرف سے انکار کا شائبہ تک نہ ہوا۔ تخت و تاج کے مشیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے شلیفن کا فرض تھا کہ وہ ولیم کی سیاست کے پیدا کردہ خطرات کے متعلق آواز بلند کرتا ولیم دوم اور ٹرپٹز کی بحری پالیسی نے برطانیہ کو مخالف صف میں کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر شلیفن نے حکومت کو اس بات کی مطلق تنبیہہ نہ کی، حالانکہ جرمنی کی دفاعی حالت اور اس کے دفاعی منصوبوں کی نوعیت ایسی تھی کہ بین قومی سیاسی فضا کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ شلیفن ملک کے دفاعی پروگرام میں جرمن بحریہ کے استعمال کے متعلق مطلق بے پروا نظر آتا تھا۔ جس طرز کی جنگ کا تصور شلیفن کے ذہن میں تھا۔ اس میں بحریہ کا کوئی نمایاں حصّہ نہ تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اس قدر مضبوط بحریہ کا تیار کرنا ملک کے سرمایہ اور نفری طاقت کو ضائع کرنا تھا۔ چنانچہ فوج کو ہمیشہ اس بات کا احساس رہا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے لیے روپیہ فراہم کرنے میں تامل کیا جا رہا تھا اور افسر امیدواروں کی تعداد میں اس قدر نمایاں کمی ہو گئی تھی کہ شلیفن منصوبے کی تکمیل کے لیے نئے لشکروں کی سخت ضرورت تھی اور ان کو پورا کرنے کے لیے افسر نہیں مل رہے تھے۔

شلیفن نے کبھی بھی ولیم دوم کے آمرانہ رویّے کی مخالفت نہ کی۔ فوجی معاملات میں بھی وہ شہنشاہ کو دخل دینے سے نہیں روکتا تھا۔ حالانکہ اس کی یہ دخل اندازی نقصان دہ ثابت ہو رہی تھی۔ جرمن شاہی خاندان کی وفاداری میں شلیفن کما حقہٗ منہمک رہا اور اسے یہ احساس تک نہ ہوا کہ بادشاہ کا عسکری معاملات سے واقف ہونا اسے لازمی طور پر جنگ کے اُلجھے ہوئے مسائل کا ماہر نہیں بنا سکتا تھا۔ عسکری اور سیاسی مسائل اس قدر الجھے ہوئے اور دقیق ہو گئے ہیں کہ ان کو حل کرنے کے لیے سالہا سال کے پیشہ ورانہ تجربے کی ضرورت ہوتی ہے اور زمانہ ماقبل کی طرح آج بھی "جنگ سیاست کا ایک عملی پہلو ہے۔"

مارن کی لڑائی کے بعد مغربی محاذ پر حرکتی جنگ کی ناکامی نے جرمنی کے نئے عسکری

مفکروں پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ قومی سیاست اور بین قومی سیاسیات یکساں طور پر جنگ کے مسائل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اب کلی جنگ کی لام بندی اور جنگی اقتصادیات کے نئے طریقے سوچنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مزید برآں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ زمینی تزویرات کے بجائے اب جنگ کا فیصلہ سمندری تزویرات پر ہوگا۔ شلیفن کے شاگرد ابھی ایسی جنگ کے حقائق کا سامنا کرنے کے قابل نہیں بنے تھے جس کے لڑنے کے لیے سپاہی، اقتصادی، اور نفسیاتی ہتھیار بھی اسی طرح استعمال میں لانے ضروری تھے جس طرح پیادہ یا توپ خانے کو استعمال کرنا بدیہی تھا۔ لوڈن ڈارف کا خیال تھا کہ وہ ان قوار کو بھی اسی آسانی سے استعمال میں لا سکے گا جس سے وہ فوج کی ہدایت کاری کر سکتا تھا۔ اس نے حکومت کو کمان اعلیٰ کے احکامات کے تحت لا کر جرمنی کو حقیقی آمریت میں تبدیل کر دیا۔ انجام کار فوج خانگی محاذ کے دفاع میں ناکام ثابت ہوئی۔

جنگ کے بعد ۱۹۱۸ء کے انقلاب میں فوجی افسر قدرتی طور پر عوام کے طعنوں کا ہدف بنے۔ فوج کے بہترین مفکر اس بات پر متفق تھے کہ لوڈن ڈارف کی غلطیوں کو نہ دہرایا جائے۔ اس کے یہ معنے تھے کہ وہ ہر اُس سیاسی جماعت کے ساتھ تعاون کرنے پر رضامند تھے جو انہیں شلیفن کے ایام کی طرح یہ مواقع دیتی رہے کہ وہ تزویرات کا فنی مطالعہ کرتے رہیں۔ بلکہ ان کے الفاظ میں انہیں "غیر سیاسی" مصروفیتوں سے نہ روکے۔ اس نظریے نے جرمن جنرل سٹاف کے قابل اور ذہین ترین افراد کو ہٹلر کے طاقت ور بننے کے خلاف اقدام کرنے سے روکے رکھا۔ جرمن سپہ سالاروں کو ہٹلر نے وہ تمام ہتھیار مہیا کر دیئے جس سے وہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ کو از سر نو شروع کرنے کے قابل ہو گئے۔ مگر ان پر ایک بار پھر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ "جنگ، سیاست کا ایک عملی پہلو ہے"۔ اس مرتبہ پھر ان کے اعمال کا انجام شکست ہوا گو انہوں نے اپنے منصوبوں کو کینئے کی شاندار تزویرات کے مطابق تشکیل دیا تھا۔ شلیفن اور اس کے پیرو ایک بات ہمیشہ فراموش کرتے رہے کہ ہینی بال کی فتوحات کے باوجود قرطاجنہ کو شکست ہوئی تھی۔

نواں باب

ڈیوپک اور فاش

فرانسیسی مکتب

سٹیفن ٹی۔ پاسونی اور اٹینی مانٹو*

نپولین کی شکست سے لے کر جرمنی اور اٹلی کے اندرونی اتحاد کی جنگوں تک کا زمانۂ صلح اِس قدر طویل تھا کہ عسکری نظریات کے نشو و نما میں جمود سا پیدا ہو گیا تھا۔ الجزائر کی فتح کی وجہ سے کسی حد تک نوآبادیاتی جنگ کے نظریات کی طرف توجہ دی جانے لگی تھی[1] مگر جہاں تک یورپی براعظم کا تعلق تھا، عقل و فراست کے تمام خزانے نپولین کی مہموں میں مضمر تھے جنہیں ژامینی اپنی تصانیف میں پیش کر چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اب مزید غور و فکر بے مصرف تھا۔

۱۸۶۶ء کی آسٹریائی، پرشیائی جنگ کے بعد فرانس کے عسکری ارباب حل و عقد کو احساس ہوا کہ ان کی فوجی تنظیم اور سٹاف سے متعلق کاروبار کا معیار کچھ اچھا نہ تھا۔ عجلت سے چند اصلاحات نافذ کی گئیں اور کسی حد تک عسکری مسائل پر مباحث بھی شروع ہو گئے۔ ان تمام مباحث میں آرڈنٹ ڈیوپک کی تصانیف کو سب سے زیادہ دوام حاصل ہے۔

(۱)

آرڈنٹ ڈیوپک کی زندگی کے متعلق زیادہ معلومات موجود نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ اس کی پیدائش پیری گوئی (دُرڈان) میں ۱۹ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو ہوئی اور وہ سان سیر کا فارغ التحصیل تھا

---

* ڈاکٹر پاسونی نے ڈیوپک سے متعلق حصہ لکھا ہے اور ڈاکٹر مانٹو نے فاش والا حصہ لکھا۔

۱۔ ملاحظہ ہو باب دہم۔

اس نے جنگ کریمیا میں حصہ لیا اور سیبسٹاپول کے مقام پر جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ بعد میں اس نے فوجی زندگی کو شام اور الجزائر میں از سر نو شروع کیا اور ۱۵ راگست ۱۸۷۰ء کے دن جب وہ اپنی پلٹن کی فرانسیسی پرشیائی جنگ میں رہنمائی کر رہا تھا مارا گیا۔ مرنے سے کچھ قبل اس نے اپنی کتاب "عہد عتیق میں حرب وضرب" شائع کی تھی۔ یہ کتاب دراصل چند افسروں کے لئے محدود اشاعت کے طور پر چھاپی گئی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں اس کی کچھ تحریروں کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس کی تمام تحریروں کو ۱۹۰۲ء میں یکجا کر کے "جنگ کا مطالعہ" کے نام سے شائع کیا گیا۔

ڈیوپک تسلیم کرتا ہے کہ اس کے عسکری افکار مارشل بیوگاڈ سے متاثر ہوئے ہیں۔ مارشل بیوگاڈ اس کا ہموطن تھا اور اس کے شہر پیری گوئی سے پارلیمان کا نمائندہ بھی۔ جہاں تک بیوگاڈ کا تعلق ہے اس نے نپولین سے زیادہ سوجیت سے اثر لیا تھا جس کا شمار نپولین کے بہترین سپہ سالاروں میں تھا۔ بلکہ جو باقی سپہ سالاروں کی نسبت زیادہ فن کار تھا۔ ڈیوپک پر بیوگاڈ کا کیا کچھ اثر تھا اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ جنرل ٹروچو کی کتاب "۱۸۶۷ء میں فرانسیسی فوج" سے اچھی طرح آشنا تھا جس میں ایک اہم باب محاربہ اور خوف اور عسکری نفرت یا اسے متعلق مسائل پر موجود ہے۔ خیال ہے کہ ٹروچو کی کتاب پڑھتے وقت ڈیوپک کو اپنی کتاب لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔

اس کو متاثر کرنے کا ایک اور ذریعہ خود اس کی اپنی فوجی زندگی تھی۔ اس کی عملی زندگی میں دو تجربات ایسے تھے جو اس کے ذہن پر نقش ہو چکے تھے۔ اوّل تو جنگ کریمیا میں عسکری قیادت کی نااہلیت اور دوسرے شام اور الجزائر میں اس کی جنگی خدمات، جہاں وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑی پلٹنوں کا نظریہ قابل قبول نظریہ نہیں"، اس لئے کہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ اکثریت کو فتح حاصل ہو۔ فرانس کی تربیت یافتہ فوج کو زیادہ تعداد کے عربوں کو شکست دینے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اردونٹ ڈیوپک نے ایک اور بات سے بھی ضرور اثر لیا ہوگا۔ ۱۸۶۶ء کی پرشیائی جنگ کے بعد فرانسیسی حلقوں میں فوجی اصلاحات کے متعلق نہایت گرم مباحث شروع ہو گئے تھے۔ ہر ایک

جاتا ہے کہ نیل اپنی پیش کردہ عسکری اصلاحات، پارٹی سیاسیات کی وجہ سے منوا نے میں ناکام رہا تھا۔ بونا پارٹسٹ پارٹی اپنے ووٹروں پر مزید عسکری بوجھ ڈالنے سے جھجک رہی تھی اور حزب مخالف کو یہ خوف تھا کہ اگر عساکر میں اصلاحات نافذ کر دی گئیں تو نپولین سوم کی حکومت مستحکم ہو جائے گی۔ ٹروچو کی کتاب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ ملک میں عسکری اصلاحات کی فوری ضرورت اور فرانسیسی افسروں کی جبری بھرتی سے نفرت کے درمیان سمجھوتے کے امکانات موجود تھے۔

اُرڈنٹ ڈیو پک نے فوجی مسائل کو نہایت فنی اور منطقی طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی مثلاً جنگ کی حقیقت کیا ہے؟ حرب وضرب اور لڑائی، یوں کہنا چاہیئے کہ دو مخالف گروہوں کا ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونا جنگ کی اصل بنیاد ہے۔ اس نے کوشش کی کہ جنگ کی بنیادی حقیقتوں کو معلوم کرے۔ کیونکہ اُسے وہ مبہم سی نظر آتی تھیں۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ان حقیقتوں کو ظاہر کیا جائے۔ اس کے لیے اس نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے اس نے ایک سوال نامہ تیار کیا جسے اس نے اپنے ساتھی افسروں کو بھیجا۔ یہ سوال نامہ ایک عجیب سی تحریر ہے جو آج بھی بہت کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔

اس نے پوچھا۔ جب دشوار گزار زمین سے گزر ہونے لگا یا جب خطرے کا قرب محسوس ہوا تو تمہاری وحدت کی ترتیب کا کیا حشر ہوا؟ فیر کس طرح شروع ہوا؟ اُسے کس طرح جاری رکھا گیا۔ اور سپاہیوں نے فیری حالات میں اپنے آپ کو کس طرح سنبھالا؟ ہلّہ کس طرح ہوا؟ کتنے فاصلے سے دشمن بھاگ کھڑا ہوا؟ تمہارا حملہ رک گیا تو وہ کیوں رُک گیا؟ دشمن کے فیر کی وجہ سے یا اس کی مضبوطی اور استقلال کی وجہ سے؟ تمہارے اور دشمن کے افسروں اور سپاہیوں کا ردِ عمل کیا تھا؟ وہ منظم رہے یا غیر منظم ہو گئے؟ شور بپا کیا یا خاموش رہے؟ ہلّہ کے دوران اور اس کے بعد کے ردِ عمل کو علیحدہ علیحدہ ظاہر کرو۔ کیا سپاہی ہمیشہ قابو میں رہے۔ کیا انہوں نے ہر موقع پر حکم کے مطابق کام کیا؟ اگر معرکے کے دوران انضباط قائم نہیں رہ سکا تھا تو یہ بتاؤ کہ عین کس وقت قابو سے ہٹ گیا تھا؟ بٹالین کمانڈر سے کس وقت؟ کمپنی کمانڈر سے کس وقت؟ اگر افسر اور سپاہی بدنظمی سے تتر بتر ہو گئے تھے تو یہ حالت کس وقت پیدا ہوئی۔

اس سوالنامے کے نتائج ڈیوپک کے لئے حوصلہ افزا تھے۔ اس لئے اس نے اس کے بجائے عہدِ قدیم کی فوجی تحریروں کی مدد سے جنگ کی حقیقتوں کو ازسرِنو ترتیب دینے کی کوشش کی۔ پرانے زمانے کی لڑائیوں کے مطالعہ سے ڈیوپک نے دو اہم باتیں معلوم کیں۔ ایک کو تو اس نے مارشل ڈی سیکسے کے الفاظ میں پیش کیا: "جنگ سے متعلق امور میں نکتہ آغاز قلبِ انسانی ہے۔" دوسرے یہ کہ عہدِ قدیم کی جنگوں میں فاتح اور مفتوح کے اتلاف کے تناسب میں ہمیشہ بہت بڑا فرق رہا ہے۔ مفتوح کے اتلاف ہمیشہ بہت زیادہ رہے ہیں۔

لڑائی کا فیصلہ اعداد و شمار پر نہیں ہوا کرتا۔ در اصل "لڑائی میں فتح کا انحصار ایمان پر ہے۔" "لڑائی میں دو روحانی طاقتیں برسرِپیکار ہوتی ہیں۔ ان کا یہ تقابل مادی عناصر سے بھی زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ طاقتور کو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ چال کاری . . . وار کا مقام دکھتی ہے۔ جس کے وار زیادہ خطرناک محسوس ہوں وہ جیتتا ہے۔"

فیصلے کا انحصار اس مادی تباہی پر نہیں ہوتا جو ہتھیاروں کے ذریعے سے واقع ہوتی ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف اسی فریق کو شکست ہو جسے مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس فریق کے افراد کی روحانی پیوستگی میں انتشار پیدا ہو جائے اسے شکست کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہتھیار اسی حد تک کارگر سمجھے جائیں گے جس حد تک وہ دشمن کے حوصلے اور ایمان کو متزلزل کرنے میں کامیاب ثابت ہوں۔ لڑائی دو فریقوں کی قوتِ ارادی کے درمیان ایک تصادم ہے۔ دو حوصلوں میں مٹھ بھیڑ۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ یہ دو مادی طاقتوں کے درمیان مقابلہ ہے۔ اگر مادیت کو کچھ تعلق ہے تو وہ صرف محدود دائرے میں: "جب مادی وسائل کی برتری پر بھروسا کیا جاتا ہے تو بسا اوقات دشمن کی قوتِ ارادی اس بھروسے کو ناکام بنا دیتی ہے . . . . (اس لئے) کہ اگر اس کا ایمان حادی ہو جائے . . . . تو پھر تم بھاگ کھڑے ہوتے ہو . . . . . ."

"اگر دونوں فریقوں کا ایمان مساوی ہو اور گھمسان کا رن پڑ جائے تو دونوں کو تباہ ہو جانا چاہیے۔ پھر فاتح کوئی نہیں ہوگا۔ فطرتاً انسان قریب سے لڑنے کے بجائے فاصلے پر رہ کر لڑنا پسند کرتا ہے۔" "جب دو صفیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو زیادہ نقصان فوراً نہیں

ہوتا۔ ہوتا یوں ہے کہ ایک فریق بلہ بولتا ہے اور دوسرا پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور پھر قتل عام شروع ہو جاتا ہے۔ دشمن کی اتلاف اس وقت واقع نہیں ہوتیں جب ٹکر ہوتی ہے بلکہ اس وقت اس کے زیادہ آدمی کام آتے ہیں جب اس کا تعاقب کیا جا رہا ہوتا ہے۔

اس لئے عسکری فکر کا نکتۂ آغاز عسکری محاسن یعنے دلیری نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خوف ہونا چاہیئے۔ انسان کے قلب کو بدلنا مشکل ہے۔ ہاں انضباط میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ وہ سپاہی کو چند لمحات اپنے خوف پر قابو پا لینے کے قابل بنا دے۔ اور یہی وہ چند لمحات ہیں جو فتح کے ضامن بننے کے لئے اہم ہوتے ہیں۔ "ایک خاص نکتہ ہوتا ہے جس تک سپاہی اگلی صفوں میں اپنے خوف پر قابو پائے رکھتا ہے۔ اس کے بعد ضروری ہوتا ہے کہ وہ فعلاً لڑائی شروع کر دے۔" ڈیوپاپ کو جنرل بورباکی کے دلچسپ مگر حقیقت افروز قول سے مکمل اتفاق تھا۔ یعنے حملہ بھی ایک بہانہ ہے۔ "آگے بڑھ کر بچاؤ کا ایک ذریعہ۔"

صد ماتی تدبیرات کی کامیابی کے متعلق جو عام خیال رہا ہے وہ پہلے بھی صحیح نہیں تھا اب موجودہ حالات میں اس کی کامیابی میں مزید دقتیں واقع ہو چکی تھیں۔ عصر جدید کے سپاہی کا اہم ذہنی کام یہ ہے کہ وہ پرانی عصبیتوں سے چھٹکارا حاصل کرے اور اس طرح کی نئی تدبیرات کو وجود میں لائے جن کی مدد سے جوان اپنی انتہائی قوتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ تدبیراتی طور طریقوں کو ہمیشہ بدلتے رہنا چاہیئے۔ نپولین کا قول ہے کہ فوج ہر دس سال کے بعد اپنی تدبیرات میں تغیر پیدا نہیں کرتی۔ وہ جمود کی وجہ سے اپنی قابلیت کھو بیٹھتی ہے۔

انضباط اور حوصلے کا انحصار کسی حد تک تو تنظیم اور افسروں کی قابلیت پر ہے اور کسی حد تک اس عنصر پر ہے جسے ہم عسکری معاشرتیت کہہ سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ افسروں کی تربیت اس حد تک کی گئی ہو کہ وہ دشمن کے اقدام کی پیش بینی کرنے کے قابل ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ اہمیت استقلال کی ہے۔" فارمولا یوں ہو گا۔ الف (برائے استقلال) اور الف اور ہمیشہ الف اور الف دنیا کی تمام طاقتوں سے زیادہ ہے۔" پُر استقلال افسروں کے علاوہ ہر کمپنی میں پُر استقلال عہدیدار اور سپاہیوں کا عنصر ہونا چاہیئے جو حوصلہ مندی کے لحاظ سے اس وحدت کی بنیاد کا کام دے سکیں۔ جب نازک موقع آئے تو ان کے گرد

محکم محاذ قائم ہو سکے اور جو کمزور دل ساتھیوں کی ہمت بندھوا سکیں۔ اور اُن کا دل بڑھاتے رہیں۔ ڈیوپک جرأت کو بدنی قوت کا مترادف نہیں مانتا۔ اس کی نگاہ میں جرأت کا شمار ایمانی خاصیتوں میں ہوتا ہے اور وہ قوتِ ارادی اور استقلال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ مزید براں سپاہی کی انفرادی خصوصیتوں کا سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ پوری وحدت کے متحدہ استقلال اور نفسیاتی امتزاج پر کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔ جب صحیح معنوں میں "روحِ رفاقت" وجود میں آجاتی ہے تب جاکر کہیں محکم، واضح اور یگانگت افروز اعتماد پیدا ہوتا ہے "جو جنگ و جدال کی افراتفری میں زائل نہیں ہو سکتا اور جو حقیقی سپاہی کا ما بہ الامتیاز ہوتا ہے۔ یہ اصلی فوج کی پہچان ہے۔ ایسے جواں مرد جو جان دینا جانتے ہیں۔ بغیر پلک جھپکائے۔۔۔۔۔۔"

آرڈونٹ ڈیوپک قواعد، تربیت، عسکری تعلیم اور فوج کے نفسیاتی امتزاج کی ضرورت کے بار بار ذکر سے اکتاتا نہیں۔ "جب ہر طرف سکون چھایا ہوا ہو اور جوان کھانا کھا کر نہایت آرام سے جنگ اور لڑائی کے متعلق گفتگو کر رہے ہوں تو ان کے دلوں میں عزت و غیرت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں مگر ان جذبات کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس وقت ان کی اکثریت جان دینے کو تیار ہوگی۔۔۔ البتہ اگر انہیں کئی دن بلکہ کئی ہفتے کے کوچ در کوچ کے بعد میدانِ جنگ پر لیجایا جائے۔ اور پھر لڑائی کے دن معرکے سے پہلے چند گھنٹے انتظار میں رکھا جائے۔ اگر وہ سچے ہیں تو بتا دیں گے کہ تکان اور ذہنی اضطرار کس قدر حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ مہینہ بھر پہلے جب وہ کھانے سے فارغ ہو کر قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اس وقت کے مقابلے میں اب بہت کم رغبت سے لڑنے پر آمادگی ظاہر کریں گے۔" ہاں ایک بات ضرور ہے۔ وہ اس تھکان اس ذہنی اضطراب و اضطرار اور اس پست حوصلگی کا مقابلہ نہایت کامیابی سے کر سکیں گے اگر انہیں اپنے مقصد کی سچائی کا صمیم قلب سے یقین ہو۔

مقدار کے مقابلے میں معیار پر زور دیتے وقت ڈیوپک ان خیالات کا اظہار کر رہا تھا جو بعد میں جنرل سیکٹ اور جنرل ڈی گال نے پیش کئے۔ شروع سے ہی ڈیوپک اس بات کا قائل تھا کہ "جمہوری معاشرہ فطرتاً عسکریت کے مخالف ہوتا ہے۔" یہ درست ہے کہ ۱۸۷۰ء سے قبل کی فرانسیسی فوج کو تعداد کے علاوہ بھی بہت سی اصلاحات کی ضرورت تھی گو نپولین

صرف تعداد پہ زور دے رہا تھا مگر اس کے باوجود ڈیوپک کے پیش کردہ نتائج کو مکمل طور پہ صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ عسکری روایات اور بہادرانہ جذبات کے لئے امرا طبقے کا وجود ضروری نہیں۔ اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جمہوری معاشرہ بھی جنگ جاری رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈیوپک مشورہ دیتا ہے کہ افسروں کو امیرانہ ٹھاٹھ باٹ رکھنا چاہئے۔ یعنے وافر روپیہ تھوڑا کام اور آرام دہ زندگی۔

گزشتہ زمانے میں بھی کامیاب افسر صرف وہی تھے جو محنت کے عادی ہوا کرتے تھے۔ ان کے معیار زندگی کے بلند ہونے کے یہ معنے نہ تھے کہ وہ تساہل پسند ہوا کرتے تھے۔ آج کل اس بات کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہئے کہ جو افسر اپنے سپاہیوں سے طبقاتی لحاظ سے بہت زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ ان کی کامیابی بھی یقینی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جو افسر اپنے سپاہیوں سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے۔ وہ زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ اِس صداقت کو موجودہ دور کے عسکریت پسند جرمنی نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔ مختصراً یہ کہنا درست ہوگا کہ ڈیوپک نے سپاہی کے ذہنی عمل اور ردِّ عمل پر اثر ڈالنے کے ذرائع معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

آج کل کے حالات کے تحت قابلیت ہی ترقی کا زینہ ہونا چاہئے اور عزت، وافتخار بلکہ شاید دولت کا ذریعہ بھی یہی ہونا چاہئے۔ فتح کی پہلی شرط یہ ہے کہ عسکری تنظیم کی بنیاد یہ ہو کہ ترقی صرف قابلیت کی بنا پر دی جائے۔ اگر فرانسیسی جنرل سٹاف ڈیوپک کی اچھی تجویزوں پر عمل کرتا اور جہاں وہ غلط تھا وہاں اسے رد کرتا تو ۱۹۱۴ء میں فرانس کے بے اندازہ اتلاف بچ جاتے محفوظات کے خلاف جو تعصب پیدا ہو چکا تھا اس کی وجہ سے ۱۹۱۴ء میں جافرے اجرمنوں کے خلاف صرف آدھی فوجوں کو استعمال میں لا سکا۔ آج کل کی فوجوں کی تنظیم میں عقل کا استعمال ضروری ہے۔ ہر قوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قائم فوج کے علاوہ جس قدر زیادہ تعداد میں بھی ممکن ہو تربیت یافتہ محفوظات کو استعمال کرے۔ اور ان محفوظات کو اپنی دفاعی ضروریات کے مطابق اعلےٰ تربیت دے۔

مشہور فرانسیسی مکتب خیال نے جس کا اصول "ہر حالت میں مہاجمہ" تھا۔ یہ نظریہ ڈیوپک سے لیا تھا۔ بالخصوص اس قول سے کہ "وہی جیتے گا جس میں آگے بڑھنے کی قوت ارادی موجود ہو"۔

اِس فقرے کی ترجمانی انہوں نے یہ کی کہ کسی بھی حالت میں اور کسی بھی وقت کیوں نہ ہو جو مہاجمے کی طرف رجوع کیا جائے تو کامیابی یقینی ہوگی۔ یہ کہنا بے سود ہوگا کہ ڈیو پک کی یہ غیر منطقی اور تنگ نظر ترجمانی غلط ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ڈیو پک کے اساسی نظریات وزنی ہیں اور انہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ قلب انسانی پر ہی جنگ کی بنیاد ہے۔ لڑائی کے خطرات قتل و خون اور ذہنی کشمکش کے سبب یہ قلب خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جنگ میں معیار کی اہمیت مقدار سے کہیں زیادہ ہے۔ اور آخر میں یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کل کے طاقتور ہتھیار محض اس لئے کارگر نہیں کہ وہ ہنوں بھاری فولاد کو دشمن پر پھینکتے ہیں۔ بلکہ اِس لئے کہ "یہ نئے ہتھیار بزدل سپاہیوں کے ہاتھوں میں بیکار ہو جاتے ہیں چاہے ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔" اِس میں کوئی شک نہیں کہ آرڈنٹ ڈیو پک عصرِ جدید کی جنگ کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جن میں سے اکثر کا حل تو کجا ان پر بحث بھی شاذ و نادر کی گئی ہے

(۲)

اگر سیڈووا کی لڑائی کے بعد بعض فرانسیسی افسروں کے ذہن میں فرانس کی عسکری تنظیم کی صحت کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے تھے تو ۱۸۷۰ء کی جنگ نے حقیقی معنوں میں ان سب کو بیدار کر دیا۔ اس تباہی کے متعدد سبب تھے۔ البتہ کمانِ اعلیٰ کی ناقابلیت سب سے زیادہ واضح تھی جن پرشیائی جرنیلوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا۔ ان کی تربیت نظریاتی اور عملی اعتبار سے مکمل طور پر ہو چکی تھی اور ان کی مدد کے لئے نہایت منظم سٹاف موجود تھا۔ اس تقابل کے بعد فرانسیسی جرنیلوں نے اس قدر جہالت، گھبراہٹ اور غیر ذمہ داری دکھائی کہ ان کے سپاہیوں کی بہادری بھی انہیں آڑے نہ آسکی۔

۱۸۷۱ء میں فرانسیسی جنرل سٹاف کو جرمن جنرل سٹاف کے نمونے پر از سرِ نو تنظیم دی گئی۔ یہ بھی ضروری تھا کہ افسروں کو اس قسم کی تعلیم دی جائے جو انہیں موجودہ زمانے کے سٹاف پر کام کرنے کے قابل بنائے۔ ۱۸۷۸ء میں فوجی کالج کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور ۱۸۸۰ء کے بعد

سے وہ فوج کے ذہنی ارتقار کا مرکز بن گیا۔ فرانسیسی عسکری تخیل کی نشاۃ ثانیہ جو فرانسیسی پرشیائی جنگ اور پہلی عالمی جنگ کے درمیانی عرصے میں واقع ہوئی وہ محض قدیم اور روائتی عسکری اداروں کو جدید تشکیل دینے تک محدود نہیں تھی۔ نئے اثرات ظاہر ہوتے رہے اور انہوں نے بہت سی تبدیلیاں رونما کیں۔ آرڈونٹ ڈیوپک کی کتاب "جنگ کا مطالعہ" ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی تھی اور منظر عام پر آتے ہی ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ایک نیا پس منظر پیش کر دیا ہے فرانسیسی چونکہ اپنی شکست کے اسباب معلوم کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے مطالعہ کے دوران جرمن عسکری ادب کی طرف بھی توجہ کی اور پہلی بار کلازوٹز کی تصانیف سے روشناس ہوئے۔ فرانس کے عسکری تخیل پر اُن کا فوری اور گہرا اثر پڑا۔

۱۸۸۵ء میں جب کارڈو پہلے پہل فوجی کالج میں کلازوٹز پر اپنی تقاریر پیش کر رہا تھا۔ اس وقت ایک نوجوان افسر فرڈیننڈ۔ فاش کالج میں داخل ہوا۔ نو سال بعد یعنے ۱۸۹۴ء میں وہ خود کالج میں پروفیسر بن کر لوٹا۔ نئی معلومات کی پرانی روایات کے ساتھ پیوند کرنے سے وہ فرانسیسی عسکری تخیل کا نیا علمبردار بن گیا۔ فرانسیسی افسروں کی ذہنی ارتقا اور زاویہ نگاہ کے بدلنے میں فاش پہلی عالمی جنگ سے قبل نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔

(۳)

اپنی کتاب "اصولِ جنگ"[۳] کے پہلے باب میں فرڈیننڈ فاش اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ جنگ صرف میدانِ جنگ میں ہی سیکھی اور سکھائی جا سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میدانِ جنگ میں مطالعہ کا امکان ہی نہیں اس لئے کہ وہاں فرد انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی معلومات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کر گزرتا ہے"[۴] اس لئے تھوڑے سے عمل کے لئے بھی بہت سے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی لئے تاریخی واقعات کی روشنی میں جنگ کا علم نظری سیکھنے کی ضرورت بھی ہے اور امکان بھی۔ اپنے "اصول" کے تعارف میں وہ کہتا ہے "بھٹکے ہوئے ملاحوں کو راستہ

۳۔ فرڈیننڈ فاش "اصولِ جنگ" ترجمہ از ہلیر بیلاک (نیو یارک ۱۹۲۰)

۴۔ ایضاً ص ۵

دکھانے کے لئے چرواہوں کے الاؤ کس قدر مفید ہیں۔" ۱۹۱۴ء کی جنگ سے پہلے فاش نے جو دو کتابیں شائع کیں ان سے ظاہر ہے کہ علمائے نظری میں سے اس نے سب سے زیادہ اثر کلازوٹز سے لیا۔ فاش کو اولیت کا مقام اس لئے نہیں عطا ہوتا کہ اس نے نئے تزویراتی نظریات پیش کئے بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے چند ایسے سیدھے سادے خیالات پر زور دیا جو آج تک اس کی روایات کی یاد تصور کئے جاتے ہیں۔ یہ نکات اس کی شخصیت کے دو پہلو واضح کرتے ہیں۔ بلندیٔ ذہن اور منطقی استدلال، اور دوسری طرف روحانی عنصر اور قوتِ ارادی کی بلند مقامی۔ فاش اپنی پہلی کتاب کے شروع میں کہتا ہے کہ مستقل اقدار رکھنے والے اصول موجود ہیں۔ مگر وہ جلد ہی یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ ان اصولوں کو استعمال کرتے وقت مقامی حالات کی نوعیت کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ شروع ہی میں ہمیں فاش کے عقیدے کا راز معلوم ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بعد میں اس نے اپنا عمل اپنی تعلیم سے مختلف خطوط پر کیوں روا رکھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کی تعلیمات نامکمل تھیں اور میدانِ جنگ کی حقیقتیں بے پایاں۔ البتہ مستقل اور محکم اصولوں اور فنِ جنگ کی بدلتی ہوئی صورتوں کے درمیان فاش نے شروع سے ہی سمجھوتہ کر لیا تھا۔

فاش مسلسل تدبر و تفکر اور موقع شناسی کو اہمیت دیتا ہے۔ اس بنا پر اس نے ۱۸۶۶ء کی جرمن مہم کی نکتہ چینی کی۔[5] فاش تیاری کی اہمیت کے مقام کو کمتر نہیں دکھاتا البتہ اس کا عقیدہ تھا کہ پہلی لڑائی کے بعد اقدامی منصوبے کو پہلے سے مکمل کرنا ناممکن تھا۔ فاش تسلیم کرتا ہے کہ مالٹکے بھی اس طرح کے منصوبے کے امکانات کو نہیں مانتا مگر وہ ۱۸۷۰ء کی مہم کی نکتہ چینی اس پہلو سے کرتا ہے کہ اس میں کمانِ اعلیٰ کی طرف سے بے عملی کا ثبوت دیا گیا بخصوصاً اس وقت کے بعد سے تو کمانِ اعلیٰ نے مطلق خاموشی اختیار کر لی تھی۔ جب مختلف سپہ سالاروں کو احکام مل چکے تھے اور منصوبے کی تکمیل ان کے اقدام پر چھوڑ دی گئی تھی۔ فاش کے خیال میں فرانسیسی فوج کی شکست کی وجہ جرمن منصوبے کے محاسن پر منحصر نہیں تھی بلکہ فرانسیسی کمانِ اعلیٰ اپنی اہلیت کی وجہ سے جرمن خامیوں سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہی تھی۔ ان میں سب سے

۵۔ جنگ کی ہدایت کاری (پیرس ۱۹۰۵ء)

بڑی خامی اقدامی منصوبے میں لچک کا فقدان تھا اور ساتھ ہی ساتھ کمان اعلیٰ کی طرف سے مسلسل ہدایت کی غیر موجودگی۔ فاش کا یہ نظریہ اس لئے بھی قابلِ غور ہے کہ آج کل یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ ۱۹۱۴ء میں جرمن شکست کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کی کمانِ اعلیٰ نے اقدامات میں دخل دینے یا وقتاً فوقتاً ہدایت کرنے سے کنارہ کشی کر لی تھی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فاش کے "عام اصول" کیا تھے اور کس نوع کی جنگ پر ان کا اطلاق ہوتا تھا۔ بہتر ہوگا کہ ہم اس کے عام اصولوں پر نگاہ ڈالنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ جنگ کے متعلق وہ کس قسم کا مفہوم پیش کرتا ہے۔

گو فاش کا جنگ کے متعلق مفہوم کلازوٹز سے بالکل مشابہ تھا۔ اس کے باوجود یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کلازوٹز نے ان نتائج کو یکجا کر دیا تھا جو انقلابِ فرانس کی پیدا کردہ جنگوں کی وجہ سے ظہور میں آئے تھے یعنے وہ تبدیلیاں جو محدود جنگ کے بجائے قومی جنگ کے وجود میں آنے سے رونما ہوئی تھیں۔ اس لئے "جنگِ مطلق" کا تخیل یا اس کی خصوصیات فرانسیسیوں کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ اور تعجب یہ تھا کہ اسی حقیقت سے کوتاہی برتنے کی وجہ سے فرانس کو ۱۸۷۰ء میں شکست ہوئی تھی۔ "چونکہ ہم نے اپنے پڑوسیوں کی اس عظیم تبدیلی کو محسوس کرنے میں کوتاہی برتی تھی۔ ... اس لئے ہم خود جنگِ مطلق کے بانی ہوتے ہوئے اس کا شکار ہو گئے ... آج ہم مجبور ہیں کہ ایک بار پھر جنگ کا مطلق تصور قبول کریں[6] ...."

باوجودیکہ فاش جنگ کے لئے "مطلق" کی صفت کا استعمال کرتا ہے پھر بھی واضح ہے کہ ۱۹۱۴ء کے بعد جو معانی اس لفظ کو دیے جانے لگے وہ ابھی اس کے تصور میں نہیں آئے تھے۔ اسے کلی اقتصادی لام بندی کا نہایت ہی خفیف سا احساس تھا۔ بلکہ چار سال کے جنگی تجربے کے بعد بھی اس پر بحری اقدامات کی اہمیت واضح نہ ہو سکی۔ وہ کثیر التعداد عناصر جو جنگ کے فیصلے پر اثر ڈالتے رہتے ہیں انہیں فاش نہ سمجھ سکا اور اس کا ذہن صرف فوجی اہمیت پر مرکوز رہا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے نظریات میں "لڑائی" کی اہمیت پر زور دیتا رہتا ہے اور تزویرات و تدبیرات کے درمیانی تعلق کو پیش منظر میں رکھتا ہے۔ فاش نے غیر مشروط طور پر کلازوٹز کے

۶۔ اصول۔ ص ۲۵

نقطۂ نظر کو قبول کر لیا ہے یعنے جنگ کا خاتمہ صرف "لڑائی" پر منحصر ہے اور نپولین کے طریقے قابل تقلید ہیں۔ کلازوٹز نے کہا تھا "فتح کی قیمت خون ہے۔" اس کی ہمنوائی میں فاش کہتا ہے لڑائی کے بغیر فتح ممکن نہیں۔"

اس اصول کا نتیجہ یہ تھا کہ نپولین کی "لڑائی" کی "بربریت" دوبارہ عود کر آئی۔ یہی نہیں بلکہ اب اس کی پشت پناہی کے لیئے عصر حاضر کی فنیاتی اختراعات بھی موجود تھیں۔ فاش کا عقیدہ تھا کہ "جنگِ مطلق" کے قوانین تیار کیئے جا سکتے تھے اور اسی لیئے اس نے اپنے مشہور "اصولِ جنگ" پیش کیئے۔

اس کے پیش کردہ اصول یہ ہیں؛

"قوا میں کفایت کا اصول۔

آزادئ عمل کا اصول

قوا کو آزادی سے استعمال کرنے کا اصول۔

حفاظت کا اصول وغیرہ . . . . ."

کہا گیا ہے کہ وغیرہ کے لفظ سے جو لامحدودیت ظاہر ہوتی ہے اسے کتاب کے باقی حصول میں کہیں بھی صاف نہیں کیا گیا۔ اگر ہم فاش کے "اصولوں" پر تفصیل سے غور کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ "آزادئ عمل کے اصول" اور "قوا کو آزادی سے استعمال کرنے کے اصول" میں واضح فرق نظر نہیں آتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فاش نے اپنے طلبا پر اس اصول کی اہمیت جتانے کے لیئے دو مختلف طریقوں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ دشمن کی قوت آزادی سے آزاد رہنا اور اپنے اقدام کو قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ دوسرے اصول زیادہ اہم ہیں۔" مثلاً قوا میں "کفایت شعاری" جسے "آزادئ عمل کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے اور "حفاظت" کا اصول جو "کفایت شعاری" کو عمل میں لانے کے لیئے بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

فاش کے مطابق جدید جنگ کی افراتفری، ہنگامہ اور شور و پکار کے پیدا کردہ خطرات کے باوجود اگر توازن قائم رہتا ہے یا "فنِ جنگ" کے احیاء کا امکان رہتا ہے تو اس کی وجہ صرف

۷۔ لڈل ہارٹ۔ فاش (لندن ۱۹۳۱ء) ص ۲۳۔ ج ۶۰۔

یہ ہے کہ قوار کے استعمال میں "کفایت شعاری" کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ نظریاتی اقتصادیات میں "عقلی احصار" کا اصول استعمال میں لایا جاتا ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر عائد ہوتا ہے۔ فاش کے اس اصول کو "عقلی احصار" کے اصول کے ساتھ مشابہت دی جا سکتی ہے۔

اس طرح کے عام اصول کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ لاتعداد اور مختلف النوع صورتِ حالات کے لئے قوانینِ عمل بھی پیش کر سکتا۔ مثلاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حملے کے لئے ہمیشہ تمام قوار کا مجتمع کیا جانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے اجتماع میں یہ بھی امکان تھا کہ دشمن ایسی جگہ پر ناگہانیت میں کامیاب ہو جائے جہاں کے متعلق شک و شبہ تک نہ ہو اور یوں "حفاظت" کے اصول کی خلاف ورزی کا امکان ہو جائے[9]۔ ۱۸۷۰ء کی جنگ کے اوائل ایام میں بھی اس اصول کی طرف سے کوتاہی فرانسیسی افواج کی تباہی کا باعث بنی تھی۔ فاش نے اپنی کتاب "اصول" کا آدھا حصہ صرف "حفاظت" کے اصول کی بحث پر صرف کیا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر فاش کے اپنے الفاظ میں کیا جا سکتا ہے۔

"حفاظت کا تخیل ..... دو حصوں ..... میں تقسیم ہوتا ہے۔

"۱۔ مادی حفاظت ..... اس سے مراد وہ احساس ہے جو خطرات کی موجودگی میں بھی اپنے محفوظ ہونے کے متعلق پیدا ہوتا ہے ..... جب قیام اور کوچ محفوظ حالت میں کئے جا سکیں۔"

"۲۔ تدبیراتی حفاظت ..... اگر یہ موجود ہو تو خطرات کے ہوتے ہوئے بھی لائحہ عمل کو جاری رکھا جا سکتا ہے باوجودیکہ احکام موصول ہو چکے ہوں ان پر عمل کیا جا سکتا ہے ..... علاوہ ازیں جو کچھ بھی کیا جائے وہ دشمن کے ہر ممکن عمل کے باوجود یقین اور پورے اہتمام کے ساتھ ہو اور اپنی آزادیٔ عمل کو ہر لمحہ برقرار رکھا جائے"[10]۔

فاش مزید لکھتا ہے: "معلوم، کو جنگ میں محکم شرط کا مقام حاصل ہے"۔ "نامعلوم کو معلوم بنانا

۸۔ اصول۔ ص ۵۷

۹ " ص ۵۷

۱۰ " ص ۱۳۸-۱۳۹

۱۱ " ص ۱۴۵

اور استخبارات کا حد درجے تک حاصل کرنا "حفاظت" کا پہلا عنصر بن جاتا ہے۔ معلومات حاصل کرنے کے فرائض ہراول پر عائد ہوتے ہیں۔

ہراول کی سہ رخی ذمہ داریاں یہ ہیں۔

"۱۔ اطلاعات بہم پہنچانا اور اس مقصد کے لئے گشت لگانا۔

"۲۔ معظم الجیش کے اجتماع کو آڑ بہم پہنچانا۔

"۳۔ دشمن کا سپاہ کے جس حصے پر حملے کا ارادہ ہو اسے قابو میں رکھنا۔"

۱۸۷۰ء کی جنگ کی غلطیوں کے پیش نظر اور آئندہ جنگ میں حالات کو جو پلٹا کھانا تھا ان کو دیکھتے ہوئے فاش کا "حفاظت" کے اصول پر زور دینا حق بجانب تھا۔ گو فاش اپنے شاگردوں کو دشمن کی طرف سے ناگہانیت کے خلاف تنبیہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے اتنی ہی حد تک مہاجمی ناگہانیت کے اصول کو ترقی نہیں دی۔

جہاں تک "لڑائی" کا تعلق ہے اس کے بارے میں فاش کے نظریات یہ نہیں تھے کہ ہر موقع پر مہاجمہ اختیار کرنا چاہیئے۔ تدریس کے دوران اور بعد میں عملی طور پر بھی مہاجمے کے متعلق اس کے نظریات مشروط تھے۔ بہر کیف وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ "نتائج حاصل کرنے کے لئے مہاجمہ واحد ذریعہ ہے...."[۱۳]

بعض حلقوں میں کہا گیا ہے کہ فاش کو اس بات کا مطلق اندازہ نہ تھا کہ جدید ہتھیار عنقریب میدان جنگ پر کس قسم کا اثر ڈالیں گے۔ یہ خیال کلی طور پر صحیح نہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ اپنی کتاب "اصول" کی دوسری طبع کے دیباچے میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ مانچوریا کی جنگ کے تجربات کی بنا پر وہ کل رَفل (مشین گن) اور کانٹے دار تار کے استعمال کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔ اس کے باوجود یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس نے فنیاتی معاملات میں اپنے فرانسیسی ہمعصروں کے مقابلے میں بہت زیادہ دور بینی کا ثبوت دیا۔ وہ کہتا ہے "ہتھیاروں کی مار بڑھ گئی ہے اور وہ زیادہ تباہ کن ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے اب فوج کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ فاصلے

۱۲۔ اصول ۔ ص ۱۵۳

۱۳۔ ،، ۔ ص ۲۸۳

اور بہتر آرڈر سے حملے کی ترتیب شروع کریں گے۔ ۱۴

توپخانے کے استعمال میں جو ترقیاں کی جا چکی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ اس نتیجے پر بھی پہنچا کہ حملے کی تیاری مکمل کرنے کے لئے اب توپخانے کے فیر کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے۔ اس تیاری کے دوران ضروری تھا کہ فوج کے اگلے حصے حفاظت کو محکم کئے رکھیں تا کہ منصوبہ بندی میں خامیاں نہ پیدا ہوں۔ اس طرح کی حفاظتی تدابیر میں اطلاعات کا بہم پہنچانا اور بچاؤ یکساں طور پر شامل تھے۔

یہ ظاہر کر دینا بھی بجا ہو گا کہ پیادہ کے فرائض تعین کرتے ہوئے فاش چھپاؤ کے علاوہ فیری طاقت پر بھی زور دیتا ہے۔ "اب فیر فیصلہ کن دلیل کا مقام حاصل کر چکا ہے"۔ ۱۵ وہ بہترین جذبے سے معمور ی کے باوجود فوج کو تنبیہہ کرتا ہے کہ اگر "حملے کی تیاری میں مہاجمی فیر شامل نہیں ہو گا" تو عظیم نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مزید برآں وہ واضح طور پر کہتا ہے کہ آئندہ فوج کی کامیابی کا دارومدار فیری فوقیت پر منحصر ہو گا۔

اس کے باوجود گمان اغلب ہے کہ فاش کی دوربین نگاہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ اس بات کا صحیح اندازہ کر سکتا کہ آئندہ کی جنگ میں دفاع کے خود عمل ہتھیاروں ؟ کو خاموش کرنے کے لئے پیادہ کو کتنے وسیع پیمانے پر فیری فوقیت حاصل کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ یہ اس بات کا اندازہ کہ خود اپنے لئے کس مقدار میں فیر کی ضرورت ہو گی ثانوی حیثیت کا سوال بن جاتا ہے ...... کوچ اور تیز تر کوچ۔ اور اس کے آگے آگے گولیوں کی بوچھاڑ کی دیوار ... توپخانہ مزید امداد سے کمک پہنچاتا ہے ..... اپنی پوری طاقت کے ساتھ ..... عقب میں بڑھتا جاتا ہے۔ امدادی فیر دیتا ہے اور حملے کے لئے پردہ مہیا کرتا ہے"۔ ۱۶ اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گو فاش توپخانے کے فیر کی تیاری کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود جدید ہتھیاروں کی طاقت اور عصر رواں کی جنگوں میں مادی ضروریات کا صحیح مقام اس کے ذہن

۱۴۔ "اصول"۔ ص ۳۲۷

۱۵۔ " ص ۳۳۷

۱۶۔ " ص ۳۴۴

میں نہیں آیا تھا۔ اس کے برعکس اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پہلی عالمی جنگ کے آخری مراحل تک پیادہ کے حملوں کی امتیازی حیثیت قائم رہی۔ جہاں تک استقلال اور ایمان کا تعلق ہے اِس موضوع پر فاش کے خیالات اِس قدر واضح اور اتنے محکم تھے کہ وہ اپنی شخصیت کے نشان ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا ہے۔

فاش کیتھولک مذہب کا عقیدتمند پیرو تھا۔ اِس لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ جوزف ڈی میسٹر کے جنگ سے متعلق پُرشکوہ مگر خوفناک نظریات سے اثر نہ لیتا۔ یہ فوق العادہ انسان انقلاب فرانس کا دشمن تھا اور کیتھولک مذہب میں ایڈمنڈ برک کا ہم پایہ۔ اس نے جنگ کو تقدس کا مقام بخش دیا تھا۔ اس کی نگاہ میں انسان کو اپنے گناہوں سے پاک کرنے کے لیے جنگ ایک قسم کی دائمی ریاضت تھی جسے قادر مطلق نے ازل سے انسان کی تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ فاش کہتا ہے "ہاری ہوئی لڑائی کیا ہوتی ہے"۔ پھر خود ہی کہتا ہے "میں نہیں جانتا"۔ اور پھر "یہ وہ لڑائی ہے جس کے متعلق اِنسان یہ خیال کرے کہ وہ اس میں ہار چکا ہے۔ اس لئے کہ مادی طور پر لڑائی ہرگز ہاری نہیں جا سکتی"۔ اور یہ دلیل پیش کرنے کے بعد فاش آگے بڑھتا ہے "لڑائی صرف روحانی طور پر ہاری جا سکتی ہے۔ اور اسی طرح لڑائی صرف روحانی طور پر ہی جیتی جا سکتی ہے ...... بالفاظ دگر جیتی ہوئی لڑائی وہ لڑائی ہے جس میں اِنسان شکست تسلیم نہ کرے"۔[۱۷] استدلال اور قوتِ ارادی، ذہن اور عقیدت کا یہ امتزاج عجیب وغریب تھا اور ہر شخص مانتا ہے کہ فاش کی فوق العادہ شخصیت کو اسی خصوصیت نے غیر معمولی سپہ سالار کا درجہ دیا تھا۔ فاش میں ایک خاصیت اور بھی تھی۔ اس میں یہ قابلیت بھی تھی کہ وہ اپنے اس اعتماد اور ایمان کو اتنے شاگردوں اور پھر اپنی فوجوں کے قلوب تک بھی پہنچانے میں کامیابی حاصل کرے۔

وہ کہتا ہے:۔ "جنگ = روحانی طاقتوں کی سلطنت"۔ "فتح = جیتنے والوں کی روحانی برتری اور ہارنے والوں کی روحانی پستی"۔ "لڑائی = دو ارادی قوتوں کے درمیان ایک کشمکش"[۱۸]

۱۷۔ اصول۔ ص۔ ۲۸۶

۱۸۔ " ص ۲۸۷

فاش کی ذہنی بلندی اس کے اس دلیرانہ قول سے واضح ہوتی ہے۔ "لڑائیوں میں فتح اور شکست سپہ سالاروں پر منحصر ہوتی ہے نہ کہ صف کے سپاہیوں پر"۱۹۔ اِس فقرے میں سپہ سالارانہ ذمہ داری کو بیباکی سے قبول کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حقیقت بیانی سے روگردانی نہیں کی گئی۔ "جنگ میں اہم فیصلے کمانداروں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اِس لیے جب تاریخ انہیں کامیابی کا موجب قرار دیتی ہے تو وہ صحیح ہے . . . . یہی حال شکست کا ہے۔ کماندار کے بغیر نہ تو کوئی لڑائی ہو سکتی ہے اور نہ ہی فتح ممکن ہے"۔۲۰

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ۱۹۱۴ء میں جنگ چھڑ گئی تو آیا اس نے اپنے پیش کردہ اصولوں پر عمل کیا یا نہیں۔ ۱۹۱۳ء میں جب فرانسیسی مہم کا منصوبہ تیار کیا گیا تو اس کی تعلیمات کا اثر موجود تھا اور حملے کا نظریہ عیاں طور پر ظاہر ہو رہا تھا۔ مگر فاش کا اس منصوبے سے براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے اصول "تحفظ" کو بہت کم اہمیت دی گئی۔ فاش چال کاری کی جنگ کا قائل تھا۔ اور ۱۹۱۴ء کی جنگ میں چال کاری کی جگہ خندقی جنگ نے لے لی تھی۔ یہ درست ہے کہ فاش کے پیش کردہ اصولوں میں اِس جنگ نے بہت بڑی حد تک تبدیلی پیدا کی۔ لیکن اس عظیم سیلاب کا مقابلہ اس کے تخلیقی ذہن کے بجائے اس کے بلند عزائم نے کیا۔ فاش نے مارن کی لڑائی میں اپنی کارگزاری کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ "پہلے دن مجھے ہزیمت ہوئی۔ آخری دن جمے رہنے کا سوال تھا۔ اس کے باوجود میں چھ کیلومیٹر آگے بڑھ گیا۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ یہ مجھے معلوم نہیں۔ اس کا بیشتر سبب تو میرے جوان تھے۔ اور کسی حد تک خود میری قوتِ ارادی جو ابھی قائم تھی۔ اور پھر خدا بھی تو میرے ساتھ تھا"۔۲۱

اس کی اِس کسرِ نفسی کے باوجود تقدیر کو یہ منظور تھا کہ کمانِ عظمیٰ کی اہمیت کے متعلق اس کے خیالات کی تائید اس صورت سے ہو کہ اتحادیوں کی کمانِ عظمیٰ خود اُسے سونپی جائے۔ مارچ کی ۲۶ تاریخ کو ڈیولاں کے مقام پر جب لیوڈن ڈارف کی پے درپے ضربات سے برطانوی پانچویں

۱۹۔ "اصول" ص ۱۰۸

۲۰۔ " ص ۲۸۸

۲۱۔ ٹماڈیو۔ فاش (پیرس۔ ۱۹۳۹) ص ۳۲۔

فوج پیچھے کو دھکیلی جارہی تھی اور جب ہیگ اور پیتاں اپنی اپنی جگہ پر پسپ قدمی کی سوچ رہے تھے اس روز فاش کی دلیرانہ بردباری نے دستگیری کی۔ جب اتحادیوں کی مجلس عظمیٰ کا اجلاس ہوا تو فاش نے نہایت کرختگی سے اُن سے کہا: "تم لوگ لڑ نہیں رہے ہو۔ میں لڑنا چاہتا ہوں میں امیاں کے سامنے لڑوں گا۔ میں امیاں کے پیچھے لڑوں گا۔ میں ہمیشہ لڑتا رہوں گا۔"

اسے مغربی محاذ پر اتحادی فوجوں کے ارتباط کے فرائض سونپے گئے۔ یہ اعلیٰ عہدہ جو شروع میں محض سفیرانہ فرائض کے خیال سے قائم کیا گیا تھا رفتہ رفتہ ذمہ داریوں کے لحاظ سے اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ اِس عہدے کے کارناموں کی داستان کئی بار دہرائی جا چکی ہے آخر تک یہ منظم اور حتمی کمان کی شکل اختیار نہ کر سکا۔ فاش اپنے آخری ایام میں فخر سے کہا کرتا تھا کہ اس نے اپنے فرائض کی کما حقہٗ انجام دہی فوجی احکام کی صورت کے بجائے سفیرانہ انداز میں کی۔

مارچ ۱۹۱۸ء کے بعد سے مغربی محاذ کے تمام اقدامات اس کی تحریک اور اقدام کے زیر اثر آگئے۔ شروع کی تدبیرات نہایت ہی آسان سی تھیں۔ جمے رہو! فوجیں آئے دن کی پسپ قدمی اور افراتفری کے باوجود میدان میں جمی رہیں۔ پھر وہ یک جا ہوئیں۔ ان میں نظم پیدا ہوا۔ اور ان کی تنظیم مکمل ہوئی۔ مگر ۲۷ مئی کو شیمن ڈی ڈیم کے مقام پر ایک اور ضرب پڑی۔ فرانسیسی فوج ناگہانیت کا شکار ہو چکی تھی اور جرمن فوجیں آزادانہ آگے بڑھتی گئیں۔ ۱۹۱۴ء کے بعد ان کے آگے بڑھ آنے کا یہ پہلا موقع تھا اور انہوں نے ایک دن میں دس میل کی مسافت طے کر لی۔ مئی کی ۳۰ تاریخ کو وہ مارن پہنچ چکی تھیں۔ فرانسیسی فوج ایک بار ناگہانیت کا شکار ہو چکی تھی۔ مگر اس کا دہرانا مشکل تھا۔ جب ۱۵ جولائی کو تیسری ضرب پڑی تو فاش اس کا منتظر تھا۔ اس کے محفوظات اور تین ہی دن کے بعد اس کا جوابی مہاجمہ شروع ہو چکا تھا۔

فاش نے دشمن کے مہاجمے کا اندازہ پہلے سے لگا لیا تھا اور وہ جوابی مہاجمے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ ۲۴ جولائی کو جو یادداشت اس نے شائع کی اس میں اس نے اپنے سپہ سالاروں کو یاد دلایا کہ "سب سے مقدم بات یہ ہے کہ ناگہانیت میں کامیابی حاصل کی جائے۔ تازہ اقدامات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کامیابی کے لئے اس کا ہونا از حد ضروری ہے۔"

بعد کے تین مہینوں میں فاش نے دشمن کو مطلق آرام نہ لینے دیا۔ ہر مقام پر مہاجمے

کے بعد دوسرا مہاجمہ شروع ہوتا رہا۔ فاش کے پاس اس کے ذرائع بھی موجود تھے۔ اس نے ساز و سامان اور آدمیوں کے متواتر آگے آتے رہنے کے انتظامات پہلے سے مکمل کر لئے تھے کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس کی کامیابی کا راز کسی خاص طرز میں ڈھونڈ سکتے ہیں؟ فاش نے خود بتایا ہے کہ کس طرح بہتر تزویرات کے توسط سے وہ لیوڈن ڈارف کو شکست دینے میں کامیاب ہوا۔" لیوڈن ڈارف نے اپنے حملوں کے منصوبے نہایت خوبی سے بنائے تھے منصوبہ بندی میں کوئی خامی نہ تھی ...... مگر ...... محفوظ منصوبہ موجود نہ تھا"[۲۲] یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ غیر معمولی طور پر کامیاب نتائج کے باوجود اسے فیصلہ کن کامیابی کیوں نہ ہو سکی۔ اس کا جواب فاش خود دیتا ہے" آخری فتح کا انحصار ایک ہی حملے کی کامیابی پر منحصر نہیں ہو سکتا، چاہے وہ حملہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ ضروری ہے کہ یہ حملہ اور بہت سے حملوں کے ساتھ منسلک کیا جائے۔ اُسے کُل کا حصہ ہونا چاہیئے۔ نہ کہ بذاتِ خود ایک علیحدہ کلیت۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے لیوڈن ڈارف بھول گیا تھا"[۲۳]

کہا گیا ہے کہ فاش کے نظریات اور جس طور سے اُس نے متارکۂ جنگ کی کاروائیوں کے دوران عمل کیا ان کے درمیان تضاد موجود تھا۔ اور آیا دشمن کو ختم کر دینے والی ضرب سے پہلے متارکۂ جنگ کو قبول کر لینا غلطی نہیں تھی خصوصاً جب کہ دشمن کی فوجیں ابھی اتحادیوں کی سرزمین پر موجود تھیں۔ فاش نے اِن نکتہ چینیوں کا جواب پہلے سے دیدیا تھا۔ اُس نے مجلسِ عظمیٰ کے سامنے نومبر کے اوائل میں کہا تھا" جنگ کسی خاص مقصد کے لیے لڑی جاتی ہے۔ میں جنگ، محض جنگ کے لئے نہیں لڑ رہا۔ اگر میں جرمنی سے جو شرائط منظور کرانا چاہتا ہوں وہ متارکۂ جنگ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں تو میں قبول کر لوں گا۔ جب یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ خون کا ایک قطرہ بھی بہائے"[۲۴]

فاش کے سامنے ایسی وجوہات موجود تھیں جن سے وہ جائز طور پر یہ خیال قائم

۲۲۔ ریکولی۔ مارشل فاش۔ کئی موضوعوں پر اس کے اپنے الفاظ (لندن ۱۹۱۹ء) ص۔ ۹۶

۲۳۔ ایضاً۔ ص ۹۵

۲۴۔ مارشل فاش کی یادداشت۔ ص ۴۶۳

کر سکتا تھا کہ اس کی فتح مکمل تھی مگر اس کا یہ خیال کانفرنس میں شمولیت کے بعد بدل گیا۔ ولسن کے پروگرام کے مطابق جو اصول وضع کئے گئے تھے اور جنہیں اتحادی قبول کر چکے تھے۔ ان کی وجہ سے اتحادیوں کی فتح محدود ہو چکی تھی۔ جب فاش متارکہ جنگ کی شرائط وضع کر رہا تھا اُسے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اب اس کے فرائض تکمیل کو پہنچ چکے تھے اور وہ کھیل سے باہر ہو چکا تھا۔ جب اُس نے دخل دینا چاہا تو وزیر اعظم کلیمنسیو نے سپاہی کی سیاسیات میں دخل اندازی کو پسند نہ کیا اور اسے اپنے مخصوص درشت انداز میں خاموش کر دیا۔ فاش کی پالیسی معروف ہے مگر عسکری تحفظ کے متعلق اس کے خیالات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔[۲۵]

اس کا نظریہ نہایت سادہ سا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یورپ کے تحفظ کی ضمانت نہ تو جرمنی کو غیر مسلح کرنے سے ہو سکتی تھی اور نہ ہی عہد و پیمان کے ذریعے سے ہتھیاروں کا جمع کر لینا دائمی صورت اختیار نہیں کر سکتا اور عہد و پیمان سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر یورپ میں امن کا امکان تھا تو اس کے لئے حقیقی ضمانت کی ضرورت تھی اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ رائن کے اُس پار کی سرزمین پر قبضہ کر لیا جائے۔ "رائن کا مالک اس کے گرد و نواح کا مالک ہے"۔[۲۶]

جب اس کے منصوبے کو رد کر دیا گیا اور فرانس کے ساتھیوں کی دی ہوئی ضمانت کی میعاد بھی گزر چکی تو فاش ریاست کاروں اور بالخصوص کلیمنسیو کو موردِ الزام قرار دینے پر مجبور ہو گیا۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں جیتی ہوئی فتح کو بیکار اور بے مصرف کر دیا تھا۔

۲۵۔ رکیولی۔ م۔ ب۔ ص ۱۶۵۔ ۱۴۹

۲۶۔ ایضاً ص ۲۱۳

دسواں باب

بیوگاڈ۔ گیلی نی۔ لائٹی

فرانسیسی نو آبادیاتی جنگ کا ارتقار

از جین گاٹمن

فرانس کی نو آبادیات نے گزشتہ (پہلی) عالمی جنگ کی عظیم تزویرات میں نمایاں حصہ لیا ہے اس کا بیشتر حصہ شمالی افریقہ میں ہے جو بحیرۂ روم سے شروع ہو کر دریائے کانگو کے دھانے تک پھیلا ہوا ہے بعض بیرونی چوکیوں اور سرحدی مقامات کے علاوہ یہ تمام علاقہ انیسویں صدی میں فتح کیا گیا اور ایک ہی وحدت میں منسلک کیا گیا۔ ان فتوحات کا سلسلہ سنہ ۱۸۳۰ء میں الجزائر کی فتح سے شروع ہوا اور ۱۹۳۴ء میں آخری غیور قبیلے کی اطاعت پر ختم ہوا۔

نو آبادیاتی جنگ اُس جنگ سے بالکل مختلف ہے جسے برِ اعظمی جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ نو آبادیاتی جنگ میں تعداد کی نسبت افضلیت کا مقام زیادہ بلند ہے اور اس کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ فریقین کی ثقافتی اور تمدنی حالت میں معتدبہ فرق ہوتا ہے جس طرح اس جنگ کے لڑنے کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے مقاصد بھی علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ دشمن کو مکمل طور پر تباہ کیا جائے۔ بلکہ اس میں پیشِ نظر نو آبادیاتی جنگ مفتوحہ ممالک کی اطاعت اور تنظیم سے گہرے طور پر متعلق ہے۔

فرانس کی نو آبادیاتی مہموں کے پہلے دور میں فرانس کے فوجی کمانداروں کی نگاہ سے یہ پہلو پوشیدہ رہا اور کم از کم پچاس سال تک وہ اس طرزِ جنگ کے اصولوں سے آشنا نہ ہو سکے۔ سنہ ۱۸۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۰ء کے صد سالہ عرصہ میں فرانس کے تین سپہ سالاروں نے فرانس کو سمندر پار وسعت اور فروغ دینے کے دوران تزویرات و تدبیرات کے نئے نظریے اور ایک نئے

مکتبِ خیال کی بنا ڈالی۔ یہ تین سپہ سالار مارشل بیوگاڈ (۱۷۸۴ء تا ۱۸۴۹ء) مارشل گیلی نی (۱۸۴۹ء تا ۱۹۱۶ء) اور مارشل لائی (۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۴ء) تھے

(۱)

جون ۱۸۳۰ء میں فرانس نے نوآبادیاتی توسیع کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے اس نے شمالی افریقہ کے ساحل پر الجزائر کے قریب ۳۷،۰۰۰ کی تعداد میں فوج اتاری۔ شہر کو بہت جلد قابو میں کر لیا گیا اور ۵ جولائی ۱۸۳۰ء کو الجزائر کے ڈے (بیگ) نے شکست تسلیم کر لی۔ الجزائر پر تسلط قائم کرنے سے فرانسیسیوں نے محسوس کیا کہ اب انہیں اندرونِ ملک کے قبائل کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم رکھنا پڑے گا۔ یہ قبائل جنگجو اور دلیر ضرور تھے۔ مگر ان میں تنظیم نام کو نہ تھی۔ جہاں تک سیاسی حالات کا تعلق ہے یہ عرصے سے طوائف الملوکی کا شکار ہو چکے تھے جس طرح انہوں نے ترکیہ کے سلطان کی اطاعت تسلیم نہیں کی تھی۔ اسی طرح انہوں نے فرانس کی اطاعت قبول کرنے سے بھی انکار کیا۔

فرانسیسی سپہ سالاروں کا پہلا ردِ عمل یہ تھا کہ قبائل کے خلاف اقدامات نپولین کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق کئے جائیں۔ بڑی بڑی کالمیں نکالی جائیں، انہیں وسیع پیمانے پر حرکت میں لایا جائے اور بوجھل توپخانے سے مضبوط کر کے اندرونِ ملک کے دور دراز کونوں تک اپنا اثر و رسوخ قائم کیا جائے۔ فرانسیسی کالم نتیجۃً بوجھل بن جاتے تھے اور صحرا کی بے پناہ وسعتوں اور غیر آباد علاقوں میں انہیں اکثر و بیشتر لاتعداد اتلاف کا سامنا کرنا پڑتا۔ مقامی قبائل ان حالات کے عادی تھے۔ ان کا بہترین ہتھیار حرکیت تھی۔ وہ نامعلوم طور پر بعید از قیاس مقامات پر نمودار ہو جاتے، کالموں پر حملہ آور ہوتے، تجہیزاتی قافلوں کو لوٹتے اور فرانسیسی معسکروں کو نذرِ آتش کرتے ہوئے غائب ہو جاتے۔ اِن تدبیرات نے فرانسیسی مہمات کے پہلے دس برسوں کو نہایت گراں بار بنا دیا۔ ۱۸۴۰ء میں مارشل بیوگاڈ الجزائر کا گورنر جنرل اور کمانڈر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

بیوگاڈ کو علم تھا کہ امیر عبدالقادر کے عَلَم کے نیچے جو قبائل متحد ہو چکے تھے ان کا سبب

سے کارگر حربہ ان کی حرکیت میں مضمر تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ فرانسیسی افواج کو اتنا ہی حسرکی بنائے گا جتنا کہ دشمن تھا۔ الجزائر میں متعین فرانسیسی فوج کی تنظیم نو میں بیوگاڈ نے سازوسامان میں سادگی لانے کی کوشش کی تاکہ فوج ہر وقت آسانی سے حرکت کر سکے اور حرکیت پر قادر رہے۔ سامان کو بجائے سست رفتار گاڑیوں میں لادنے کے باربرداری کے جانوروں پر لادنا شروع کیا گیا۔ حکم دیدیا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو فوجیں اپنا سامان خورد و نوش اقداماتی علاقے میں خود ہی فراہم کریں۔ اس طرح جنگ میں حرکت کا عنصر شامل کر دیا گیا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرانسیسیوں نے نوآبادیاتی جنگ کا طریقہ مقامی قبائل سے سیکھا۔ اس طرز تزویرات نے پہلے سال سے ہی نتائج دکھانے شروع کر دیئے اور آخر میں عرب قبائل کی مکمل شکست کا ذریعہ بنی۔

کوہِ قبائل قسم کے کوہستانی سلسلے چال کاری کا بہت کم موقع دیتے ہیں۔ ایسی تدبیرات جو میدانی علاقوں میں اکثر کامیاب ہوتی ہیں۔ ان علاقوں میں انہیں اگر دہرایا جائے تو کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ جغرافیائی حالات ایسے ہیں کہ مستقل محاذ قائم کرنے سے چنداں کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور غیر منسلک قسم کے معرکے زیادہ کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے بیوگاڈ اس امر پر زور دیتا ہے کہ کالم کے روانہ کرنے کی سمت پر ازحد توجہ دینی چاہیئے۔ اس کے خیال میں تدبیراتی پہلو کی نظر اندازی سے جن خامیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہو ان کا ازالہ تزویراتی میدان میں کر لینا چاہیئے۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ کوہستانی علاقے کو فتح کرنے کے لئے دشمن کے مقابلے میں برتری قائم کرنے کے بجائے جغرافیائی حالات پر قابو پانا چاہیئے۔ مزید برآں جہاں تک ممکن ہو کالموں کی تعداد زیادہ سے زیادہ رکھی جائے۔

کسی سلسلۂ کوہ کو عبور کر کے وہاں کے کوہستانیوں کو ایک یا دو بار شکست دے دینا کافی نہیں ہوتا مقصد یہ ہے کہ انہیں مطیع کیا جائے۔ اس لئے فوج جو کچھ بھی کرے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ قبائل کے مفاد کو ضرب پہنچائے اور ہر قبیلے کے علاقے میں اس کا اثر گہرے طور پر ظاہر ہو اس طرح ان کے استقلال کو کمزور کیا جا سکے گا اور وہ جنگ جاری رکھنے سے روکے جا سکیں گے۔ اس لئے مقامی اقتصادیات کے خلاف اقدامات کو بھی تزویرات میں جگہ دینی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ صرف ان کی افواج ہی کو غیر منظم نہ کیا جائے بلکہ ان کے اقتصادی

نظام کو بھی درہم برہم کر دیا جائے۔[1]

بیوگاڈ نے تزویرات اور تدبیرات دونوں کو ترقی دی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ دشمن کی قوتِ تقابل کو کمزور کرنے کے لئے شروع سے ناگہانیت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس کی نافذ کردہ اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی فوج ایسے مقامات پر حملہ کرنے کے قابل بن گئی۔ جن پر قبائل کو امید تک نہیں ہو سکتی تھی۔ جب ابتدائی حملے کارگر نہ ہوئے تو بیوگاڈ نے حکم دیا کہ اس کی پیادہ رومی خیل کی طرز کی مربع تشکیل بنا کر لڑنا شروع کرے۔

رومی طرزِ جنگ کے مربع کی نقل کرتے وقت بیوگاڈ یہ ہرگز نہیں بھولا کہ عہدِ قدیم کے رومی سیاسی میدان میں بھی نوآبادیات قائم کرنے والوں کے لئے سبق چھوڑ گئے ہیں اور بتا گئے ہیں کہ مملکتیں اس طرح قائم کی جاتی ہیں۔ اس نے دشمن کو کمزور کرنے کے لیے ان میں نفاق کا بیج بونا شروع کیا اور مختلف گروہوں، قبائل اور ان کے سرداروں کے درمیان شخصی مفاد کی بنا پر افتراق ڈالنا شروع کر دیا۔ فرانسیسی افواج کی صفوں میں انیسویں صدی کا وہ پہلا سپاہی تھا۔ جس نے نپولین کے طرزِ جنگ کو ترک کیا اور کہا کہ وہ ہر موقع کے لئے موزوں نہیں تھی۔ اس نے عہدِ قدیم کے وہ رومی طریقے از سرِ نو رائج کئے جنہوں نے پہلے بھی کامیابی کی راہ دکھائی دی تھی۔

اس نئے مکتب کو گیلی نی کی ذات میں ایک ایسا استاد مل گیا جو فرانسیسی افسروں کی ایک پوری نسل کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایسی نسل جس کا پس منظر نوآبادیاتی تھا اور جس کے افراد نے ملازمت کا زیادہ عرصہ فرانس کو سمندر پار وسعت دینے میں گزارا تھا۔ مگر جب گیلی نی کے ہمعصر اس کے نوآبادیاتی کارناموں کی تعریف کرتے تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکتے " وہ بالکل بیوگاڈ کی طرح تھا"

(۲)

مارشل گیلی نی اس وجہ سے زیادہ معروف ہے کہ اس نے ۱۹۱۴ء میں پیرس کا دفاع مکمل کیا اور مارن کی لڑائی کی تیاریوں میں نمایاں حصہ لیا مگر اس کی زندگی کا بیشتر حصہ فرانسیسی مملکت

۱۔ جنرل ہیور۔ مراکو کی تزویرات اور تدبیرات۔ "قومی دفاع کے مسائل کا رسالہ" (جولائی ۱۹۳۹ء)

کو وسعت دینے میں گزرا۔ اس کی پیدائش ۱۸۴۹ء میں ہوئی۔ فوجی ملازمت اس نے بحریہ کی پلٹن میں لفٹیننٹ کی حیثیت سے شروع کی اور ۱۸۷۰ء۔۱۸۷۱ء کی جنگ میں کئی دلیرانہ معرکوں میں شرکت کی۔ اس نے اپنی نوآبادیاتی زندگی کے پہلے بیس سال میں مختلف مقامات پر تجربہ حاصل کیا۔ پہلی مرتبہ وہ جزیرہ ری یونین میں متعین ہوا۔ ۱۸۹۲ء میں جب گیلی نی کرنل کے عہدے پر فائز تھا تو اسے ہند چینی کے شمالی صوبے ٹانکن میں بھیجا گیا۔ جس کی سرحد چین سے ملحق تھی۔ یہ کمان مشکل تصور کی جاتی تھی۔ اب اُسے مشکل حالات کے تحت نوآبادیاتی منتظم اور حربی کمانڈار کی خوبیاں پیش کرنے کا موقع پہلی بار میسر آیا تھا جب ۱۸۹۶ء میں وہ ٹانکن سے رخصت ہوا تو وہ غیر متوقع نتائج حاصل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے زیر نگران علاقوں میں امن قائم کر لیا تھا اور اصلاح و ترقی کے میدان میں غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد وہ ڈغاسکر کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ آسامی اس زمانے میں نہایت اہم تصور کی جاتی تھی۔

گیلی نی کی زندگی میں ٹانکن کا عرصہ اس کی نوآبادیاتی جنگ کے طرز کو پختگی دینے میں فیصلہ کن ثابت ہوا۔ خوش قسمتی سے اس کی مدد کے لیے اس کے پاس نہایت قابل سٹاف افسر موجود تھے۔ ان میں لائٹی بھی شامل تھا۔ جسے اس نے بعد میں اپنے پاس ڈغاسکر بلا لیا۔ دونوں کی طبیعتیں ایک ہی طرح کی تھیں۔ حالانکہ ان کے پس منظر متضاد قسم کے تھے۔ گیلی نی عمل کا خوگر تھا اور اس کی زندگی نوآبادیات میں گزری تھی۔ لائٹی دارالخلافے میں رہنے والے افسروں کی قسم میں سے تھا جس کی تعلیم جاگیردارانہ ماحول میں ہوئی تھی۔ اس نے جاگیردارانہ معمول کے مطابق فوجی ملازمت اختیار کی تھی مگر اب جبکہ اس کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی وہ کتابوں، قوانین، تربیتی کورس اور نظریاتی ماحول سے اکتا چکا تھا۔ آخری عمر میں لائٹی دوستوں کو بتایا کرتا تھا کہ کس طرح گیلی نی نے اس سے تمام فوجی ادب اور فوجی قوانین کی کتابیں لے کر علیحدہ رکھ دی تھیں اور کہا تھا کہ وہ دنیا اور گردوپیش کا مطالعہ کر کے حقیقت سے روشناس ہونے کی کوشش کرے۔ ان دونوں نے مل کر وہ نئی شے پیش کی۔ جسے آج نوآبادیاتی جنگ کی تاریخ اور نوآبادیات کے انتظام کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔

جہاں تک لائٹی کا تعلق ہے ہند چینی کی تعیناتی اس کے لیے ملک بدر ہونے کی سزا کے

مترادف تھی۔ فرانسیسی دارالسلطنت کے نوجوان افسروں میں لائٹی کو قابل قدر مصنف مانا جاتا تھا۔ اس نے ایک سخت قسم کا تنقیدی مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "فرانسیسی افسر کے سماجی فرائض"۔ اس مضمون میں اس نے اس بات پر زور دیا تھا کہ فرانس کے سماجی حلقوں کی اصلاح میں فوجی افسر نمایاں کام کر سکتے تھے۔ اس کے پُر جسارت خیالات نے فرسودہ خیالات کی اعلیٰ کمان کو مخالف کر دیا۔ یوں ۱۸۹۴ء میں لائٹی نے گیلی نی کے صدر مقام میں حاضری دی۔ یہاں اس نے محسوس کیا کہ ایسا شخص بہت کچھ سر انجام دے سکتا تھا۔ جسے قواعد اور سُرخ فیتے کی بوریت سے نفرت ہو۔ گیلی نی کی طرح اس کا بھی عقیدہ تھا کہ فوج کا فرض یہ تھا کہ وہ اصلاح و ترقی میں معاون ثابت ہو اور تہذیب و تمدن کو عروج دینے میں پیش پیش رہے۔ جب اُس نے فوج کے لئے "سماجی فرائض" کا مضمون لکھا تھا تو یہی مقصد اس کے پیشِ نظر تھا۔ اور پس ماندہ نوآبادیاتی ممالک میں یہی کام اب اس کے سامنے تھا۔

(۳)

۱۸۹۹ء کے اواخر میں بحرِ ہند کے جزیرے مڈغاسکر کے گورنر جنرل گیلی نی نے پیرس کی حکومت کو تحریری طور پر مطلع کیا کہ اس نئی نوآبادی کے انتظام کے لئے کیا کچھ کیا جا چکا تھا اور کتنا کچھ کام ابھی باقی تھا۔ لائٹی چیف آف سٹاف کی حیثیت سے اس کے ہمراہ پیرس کو گیا۔ وہاں کے قیام کے اختتام پر اس نے نوآبادیاتی عسکری مکتب کے خیالات کو مکمل کر لیا تھا۔

لائٹی آغاز کے طور پر کہتا ہے کہ وہ نوآبادیاتی انتظامات کے متعلق معذرت پیش کرنا نہیں چاہتا۔ وہ فوجی اور غیر فوجی حکام کے درمیان پرانے اختلافات کو لایعنی قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عنوان، نام اور مرتبہ کوئی شے نہیں۔ اصل شے وہ شخص ہے جسے فرائض انجام دینے ہیں لائٹی کے خیال میں عملی زندگی، پُرکار کمان اور ذمہ داری کے تجربے کے لئے نوآبادیات سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ بلکہ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ نوآبادیات میں حصہ لینے والا ہر فرد ایک سپاہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی اور اپنے گرد و پیش کی حفاظت کو تنظیم دیتا ہے اس لئے نوآبادیاتی تنظیم میں انسان بنیادی عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر اس کے مطابق فرانس کے

کے نمائندوں کو ابھی اس فن میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً انہیں "ہر کارے ہر مرحلے" کے بنیادی اصول کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ وہ اپنی کتاب "فوج کا نوآبادیاتی حصہ" میں ان ذمہ داریوں کے فنی پہلو پر تفصیلی بحث کرتا ہے۔

اس وقت بعض فوجی حلقوں نے اس کے نئے تزویراتی اصولوں پر حیرانی کا اظہار کیا۔ نوآبادیاتی مہموں میں اس نے کالم کے استعمال کے بجائے دشمن کے علاقے کو بتدریج قبضے میں لانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ فوج کو حملہ ہی نہیں کرنا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ محض طاقت کے استعمال سے دیرپا اثرات کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ علاقے پر قبضہ کرنا اور قائم رکھنا ضروری تھا۔ اس کا معروف قول ہے: "فوج کا کسی علاقے پر قبضہ کرنا عسکری اقدامات کے بجائے کوچ کے دوران کے انتظامات پر نسبتہً زیادہ منحصر ہوتا ہے ... "مفتوح علاقے کے انتظامات محاذ کے پیچھے پیچھے قائم ہونے کے بجائے بڑھتی ہوئی فوجوں کے دوش بدوش وجود میں آنے چاہئیں۔ قبضہ کر لینے کے یہ معنے ہیں کہ زمین میں کیلیں گاڑتے ہوئے چلے جائیں۔"

وہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ قزاقوں یا باغیوں کا مکمل طور پر قلع قمع کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ٹانکن میں باغیوں کو بحری قزاق بھی کہتے تھے۔ وہ کہتا ہے: "بحری قزاق اس پودے کی مانند ہے جو خاص خاص جگہوں پر اگا کرتا ہے ... اس کی نشوونما کو روکنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ زمین کو اس کے لئے نامساعد بنا دیا جائے ... جنگلی پودے کو اکھیڑنا ناکافی نہیں ہوتا ... ضروری ہے کہ مفتوحہ زمین پر گہرا ہل چلایا جائے۔ اس کے گرد باڑ کھینچی جائے اور پھر اس میں اچھی فصل کا بیج ڈالا جائے ..."

لائٹی اس قسم کے قبضے کا موازنہ پرانی طرز کے کالموں سے کرتا ہے۔ جس میں روائتی تزویرات کے مطابق مضبوط کالموں کو مختلف سمتوں میں کوچ در کوچ روانہ کیا جاتا ہے اور بھاگتے ہوئے حریف پر ضربیں لگاتے ہوئے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ ان کالموں کے خورد و نوش کا سامان مہیا کرنے کے بعد ملک تباہ ہو جاتا تھا خصوصاً ان موقعوں پر جب فاتح کو اس کی خوشحالی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس "بتدریج قبضہ" کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ملک کے وسائل قائم رہیں اور وہ از سر نو آباد کیا جا سکے۔ اس امر سے ذیل کے اہم اصول واضح ہوتے

ہیں: نوآبادیاتی مہم کی سپاہ ہمیشہ اس کمانڈر کے تحت بھیجنی چاہیئے جس کو فتح کے بعد پہلا منتظم مقرر کرنا ہو۔" لائٹی نے اس کے بعد جو فقرہ لکھا ہے وہ فرانسیسی نوآبادیاتی حلقوں میں قانون کا مرتبہ رکھتا ہے: "اگر مقامی شورش کے علاقے کو قبضے میں لاتے وقت یہ خیال ملحوظ رکھا جائے کہ دو ہی روز بعد اس جگہ ایسی منڈی قائم کرنی ہے جس سے اپنی تجارت کو فروغ ملے، تو پھر اس قبضے کے لئے جو اقدامات عمل میں لائے جائیں ان کی نوعیت ہی کچھ اور ہو گی۔"

لائٹی نے گیلی نی کی ان ہدایات کا اقتباس پیش کیا ہے جو اس نے مڈغاسکر میں ۲۲ مئی ۱۸۹۸ء کو شائع کی تھیں۔ ان ہدایات سے ان کی طرزِ جنگ کا صحیح اندازہ لیا جا سکتا ہے۔

"ہماری اس نئی نوآبادی میں امن قائم کرنے کا بہترین ذریعہ طاقت اور سیاست کا امتزاج ہے . . . . اِن دونوں میں سے سیاست کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس اہمیت کی وجہ ملک کا انتظام اور اس کے باشندے ہیں۔ جوں جوں امن قائم ہوتا جاتا ہے۔ ملک زیادہ متمدن ہوتا جاتا ہے، منڈیاں دوبارہ قائم ہوتی ہیں، تجارت از سرِ نو جاری ہوتی ہے . . . . . جوں ہی مکمل صلح ہو جاتی ہے سپاہی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیتا ہے۔ اِس کے بعد وہ منتظم بن جاتا ہے . . . . فتح کے بعد کے ایام میں سپاہی کا کام پولیس کے فرائض تک محدود ہو جاتا ہے[۲] . . . ." یہ ہدایات رواجی فنِ جنگ کی حدود سے تجاوز کر جاتی ہیں۔ مگر یہ ان اسباب کو نگاہ میں رکھتی ہیں جن کے ذریعے نوآبادیاتی ممالک اور ان کی آبادی پر دیرپا تسلط قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اِس طرح کی نوآبادیت محض طاقت کے استعمال سے قائم نہیں کی جا سکتی۔ "کوچ کی تنظیم" کے لئے تفصیلی تیاریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لائٹی اِس لئے اِس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر وہ فوج جو نوآبادیوں کو روانہ کی جائے۔ از خود نوآبادیاتی فوج نہیں بن جاتی۔ ضروری ہے کہ وہ اس کام کی ماہر ہو۔ لائٹی چاہتا تھا کہ فرانس کی نوآبادیاتی فوجوں کو مکمل طور پر از سرِ نو تنظیم دی جائے۔ نوآبادیاتی جنگ کو ان الفاظ میں بیان کرنے سے لائٹی کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ فرانسیسی نوآبادیوں کی عسکری تنظیم پر مکمل بحث پیش کرے۔ گیلی نی کے اس خیال کو کہ عسکری

---

۲ - لائٹی کا ایک اور مضمون (۱۹۰۰)

ساتواں باب - ص ۳۱۶-۳۱۷ -

اور غیر عسکری معاملات کی باگ ڈور ایک ہی ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ لائٹی ایک قدم اور آگے لے گیا اور اس نے مشورہ دیا کہ یہ اسلوب پائیں درجوں میں بھی قائم رکھا جائے۔ بیوگاڈ نے الجزائر میں "عرب محکمہ" قائم کیا تھا جس میں چنے ہوئے افسر بھیجے جاتے تھے۔ ان کو انتظامی تربیت دی جاتی تھی اور ان کو حکومت کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ البتہ "عرب محکمے" کے افسر اپنے علاقے کی فوجوں کی کمان نہیں کرتے تھے۔ لائٹی بضد تھا کہ اس قسم کی علیحدگی لغو تھا۔ یوں یہ کمزوری کی دلیل تھی۔ گیلی نی کے اصول کے تحت فوجی اور سول فرائض کو یکجا کرنے کے یہ معنے تھے کہ افسروں کی تربیت نہایت اعلیٰ ہونی چاہیئے تاکہ وہ فوجی کمان اور حکومت کے فرائض کی انجام دہی میں یکساں طور پر طاق ہوں۔[3]

لائٹی اور گیلی نی نے بیوگاڈ کے اس دستور کی بھی مخالفت کی جو الجزائر میں رائج کیا گیا تھا اور جس کے مطابق سپاہیوں کو بڑے بڑے دیہات آباد کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ اگر سپاہی کاشتکار بن کر نوآبادی میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرنا چاہے تو اسے فوج کو خیرباد کہہ کر آزاد شہری کی حیثیت سے یہ کام شروع کرنا چاہیئے تاکہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے ماحول میں مدغم ہو سکے۔

بیسویں صدی کے آغاز پر لائٹی کا مضمون "فوج کی نوآبادیاتی ذمہ داریاں" شائع ہوا اس مضمون میں اس نے فرانسیسی فوج کے وسیع تجربات اور افکار کو چند صفحات میں نہایت خوبی سے پیش کیا۔ اب بیوگاڈ کی تعلیمات بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ اس کے باوجود افریقہ کے فاتح کی شخصیت کے اثرات گہرے طور پر محسوس ہو رہے تھے۔ پچاس سال کے تجربے سے فرانسیسیوں نے نوآبادیات اور نوآبادیاتی جنگ میں کافی ترقی حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے دوسری قوموں کے تجربے سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ خصوصاً روسیوں کے تجربے سے جو انہیں ترکستان میں حاصل ہوا تھا۔ لائٹی اکثر روسیوں کے ان ایشیائی تجربات کی طرف توجہ دلاتا ہے اور روسی طریقوں کو مثالی قرار دیتا ہے۔ اس کے باوجود "تجریدی قبضے" کا نظریہ فرانسیسیوں کے اس چھوٹے سے گروہ کی تخلیق سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[3] البرٹ رنگل۔ بیوگاڈ کا "عرب محکمہ" اور گیلی نی کا "عسکری نظام"۔ (پیرس ۱۹۰۳)

(۴)

سن ۱۹۰۱ء میں جب لائٹی کا مضمون شائع ہوا اس وقت دنیا کے وہ حصے جو "سمندر پار فرانس" سمجھے جاتے ہیں، ان میں سے اکثر پر فرانس کا سہ رنگا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کے بعد کافی جنگ کر کے ایک اور فتح حاصل کی گئی۔ یہ مراکش کی فتح تھی اور اس کے ساتھ لائٹی کا نام لافانی طور پر شامل رہے گا کیلی نی کے احکام کے مطابق جو نظریہ لائٹی نے ہند چینی اور مڈغاسکر میں مکمل کیا تھا اسے وسیع پیمانے پر مراکش میں بروئے کار لایا گیا۔

یکم اکتوبر سن ۱۹۰۳ء کو لائٹی بریگیڈیر جنرل کے عہدے پر فائز ہوا اور اس نے عین الصفرار کے علاقے کی کمان سنبھالی جہاں وہ تین سال تک متعین رہا۔ وہ پہلی بار مراکش سے روشناس ہوا تھا۔ عین الصفرار کو اس دروازے کا مقام حاصل ہے جو مملکت شریفی کی ڈیوڑھی میں واقع ہے اور جہاں نوآبادیاتی جنگ کے اصول، نئی موشگافیاں بلکہ کمانداز تک تیار کئے گئے اور بالآخر انہیں وہاں ہی تکمیل تک پہنچایا گیا۔ لائٹی کی کشمکش کا مشکل ترین پہلو مقامی شیرخ کے خلاف نہیں تھا۔ بلکہ پیرس میں متعین جنرل سٹاف کی طرح شمالی افریقہ کے ان احکام کے خلاف تھا جو گیلی نی مکتب خیال کے طریقوں کو قبول کرنے پر رضامند نہیں تھے۔ ۱۹ر نومبر سن ۱۹۰۳ء کو جو خط اس نے اپنے سابق کمانڈر گیلی نی کو لکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الجزائر میں متعین فرانسیسی فوج کی تنظیم یورپی طرز پر تھی جس میں دفتری تاخیر اور اس کی پیدا کردہ کوتاہیاں اور دشواریاں بھی شامل تھیں۔ پہلے تو اس نے آزاد کمان کی درخواست دی تاکہ وہ فوج کی وساطت کے بغیر الجزائر کے گورنر جنرل تک اپنی گزارشات پہنچا سکے۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ فوج کو "حقیقی محرک" بنانے کے لئے چند اصلاحات نافذ کر سکے۔ اس کا قول تھا: "افریقہ میں حرکت کے ذریعے اپنا دفاع کیا جا سکتا ہے۔"

لائٹی یہ بھی چاہتا تھا کہ ملک کو صحیح طور پر منظم کیا جائے۔ عملی طور پر اس کے یہ معنے تھے کہ چشموں اور کنوؤں کو قابو میں رکھا جائے اور بازاروں، منڈیوں، ریلوں اور شاہراہوں کی حفاظت کی جائے تاکہ تجارت کو فروغ ملے۔ اس نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ اگر کسی خطہ مثلاً

ریل پٹڑی کی حفاظت ضروری ہو تو اس سے آگے بڑھ کر حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ جب حملہ ہو تو آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہونے کے بغیر اس کی حفاظت اچھی طرح کی جا سکے اس سے مراد یہ تھی کہ بجائے ایک نقطہ کے پورے علاقے پر قبضہ کیا جائے اور محض چوکی قائم کرنے کے بجائے اثر و اقتدار اور عمل کا ایک مستقل مرکز قائم کیا جائے۔ سیاسی جنگ کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ مقامی شیخ جو سب سے زیادہ بارسوخ تھا اس کے خلاف کالم روانہ کرنے کے بجائے اس کا مقابلہ ملکی فوجوں کے ذریعے کیا جانا بہتر تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے اثر و رسوخ کو تباہ کرنے کے لئے اس کے اپنے علاقے اور اپنے ہی قبیلے میں نفاق و افتراق کا بیج بونا ضروری تھا۔

دو باتوں کی طرف خاص توجہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ مراکش میں لائٹی کی پالیسی اور تزویرات کی بنیاد ان دونوں پر قائم تھی۔ اوّل تو وہ اس بات کا قائل تھا کہ جہاں تک سیاسیات کا تعلق تھا سلطان کی حکومت اور اس کے نمائندوں کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ دوسرا پہلو تزویرات کا تھا۔ اس موضوع پر اس کے خط کا کچھ حصہ نہایت معنی خیز ہے۔ "بچاؤ کا جو اسلوب جسے میں نے پیش کیا تھا وہ رفتہ رفتہ کامیاب ہو گا . . . . . پیش قدمی کے لیے کالم روانہ نہیں کیے جائیں گے اور نہ ہی بے پناہ ضربیں لگائی جائیں گی۔ بلکہ اس کی صورت یوں ہو گی جس طرح پانی کی سطح پر تیل پھیلتا ہے۔ قدم بہ قدم بڑھتے جانا۔ باری باری سے تمام مقامی عناصر پر غالب پاتے جانا قبیلوں اور ان کے سرداروں کے مابین اختلافات کی خلیجوں کو وسیع کرتے جانا اور ان کی رقابت کی آگ کو بھڑکائے رکھنا۔[۴۴]" فرانس کے مراکش پر تسلط قائم کرنے اور اقتدار محکم کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالنے کے لئے "پھیلتے ہوئے تیل" کی مانند تزویرات کے فقرے سے موزوں تر کوئی الفاظ نہیں مل سکتے۔ عین الصفراء کے مستقر میں بیٹھ کر صحرا کی فتوحات کو توسیع دی گئی۔ جوں جوں یہ فتوحات مغرب کی جانب بڑھتی جاتی تھیں۔ فرانسیسی نو آبادیات اندرون ملک سے قریب تر ہوتی جاتی تھیں اور نئے نئے مسائل پیش آ رہے تھے۔

دسمبر ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۱۰ء تک لائٹی، عین الصفراء سے غیر حاضر رہا اور مغربی الجزائر

۴۴۔ لائٹی۔

ہیں اور آن کے مقام پر ایک لشکر کی کمان پر فائز رہا۔ ان چند برسوں میں فرانس کا قبضہ الجزائر کی حدود سے نکل کر جنوب میں صحرا کی بے پایاں وسعتوں کی جانب بڑھتا گیا اور بحیرۂ روم سے چل کر یہ غیر منقطع سلسلہ دریائے نائجر اور خلیج گینی تک جا پہنچا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے ایام کرسمس میں لفٹیننٹ جنرل لائٹی نے الجزائر کی کمان چھوڑ کر دسویں جیش کی کمان مغربی فرانس میں رینے کے مقام پر سنبھالی ایک بار پھر اس نے ایک سال کے لئے مفکر کی نسبتۂ غیر عملی زندگی گزاری۔ اس دوران میں مراکش میں حالات اس قدر بگڑ رہے تھے کہ بین قومی تصادم کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور ساتھ ہی یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ فرانس کو کہیں شکست نہ ہو جائے۔ دس سال کی محنت ضائع ہونے کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ گزشتہ خون خرابے سے پر تجربات سے بچنے کے خیال سے فرانسیسی حکومت نے لائٹی کو مراکش کا ریذیڈنٹ جنرل مقرر کر دیا۔

(۵)

مئی سنہ ۱۹۱۲ء سے اکتوبر ۱۹۲۵ء تک لائٹی مراکش کا ریذیڈنٹ جنرل اور کمانداراعلیٰ رہا۔ اس نے وہاں "فرانسیسی محفوظہ" کا سلسلہ رائج کیا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ خون مطلق نہ بہنے دیا جائے البتہ لائٹی نے اسے حتی الامکان کم زور کیا۔ جب لائٹی وہاں پہنچا تو پورے ملک میں بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دو اعزامی فوجیں روانہ کیں۔ ایک فیض کے علاقے میں۔ اس کی کمان جنرل گوراڈ کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری مراکش کی سمت۔ اس کا کماندار جنرل مینگن تھا۔ بہت جلد لائٹی نے شریفی مملکت کے بڑے شہروں میں امن قائم کر لیا۔ یہ حرکات نہایت تیز اور دلیرانہ تھیں نو آبادیاتی اور عسکری مؤرخوں نے ان کو مثال کے طور پر اکثر پیش کیا ہے[۵]۔ اس مرتبہ پھر وہ اپنی ابتدائی کامیابی کی خوشی میں خاموش نہیں بیٹھا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے تصرف میں جو تنگ سے دو راستے اس کے مستقر کو فیض اور مراکش سے ملاتے تھے وہ اسی صورت محفوظ رہ سکتے تھے جب دفاعی خط کو اور آگے بڑھایا جائے۔ اس بڑھتے ہوئے محاذ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بہت بڑا اقتصادی پروگرام عقب میں شروع کیا گیا۔ دو ہی سال میں خاطر خواہ نتائج برآمد ہو چکے

۵۔ جنرل پال ازان۔ فیض کی اعزامیہ (پیرس ۱۹۲۴)

تھے اور اس کے معاً بعد ۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ اب فرانس کو ضرورت تھی کہ جتنے قوار بھی اکٹھے ہوسکیں انہیں داخلی فرانس کے دفاع کے لیے واپس بلا لیا جائے۔ حکومت نے لائیٹی کو حکم دیا کہ جس قدر قوار ممکن ہو فرانس روانہ کردے اور اگر مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنا پڑے تو خالی کردے۔ اب اس کے پاس پیادہ کی تئیس بٹالینیں اور سوارہ کے چند سکاڈرن رہ گئے تھے۔ لائیٹی نے حکم کا پہلا حصہ تو مان لیا اور دو لشکر فرانس روانہ کردیئے۔ مگر پس قدمی سے انکار کردیا۔

معدودے چند قوار سے اس نے اپنے تمام محاذ قائم رکھے۔ نفری طاقت کے جتنے ذرائع تھے انہیں استعمال میں لے آیا اور جنگ کے چار طویل برسوں میں جس قدر بھی کمک ممکن ہوسکی فرانس روانہ کرتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی فتوحات بھی وسیع کرتا رہا۔ وہ خود اسے "مسکرانے کی پالیسی" کہہ کے پکارتا ہے۔ جنگ کے یاس انگیز لمحات میں بھی اس نے ناامیدی کا اظہار نہیں کیا۔ ساتھ ہی ساتھ مراکش کی اقتصادی ترقی کو بھی فروغ دیتا رہا۔

یہ تدبیرات جس کے ذریعے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک معمولی قوار کے باوجود اچھے نتائج دکھائے بعد میں پورے ملک کے فتح ہونے کا باعث بنی۔ بیوگاڈ اور گیلی نی کے بہترین اصولوں کو استعمال میں لایا گیا۔ یہی نہیں بلکہ انہیں مقامی حالات کے مطابق حسب ضرورت ڈھالا بھی گیا۔ مراکش کے پہاڑوں میں جنگجو اور غیور قبائل بستے تھے اور وہ تہیہ کر چکے تھے کہ غیر ملکی حملہ آوروں کے ساتھ اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے جب تک ان میں جان باقی تھی۔

کوہستانی سلسلوں کو فتح کرنے کے لیے جو تدبیرات لائیٹی نے استعمال کیں۔ انہیں محاصری جنگ کی تدبیرات سے بہت مشابہت تھی۔ سب سے پہلے ایک حصے کو علیحدہ کر دیا جاتا تھا جس کے لئے طویل محاذ قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ جب پہاڑ کے دامن میں یہ حلقہ دو بلکہ بہتر یہ سمجھا جاتا تھا کہ تین اطراف سے دامنی علاقے تک پہنچ جاتا تو وہ کالمیں طاقتور حملے کرکے ایک ہی مرکزی مقام کی طرف بڑھنا شروع کر دیتیں۔ یہ مرکزی مقام عموماً کوئی ایسا درہ ہوتا جس کے ذریعے مخصوص علاقے سے قریب کے پہاڑوں کی طرف راستہ جارہا ہوتا۔ جب یہ دونوں کالمیں آپس میں مل جاتیں تو پہاڑی علاقے کے باشندے بیرونی دنیا سے کٹ جاتے اور ان کے لئے

سامانِ حرب اور خورد و نوش کی کمک ناممکن ہو جاتی۔ یوں سمجھئے کہ وہ صحیح طور پر محصور ہو جاتے اب یہ حلقہ تنگ ہونا شروع ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے دستے وادیوں اور پایاب علاقوں میں نفوذ کرنا شروع کر دیتے۔ مقررہ دن آخری یورش کا حکم دیدیا جاتا۔ بہت سی کالموں سے بے بس، تھکے ماندے اور تنہا قبائل کو گھیر لیا جاتا۔ اکثر موقعوں پر آخری حملے سے فوری نتائج برآمد ہو جاتے اور بعض دفعہ تو اتلاف تک نوبت ہی نہ آتی۔ فوجوں کے ساتھ ساتھ علاقے کے تنظیمی شعبے بھی تدریج آگے بڑھتے جاتے۔ ایک پہاڑی کے بعد دوسری پہاڑی۔ ایک سلسلۂ کوہ کے بعد دوسرا سلسلہ اور یوں "تیل کے دھبے" کی طرح مقبوضہ علاقے میں توسیع ہوتی چلی جاتی۔

۱۹۲۵ء کے بعد لائٹی کے شاگردوں نے اس کی تزویرات اور تدبیرات میں صرف اسی قدر اضافہ کیا جو عصرِ جدید کے طاقتور ہتھیاروں کے استعمال کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا۔ ان میں موٹر کار اور ہوائی جہاز قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں مراکش کے پس منظر میں نہایت آسانی سے شامل کئے جا سکے۔ اب قرآبادیاتی جنگ کا رجحان مزید حرکیت کی طرف ہو رہا تھا۔ کالموں کا موٹروں پر سوار ہونا اور رسلیات کا جلد پہنچنا ناگہانی ضربات اور دوری حرکت کی مزید کامیابی کا باعث بنے۔ ہوائی جہاز سے بمباری نے قبائل کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ بلندیوں سے ان بڑھتی ہوئی کالموں پر فیر کھول سکیں۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک جو مہمات مراکش کو قابو میں لانے کے لئے روانہ کی گئیں ان میں یہ نئے طریقے استعمال میں لائے گئے۔

یہ اقدامات جنرل ہیور کی اعلیٰ کمان کے تحت مکمل کئے گئے۔ وہ اپنے اصولوں کے متعلق اپنے مضمون "مراکش کی تزویرات اور تدبیرات" میں ان پر تفصیلی بحث کرتا ہے۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء کو جو "عام ہدایات" اس نے جاری کیں ان میں وہ تمام احکام شامل ہیں جو ان حرکی دستوں کی نقل و حرکت سے متعلق ہیں۔ ان میں لائٹی اور بیوگاڈ دونوں کے اصول شامل ہیں۔

پہاڑی علاقے میں حملہ بہت وسیع محاذ پر کیا جانا چاہئے۔ متوازی یا ملحق وادیوں میں اقدامات کو ترجیح دی جائے۔ حملے میں ناگہانیت کو مدِنظر رکھنا چاہئے اور اقدامات شروع کرنے سے پہلے مستقر کی تیاری پر پوری توجہ دی جانی ضروری ہے۔

۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء کے اقدامات کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ شاید جنگی تاریخ میں

پہلا موقع تھا کہ میکانکی قوار کے ذریعے صرف چند ضربات سے محکم دفاع کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں مراکش کی فتح مکمل ہو چکی تھی اور فرانس کی دوسری نوآبادیاتی مملکت اپنی آخری مکمل شکل میں تیار ہو چکی تھی

(۶)

۱۹۳۴ء کے بعد سمندر پار فرانس کے دفاع کا مسئلہ نہایت آسان نظر آنے لگا۔ مملکت کے دفاع کی زیادہ تر ذمہ داری بحریہ پر عائد ہوتی تھی خصوصاً مشرق بعید میں جہاں تک سرحدوں کے تعین کا سوال تھا۔ ۱۹۳۰ء کے عاشرے کے آخری برسوں میں جنوبی ٹیونس اور لیبیا کی درمیانی سرحد غیر معین تھی۔ فرانس اور اٹلی کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو رہی تھی اور فاشسٹ اٹلی فرانس کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں ٹیونس پر لگی ہوئی تھیں۔ فرانس نے لیبیا کی سرحد کے ساتھ ساتھ قلعہ بندی شروع کر دی۔ اسی کو خطِ مارتھ کا نام دیا گیا تھا اور اس کے عقب کے علاقے کی تنظیم کو پوری طرح مکمل کر لیا گیا تھا۔

۱۹۳۹ء کے اوائل سے ہی یورپ کی سیاسی فضا مکدر ہونا شروع ہو گئی۔ ایک مختصر سے مضمون میں جنرل کاٹرو نے شمالی افریقہ میں اٹلی کے تزویراتی مقام پر بحث کی اور ممکن اقدامات کا خاکہ پیش کیا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس کی رائے درست تھی کاٹرو نے اس بات پر زور دیا کہ لیبیا میں اٹلی کی نوآبادیاتی مصروفیتیں دراصل جنگ کا پیش خیمہ تھیں افریقہ میں فرانسیسی اور برطانوی مقبوضات کے خلاف اٹلی چاہتا تھا کہ ایک ایسا مضبوط مستقر قائم کر سکے جو بعد کے اقدامات کی تیاریاں مکمل کرنے میں مدد دے سکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ پہلا حملہ کس جانب سے ہوگا؟ کاٹرو نے اپنے قارئین کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی کہ اٹلی، پانی، خوراک، پٹرول اور گولہ بارود کے حمل و نقل کے لئے موٹری رسلیات کا اہتمام بہت بڑے پیمانے پر کر رہا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اعلیٰ کمان کو تیز حرکتی جنگ کے لئے تربیت دینے پر زور دے رہا تھا۔ تاکہ وہ صحرا کے وسیع حصوں میں حرکت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ کاٹرو کا استدلال یہ تھا کہ یہ تدبیراتی پہلو کسی بڑے تزویراتی منصوبے کا حصہ ہونے چاہئیں۔ دوسری طرف یہ ملحوظ

رکھنا ضروری تھا کہ لیبیا اور ٹیونس کے درمیان کوئی بڑا صحرا واقع نہیں۔ مزید برآں اٹلی کے پیادہ اور توپخانے کے پاس ایسے بوجھل ہتھیار نہیں تھے۔ جن سے وہ خطِ مارتھ پر حملہ آور ہو سکتے اور مارشل بالبو کے لئے فرانسیسی مدفوعات کو توڑنا قریب قریب ناممکن تھا۔ بلکہ وہ اِس پہلو کی طرف غور ہی نہیں کر رہا تھا۔ اس کے برعکس اس کی فوج لیبیا کے صحرا کو مشرق کی سمت عبور کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ اور نہر سویز یا مصر اس کا ہدف قرار دئے جا سکتے تھے۔

گو اس کی چوڑائی کم تھی پھر بھی سمندر اور صحرا کے درمیان کا حصہ اس قابل تھا کہ اسے نیل کے دہانے تک راستے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ وہ جانتا تھا کہ اتحادیوں کے لئے نہر سویز کی کس قدر اہمیت تھی۔ بہرکیف شمالی افریقہ کے مستقر اس وقت تک کارآمد نہیں ہو سکتے تھے جب تک اٹلی سے رسلیات متواتر نہ پہنچتی رہیں۔ بحری طاقت کی اہمیت اس وجہ سے بہت بڑھ جاتی تھی۔ اٹلی کا آبدوز بیڑہ اور فضائیہ اس قابل نہ تھے کہ اتحادیوں کے بحری بیڑوں کو بحیرۂ روم استعمال کرنے سے کلی طور پر روک سکیں۔

جنرل کاٹرو نے ۱۹۳۹ء کے موسم بہار میں ان تمام خطوط کی واضح طور پر پیش بینی کر لی تھی جن کے مطابق بعد میں جنگ لڑی گئی۔ البتہ وہ فرانس کے سقوط اور اس سے افریقی مقبوضات پر جو اثر ممکن تھا وہ نہ دیکھ سکا۔

(۷)

فرانسیسی نوآبادیاتی جنگ کا نظریاتی پہلو انیسویں صدی کے اواخر میں مکمل ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۰ء کے بعد بہت کم ایسے خیالات تھے جنہیں لائٹی کے مضمون "فوج کی نوآبادیاتی ذمہ داریوں" پر اضافہ کیا جا سکتا ہو۔ چند تبدیلیاں ضرور کی گئیں جو فنیاتی وجوہ کی بنا پر ضروری تھیں۔ نوآبادیاتی افسر نئے طریقے استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ فرانسیسی افسروں میں یہ پہلا گروہ تھا جس نے ہوائی مشین کی طرف حقیقی توجہ کی۔

دورانِ جنگ میں اِن مقبوضات کا رویہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ فرانس کی فتح مکمل اور کامیاب تھی۔ جون ۱۹۴۰ء میں فرانس کو اپنی تاریخ کی بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے

باوجود "سمندر پار فرانس" کے کسی حصے نے بھی فرانسیسی حکومت کو الٹنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کامیابی کو محض جنگی یا انتظامی نظریات کی خوبیوں کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں ان لوگوں کو بھی دخل ہے جنہیں ان نظریات کو کامیاب بنانے کی تربیت دی گئی تھی۔

تمام عمر لائٹی کی نگاہ کے سامنے "ہر کارے ہر مردے" کا اصول رہا۔ وہ اپنے وقت کا بہت سا حصہ اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کیا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان کے تجربات اور نظریئے وسیع ہوں۔ اس کے خیال میں تعلیمی سندات فوجی کارناموں سے کم نہ تھیں۔ نوآبادیاتی فوج میں یہ نظریہ اس کے بعد بھی قائم رہا۔ اس کے شاگردوں میں سے جنرل فریڈن برگ باقی باتوں کے علاوہ طبقات الارض کا بھی ماہر تھا۔ لیون کے میلے میں ۲۹ فروری ۱۹۱۶ء کو خصوصی طور پر اس نے اپنے خطبے کے اختتام پر صحیح قسم کے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "وہ شخص جو محض سپاہی ہے اچھا سپاہی نہیں ہو سکتا۔ جو محض پروفیسر ہے۔ اس کے پروفیسر ہونے کا معیار بلند نہیں ہو سکتا۔ جو محض کارخانہ دار ہے وہ اچھا کارخانہ دار ثابت نہیں ہو سکتا مکمل انسان وہ ہے جو اپنی تمام قابلیتوں پر قادر ہو اور انہیں بروئے کار لا سکے اور انسانوں کی رہنمائی کرنے کے قابل ہو۔ یعنے قائد بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ایسے شخص کا ذہن ہر اس چیز کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے جو بنی نوع انسان کی عزت کا باعث ہو۔"[۶]

مگر نوآبادیاتی مکتب کی نگاہ میں انسان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں بجلی کی سی تڑپ ہو اور وہ عمل کا دلدادہ ہو۔ خود بھی کام کرے اور دوسروں سے کام لے سکے۔ لائٹی نے اپنی سرکاری مہر پر شیلے کا ایک مصرع کندہ کرایا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا "عمل ہے باعث تسکین قلب انسانی" اس مکتب میں صرف انہیں کے لئے جگہ تھی جو کام کر سکتے تھے۔ اور جنہیں اپنے عمل پر محکم ایمان تھا۔ "فتح کا یقین فتح کا ضامن ہے۔" یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے "سمندر پار فرانس" قائم کیا۔ آج بھی ان کا شمار اپنے عہد کے دلچسپ ترین مفکروں میں کیا جا سکتا ہے۔

---

۶ لائٹی، ص ۱۰۶

گیارھواں باب

ڈلبروک

عسکری مؤرخ

از گارڈن۔ اے۔ کریگ

ہنس ڈلبروک کی عملی زندگی کا دور وہی ہے جو دوسری جرمن امپائر کا زمانہ تھا۔ بیک وقت وہ عسکری مسائل و واقعات کا ترجمان اور جرمن جنرل سٹاف کا غیر فوجی نقاد بھی تھا۔ اس کی تصنیف "فنِ جنگ کی تاریخ" جرمن ادب کا صرف شاہکار ہی نہیں۔ بلکہ اپنے عہد کے علما نظری کے لیے معلومات کا بے بہا ذخیرہ بھی تھی۔ اس نے پہلی عالمی جنگ کے عسکری واقعات پر جو تبصرے اور دورانِ جنگ اور بعدِ جنگ جرمن کمانِ اعلیٰ پر جو نکتہ چینیاں کیں ان کی وجہ سے اُن تزویراتی نظریات پر دوبارہ توجہ دی جانے لگی جو مالٹکے کے زمانے سے رائج تھے۔

جرمنی کے عسکری رہنماؤں نے ہمیشہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ عسکری تاریخ سے بہت اہم سبق حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کلازوٹز کا منتہیٰ نظریہ رہا تھا۔ کہ وہ جنگ کا سبق جنگی مثالوں کے ذریعے دے سکے۔ اگر یہ ضروری تھا کہ طالب علم تاریخِ جنگ سے صحیح سبق حاصل کرے تو پھر یہ بات از حد لازمی ہو جاتی تھی کہ عسکری تاریخ بالکل درست ہو اور عہدِ قدیم کے جنگی کارناموں کو داستان گوئی کی زنگ آلودگی سے پاک کیا جائے۔ لیوپولڈ فان رینکے کی وجہ سے انیسویں صدی میں جرمن طالب علم اس کوشش میں منہمک رہے کہ جن جن فرضی قصے کہانیوں نے عسکری تاریخ کو غیر یقینی بنا دیا تھا۔ انہیں نکال باہر کیا جائے اور تاریخی صداقتوں کو عریاں کیا جائے۔ البتہ جب ڈلبروک نے اپنی کتاب "فنِ جنگ کی تاریخ" لکھی اس کے بعد یہ ممکن ہو سکا کہ سائنسی طریقے عسکری تاریخ پر استعمال کیے جائیں۔ ڈلبروک کا یہ کارنامہ عسکری افکار میں بہت بڑا اضافہ تھا۔

البتہ یہ صرف اسی کی محنت کا نتیجہ نہیں تھا۔ انیسویں صدی کے دوران یورپ میں حکومت کے ذرائع کو وسیع کیا گیا اور عام طور پر عوام کی آواز کی شنوائی ہونی شروع ہوئی۔ جب عوام کا دخل حکومت اور ملکی نظم و نسق میں ہونے لگا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ عسکری امور ایک محدود حکمران طبقے کا خصوصی حق رہ جاتے۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ملک کی سالمیت اور عسکری اداروں کی بقا کے لئے عوام کو عسکری مسائل سے صحیح طور پر آگاہ کیا جائے۔ حقیقتہً اس وقت ملکی زندگی میں یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ عوام کو اس طرح کی صحیح تربیت دی جائے۔ ڈلبرک نے اِس ضرورت کو محسوس کیا اور اُسے پورا کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی تمام تحریروں میں اپنے آپ کو عسکری امور کے معاملے میں جرمن قوم کا ترجمان تصور کیا۔ اپنے آخری ایام میں وہ اپنے عہد کے عسکری اداروں اور تزویراتی افکار کا نقاد بھی بن گیا تھا۔ عہدِ قدیم کے عسکری اداروں کے مطالعے نے اس پر اس حقیقت کو روشن کیا تھا کہ ہر عہد میں سیاست اور جنگ کا گہرا تعلق رہا ہے اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ سیاست اور تزویرات کو ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔

ڈلبرک کی نگاہ میں جنگ کی ہدایت کاری اور تزویرات کی منصوبہ بندی کو حکومت کی پالیسی کے تحت رہنا چاہیے۔ جونہی تزویراتی افکار خود سر ہو گئے تو پھر بہترین تدبیراتی کامیابیاں سیاسی تباہی کا باعث بننا شروع ہو جائیں گی۔ جنگ کے دوران ڈلبرک ایک مؤرخ سے ترقی کر کے نقاد بن گیا۔ اور بالآخر یہ نیا پہلو پہلے پر سبقت لے گیا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ کمانِ اعلیٰ کے تزویراتی افکار ملک کے سیاسی مفاد کے منافی ہوتے جا رہے ہیں تو اس نے اسی وقت باہم سمجھوتے سے صلح کی پُر زور رائے دینا شروع کی۔ جنگ کے بعد جب جرمن حکومت نے ۱۹۱۸ء میں جرمن شکست کے اسباب کی تحقیق شروع کی تو ڈلبرک نے نہایت صاف گوئی سے لیوڈن ڈارف کی تزویرات پر تنقید شروع کی۔ اس کی تنقید قدرتی طور پر ان حقائق پر مبنی تھی۔ جو اس نے تاریخ کے مطالعے سے اخذ کئے تھے۔

(۱)

ڈلبرک کی پیدائش نومبر ۱۸۴۸ء میں برگن کے مقام پر ہوئی۔ اس کا والد ضلع کا جج تھا اور

اس کی والدہ برلن یونیورسٹی کے فلسفہ کے استاد کی لڑکی تھی۔ اس کی ابتدائی تعلیم گریف والڈ کے ابتدائی مدرسے میں ہوئی۔ بعد میں اس نے ہیڈلبرگ، گریف والڈ اور بان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ طالب علمی کے زمانے میں ڈلبرک کو سیاسی مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ اور وہ جرمن اتحاد کا پُرزور حامی تھا۔ البتہ اسے ۱۸۷۰ء تک اس بات کا یقین نہیں ہوا تھا کہ بسمارک کی پالیسی اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے گی۔[1] اس کے باوجود جب اسے احساس ہوا کہ فرانس کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے تو وہ ۱۸۶۶ء میں فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اس نے ۱۸۷۰ء کی جنگ کے دوران جنگی خدمات انجام دیں اور اس کے بعد ۱۸۸۵ء تک محفوظہ میں افسر رہا۔

۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۹ء تک ڈلبرک ولی عہد کے لڑکے شہزادہ ویلڈیمر کا اتالیق رہا۔ اس دوران میں وہ تاریخ دان بننے کی ابتدائی خواہش پر قائم رہا اور ۱۸۸۱ء میں برلن یونیورسٹی میں اسامی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں اسے عملی سیاست میں حصہ لینے کا موقع بھی مل گیا۔ ۱۸۸۲ء سے ۱۸۸۵ء تک وہ پرشیا کی کونسل کا رکن رہا اور ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۰ء تک جرمن پارلیمان کا رکن رہا۔

اس نے "سٹاٹس آرچو" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ یہ سالنامہ سرکاری اور سفارتی دستاویزوں کا مجموعہ ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک اور سالنامے کا ایڈیٹر بھی رہا۔ جس میں سال گزشتہ کے واقعات پر روشنی ڈالی جاتی تھی اور ان پر بحث کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں اسے "پروسیشے جاربوکر" کے ایڈیٹوریل بورڈ کا رکن منتخب کیا گیا۔ اور ۱۸۹۰ء کے بعد وہ اس کا واحد ایڈیٹر قرار پایا۔ اسی رسالے کے صفحات میں ڈلبرک زمانۂ جنگ میں اپنی تنقیدیں پیش کیا کرتا تھا اور اسی رسالے میں اس نے جنگ کے بعد معاہدۂ وارسائے کی ان شقوں پر کڑی نکتہ چینی کی جن کے مطابق جنگ کا ذمہ دار جرمنی کو ٹھہرایا گیا۔

۱۸۷۴ء میں وٹن برگ کے مقام پر جب وہ سپاہی تھا۔ موسم بہار کی مشقوں کے دوران اس نے رسٹاؤ کی کتاب "پیادہ کی تاریخ" کا مطالعہ کیا۔ بعد کے ایام میں وہ کہا کرتا تھا کہ اس واقعہ نے اسے تاریخ دان بننے پر اکسایا۔ ۱۸۷۷ء میں اسے نیبی ناؤ کی تالیف کو مکمل کرنے کا موقعہ ملا۔

۱۔ کریگ: "سیاست" جلد ۳۔ ص ۴۲۶

یہ تالیف ہینبرگ پہنچ کر نے شروع کی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ایک طرف نپولین بنیسی ناؤ اور دوسری طرف آرچ ڈیوک چارلس، ولنگٹن، اور شارنہارسٹ کے تزویراتی افکار میں بنیادی فرق تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ انیسویں صدی کی تزویرات گزشتہ صدی کی تزویرات سے بہت مختلف تھیں۔

برلن یونیورسٹی میں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے ۱۸۶۶ء کی مہم پر تقاریر کیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی توجہ ماضی کی طرف منعطف کر دی۔ اس نے باقاعدگی سے دورِ قدیم اور وسطی دور کے ماخذات کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور ایرانی لڑائیوں، پیریکلیز اور کلیاآن کی تزویرات اور رومن ملٹی پل کی تدبیرات پر مضامین شائع کئے۔ اس کے علاوہ اس نے جرمن ابتدائی عسکری اداروں، سوئٹزر اور برگنڈیوں کی لڑائیوں اور فریڈرک اعظم اور نپولین کی تزویرات پر بھی رسائل شائع کئے۔ ان ہی تقریروں اور مضمونوں کا نتیجہ اس کی معروف تصنیف "فنِ جنگ کی تاریخ سیاسی تاریخ کے پس منظر میں" تھی۔ جس کی پہلی جلد سنہ ۱۹۰۰ء میں منظرِ عام پر آئی۔

(۲)

پہلی جلد کے شائع ہونے کے دن سے "فنِ جنگ کی تاریخ" نقادوں کا ہدف بنی رہی ہے۔ تاریخ قدیم کے ماہروں کو برا محسوس ہوا کہ ڈلبرگ نے ہیروڈوٹس کو کیوں رسوا کیا ہے۔ وسطی دور کے ماہروں نے اس حصے پر حملے کئے جس میں جاگیرداری نظام کی ابتدا پر بحث کی گئی تھی۔ وطن پرست انگریز اس بات پر چراغ پا تھے کہ ڈلبرگ نے "گلابوں کی جنگوں" کو کیوں ہتک آمیز رنگ میں پیش کیا تھا۔ البتہ عام طور پر کتاب کو سراہا گیا اور مختلف النوع قارئین، مثال کے طور پر جمہوریہ ویمر کے وزیرِ جنگ جنرل گروئنر اور مشہور اشتراکی مصنف فرینز مہرنگ نے اس کی تعریف کی۔

اس تاریخ کا مقصد اس کے عنوان سے ظاہر تھا۔ یہ سیاسی تاریخ کے پس منظر میں فنِ جنگ کی تاریخ تھی ۲۔ چوتھی جلد کے دیباچے میں ڈلبرگ نے اسے زیادہ تفصیل سے بیان کیا۔ اس تصنیف

۲۔ Geschichte der kriagskumst. جلد اول، ص ۱۱

کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مملکت کے دستور اور تزویرات و تدبیرات کے باہمی تعلق کو واضح کیا جائے۔

ڈلبرک کو اس بات کا احساس تھا کہ اس طرح کے نتائج تک پہنچنے سے پہلے ضروری ہے کہ تاریخ دان ان جنگوں کی تفصیلات محکم طور پر معلوم کرلے۔ "واقعات" موجود تھے۔ عہدِ ماضی کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے تھے۔ البتہ عسکری تاریخ کے اکثر ماخذات میں غلط بیانی اور لاف زنی سے کام لیا گیا تھا۔[۳] سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ عصر جدید کا مؤرخ ان کی چھان بین کس طرح کر سکتا تھا۔

ڈلبرک کے خیال میں یہ کئی طریقوں سے ہو سکتا تھا۔ بشرطیکہ مؤرخ کو یہ معلوم ہو کہ میدانِ جنگ کی زمینی نوعیت کس قسم کی تھی۔ عصرِ جدید کا جغرافیائی علم ان تفاصیل کی درستی کی چھان بین کرنے میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اگر مؤرخ کو یہ معلوم ہو کہ کس قسم کے ہتھیار استعمال کئے گئے تھے تو وہ اُس دَور کی تدبیرات کا نقشہ از سرِنو تیار کر سکتا تھا۔ اِس لئے کہ ہر قسم کے ہتھیاروں کے لئے تدبیراتی قوانین معلوم کئے جا سکتے تھے۔ جدید جنگ کا مطالعہ مؤرخ کی مزید سہولت کا باعث بن سکتا تھا۔ اِس لئے کہ جدید مہموں میں وہ اوسط درجے کے سپاہی کی منزل کا فاصلہ معلوم کر سکتا تھا۔ یہ بھی اُسے معلوم ہو سکتا تھا کہ اوسطاً ایک گھوڑا کتنا وزن اُٹھا سکتا ہے۔ اور جب عظیم لشکر مجتمع ہوں تو ان کی چال کاری کے امکانات کس حد تک ہوتے ہیں۔ اِس بات کا امکان بھی تھا کہ بعض ایسی لڑائیاں اور مہمیں معلوم ہو جائیں جن کے حالات عہدِ قدیم کی لڑائیوں اور مہموں سے مکمل مطابقت رکھتے ہوں۔ اِن تمام طریقوں کے یکجا استعمال کرنے کے عمل کو ڈلبرک نے "سچی تنقید" کا نام دیا۔[۴]

ڈلبرک کے وہ نتائج سب سے زیادہ حیران کن تھے۔ جن میں اُس نے عہدِ قدیم کی جنگوں میں سپاہ کی تعداد کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کیں۔ مثال کے طور پر ہیرا ڈوٹس کے بیان کے مطابق جو ایرانی فوج ایتھنز کے خلاف پانچویں صدی قبل مسیح میں لڑی اس کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ تھی۔ ڈلبرک کے خیال میں یہ تعداد قابلِ قبول نہیں۔

"جرمن کوچ کی تجویز" کے مطابق ایک سپاہ جس میں تئیس ہزار آدمی ہوتے ہیں تین میل کے

۳۔ ایضاً۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷

۴۔ ایضاً۔ ،، دیباچہ

فاصلے پر پھیلتی ہے۔ اس میں اس کے سامان کا قافلہ شامل نہیں ہوتا۔ اس حساب سے ایرانی فوج کی "مارچ کالم" چار سو بیس میل لمبی ہونی چاہیئے۔ یعنے جب ہراول دستے تھرماپولی کے سامنے پہنچ رہے ہوں گے اس وقت اس کا چنداول دریائے دجلہ کے اس پار شوش کے مقام سے روانہ ہوا ہوگا۔"

اگر اس پہلو کو کسی طرح سے فراموش بھی کر دیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن میدانوں میں لڑائیاں لڑی گئیں ان میں سے ایک بھی اتنا وسیع نہیں تھا کہ ہیرا ڈوٹس کے بتائے ہوئے عظیم لشکر اس میں لڑائی کے لیے صف آرا ہو سکتے۔ میراتھن کا میدان "اس قدر تنگ ہے کہ پچاس سال ہوئے ہیں جب ایک جرمن سٹاف افسر نے اس کے متعلق وہاں جاکر لکھا کہ اس میں ایک پرشیائی بریگیڈ بھی مشقیں نہیں کر سکتا۔"[۲]

ڈلبرک کے اندازے کے مطابق یونانی فوج جس نے زرزیس کا مقابلہ کیا اس کی تعداد کم و بیش بارہ ہزار نفوس ہو گی۔ یہ فوج شہریوں پر مشتمل تھی۔ اسے فیلانکس قسم کی لڑائی کی معمولی سی تربیت دی گئی تھی۔ البتہ وہ چال کاری کی جنگ لڑنے کے قابل نہیں تھی۔ ایرانی فوج پیشہ ور فوج تھی۔ اس کے سپاہیوں کی دلیری کا اعتراف یونانی بیانات کے مطابق بھی کیا گیا ہے۔ "اگر یہ دونوں باتیں صحیح تھیں، یعنے اس کی تعداد اور اس کی بہادری، تو پھر یونانی فوج کی فتح کے دلائل پیش نہیں کئے جا سکتے۔ ان دونوں باتوں میں سے صرف ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔" ڈلبرک اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ایرانی ان تمام جنگوں میں یونانی فوج کی نسبت تعداد میں کمتر تھے۔

سیزر کی مہمیں جو گال میں لڑی گئیں ان کے متعلق وہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ سیزر کا وہ تخمینہ جو اس نے اپنی مخالف فوج کا لگایا تھا۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر از حد بڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح جب وہ یورپ پر ہن حملے کے متعلق بحث کرتا ہے تو اس خیال کو بھی غلط ثابت کرتا ہے کہ اٹیلا کی فوج کی تعداد سات لاکھ تھی۔ اور ان تکالیف کی ان تکالیف کو ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے جو اسے ۱۸۱۲ء کی مہم میں پانچ لاکھ کی فوج لے جانے میں پیش آئیں۔

۶۔ ڈلبرک "تاریخ میں اعداد و شمار" یونیورسٹی آف لندن میں دو لیکچر (لندن - ۱۹۱۳) ص ۲۴۔

۷۔ Geschichte der kriegakunst. جلد اول ص ۲۹

ڈلبرک کی اعداد و شمار کی تحقیق محض آثار قدیمہ میں شوق کا درجہ نہیں رکھتی۔ ایسے وقت جب جرمن فوج کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ ماضی کی جنگوں سے وہ سبق حاصل کرے اس نے قصّے کہانیوں کی پیدا کردہ ذہنیت کو بدلا اور جرمن فوج کو غلط نتائج اخذ کرنے سے باز رکھا۔ جنگ میں اور اسی طرح جنگ کے مطالعہ میں اعداد و شمار کی اہمیت بہت بلند تھی۔

"سچی تحقیق" کے اور بھی بہت سے فائدے تھے۔ اس کے بعد ڈلبرک اس قابل ہو گیا کہ وہ مختلف لڑائیوں کی تفاصیل اور ان کا صحیح نقشہ کھینچ سکے۔ اس کی اس کامیابی نے جرمن جنرل سٹاف کی تاریخی شاخ کو بہت متاثر کیا۔ میراتھن کی لڑائی کا بیان اس کے اس طرح کے نقشوں کی بہترین مثال ہے۔

میراتھن کی لڑائی میں یونانی فوج بوجھل ہتھیاروں سے لیس پیادہ پر مشتمل تھی۔ اور ان کی صف آرائی فیلانکس کے سے اصولوں پر تھی۔ ان کے مقابلے پر ایرانی فوج تعداد میں کم تھی اور وہ اعلیٰ تربیت یافتہ تیر اندازوں اور سوارہ پر مشتمل تھی۔ ہیراڈوٹس نے لکھا تھا کہ یونانی فوج نے سولہ سو گز یعنی قریباً ایک میل چوڑے میراتھن کے میدان کے پار ہلہ بول کر ایرانی فوج کے قلب کو تباہ کر دیا تھا۔ اور یوں فتح پائی تھی۔ جدید جرمن قواعد کی کتابوں کے مطابق اگر سپاہی اپنا جھولا اور پٹھو لگائے ہوئے ہوں تو وہ زیادہ سے زیادہ دو منٹ تک دوڑ سکتے ہیں اور اس عرصے میں وہ ۲۶۰ سے ۳۸۰ گز تک کا فاصلہ عبور کر سکتے ہیں۔ ایتھنز کے سپاہیوں کے ہتھیاروں کا وزن آج کل جرمن سپاہیوں سے کسی صورت بھی کم نہ ہوگا۔ وہ پیشہ ور سپاہی نہیں تھے اور ان میں سے اکثر کی عمر عصرِ جدید کی جوان کی عمری حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں فیلانکس میں سپاہی اس قدر قریب قریب ہو کر صف آرا ہوتے ہیں کہ تیز حرکات پر قابو رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اگر وہ اتنے فاصلے سے ہلہ بولنے کی کوشش کرتے تو لامحالہ ایک ہجوم کی طرح تتر بتر ہو جاتے۔ جسے ایران کے پیشہ ور سپاہی بغیر وقت کے کاٹ کر رکھ دیتے۔

جو تفصیلات ہیراڈوٹس نے بیان کی ہیں وہ ناممکن العمل ہیں خصوصاً اس لئے بھی کہ یونانی فیلانکس کے پہلو کمزور تھے اور کھلے میدان کے مقابلے میں ایرانی سوارہ اسے گھیرے میں لے لیتا۔ ڈلبرک کے خیال میں یہ لڑائی میراتھن کے میدان میں نہیں لڑی گئی ہو گی۔ بلکہ جنوب مشرق کی

ایک چھوٹی سی وادی میں لڑی گئی ہوگی جہاں یونانیوں کے بازو پہاڑوں اور جنگلوں کی وجہ سے محفوظ ہوں گے۔ اس لڑائی کا مدلل بیان صرف ایک ہی ہے۔ یعنے یہ کہ گو ایرانی تعداد میں کہیں زیادہ تھے اور بازوئی حملہ کرنے کا موقع بھی انہیں نہیں مل سکا تھا۔ تاہم انہوں نے حملے میں پہل کی ہوگی جنگل اور پہاڑ ان کے سوارہ کے استعمال میں حارج ہوئے ہوں گے۔ اور ملٹیاڈس نے عین موقع پر دفاع چھوڑ کر مہاجمہ اختیار کر لیا ہوگا اور یوں ایرانیوں کی شکست ہوئی ہوگی۔[8]

ڈیلبرک کا عقیدہ تھا کہ "عصر حاضر کی جنگوں کے لئے پرانے زمانے کی جنگیں ادب علم (جنگی) حرف دنحو اور رہنما کا درجہ رکھتی ہیں۔" اس طرح سے ایک ایک جنگ کا نقشہ از سر نو کھینچ کر وہ عسکری تاریخ میں تسلسل دکھانا چاہتا تھا۔ اور یوں اس کی "سچی تحقیق" کے ذریعے اس نے تین اہم خیال پیش کیے۔ یہ خیال اس کی تحریروں کو اس طرز کی وحدت اور معانی دیتے ہیں کہ اس سے قبل اس موضوع پر کسی کتاب میں نہیں دیکھے گئے۔ وہ تین خیال یہ تھے۔ ایرانیوں سے لے کر نپولین تک کے تدبیراتی اصول، تاریخ عالم میں سیاست اور جنگ کے مابین گہرا تعلق، اور تزویرات کی دو بنیادی حصوں میں تقسیم۔

عسکری افکار کی دنیا میں ڈیلبرک کا بہترین کارنامہ اس کی وہ تحقیق ہے جس میں اس نے "تدبیراتی جمیعتوں" کے ارتقا کو نہایت وضاحت سے پیش کیا ہے۔[9] اسے عہد قدیم میں رومیوں کی عسکری برتری کی وجوہات معلوم کرنے کی جستجو تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کی کامیابی کی اساس ان کی تدبیراتی تشکیلات کی خوبی پر منحصر تھی۔ اب عہد حاضرہ کی طرف توجہ پلٹتے ہوئے ڈیلبرک اس نتیجے پر پہنچا کہ سوئیز، برگنڈی جنگوں میں تدبیراتی جمیعتوں کا دوبارہ ظاہر ہونا اور پھر نپولین کے عہد تک ان میں اصلاح اور کمال ہی ایسا عنصر تھا جس نے جدید عسکری تاریخ کو تسلسل دیا تھا۔ اور اسے ایک ہی وحدت کی شکل عطا کی تھی۔

کینے کی لڑائی عہد قدیم کی جنگوں میں ایک نیا رخ قائم کرتی ہے۔ اس لڑائی میں قرطاجنہ والوں نے ہینی بال کی کمان کے تحت رومیوں کو شکست فاش دی۔ اس لڑائی کے متعلق کہا جاسکتا

۸۔ ایضاً۔ جلد اوّل۔ ص۔ ۴۱۔ ۵۹

۹۔ ایضاً۔ ۱۔ ص ۴۱۷

ہے کہ یہ تدبیراتی لڑائی کی بہترین مثال ہے۔ کینے کے مقام پر رومی پیادہ کو قریب قریب وہی ترتیب دی گئی تھی جس نے نیز آتھن کی لڑائی جیتی تھی فیلانکس کی بنیادی کمزوری نے رومی فوج کو ہنی بال کے پنجے میں ڈال دیا تھا۔ رومی بازو غیر محفوظ تھے۔ ان کا عقب معظم الجیش سے علحدگی اختیار نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی اس سے ہٹ کر چال کاری پر قابض آسکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رومی قرطاجنی سوارہ کی محاصری حرکت کو رد کرنے کے ناقابل تھے۔ لیکن کینے کے بعد کے برسوں میں رومیوں کی میدانی تشکیلات میں نتیجہ خیز تبدیلیاں کی گئیں۔ "رومیوں نے سب سے پہلے تو فیلانکس کی وضاحت کی۔ اسے نام دیا اور اس کی شکل کا تعین کیا۔ پھر اسے کالموں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد ہر کالم کو بہت سی چھوٹی چھوٹی تدبیراتی جمعیتوں میں بانٹا جو حرکت کرنے کے قابل ہونے کی وجہ سے اپنی شانہ بہ شانہ ہو کر ایک ایسی وحدت بنا سکتی تھیں۔ جس میں شگاف ڈالنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ اور پھر جب حسب ضرورت علیحدہ ہو کر مختلف قسم کی تشکیلات بنا سکتی تھیں۔ اس طرح وہ جب چاہتے پورے فیلانکس کو یا کسی حصے کو کسی بھی رخ پھیر سکتے تھے۔[۱۱] " رومیوں نے دنیا فتح کی۔ اس لئے نہیں کہ ان کی سپاہ دشمنوں سے زیادہ دلیر تھی بلکہ اس لئے کہ بہتر انضباط کی وجہ سے ان کی تدبیراتی جمعیتیں زیادہ محکم تھیں۔"

رومی ریاست کے تنزل اور مملکت میں بربریت آجانے کی وجہ سے بلاؤڈے کے ایام سے جو بھی تدبیراتی ترقیاں ہوئی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ پیادہ کو اسی وقت تک سوارہ پر فوقیت حاصل ہے جس وقت تک پیادہ کی تنظیم مضبوط تدبیراتی جمعیتوں کے مطابق ہوئی ہو۔ اب ریاست کے نظام میں ابتری واقع ہو چکی تھی۔ تدبیرات میں بھی اسی مناسبت سے تنزل واقع ہوا۔ نئے بربریت پسند مغربی ایمپائر میں اور اسی طرح جسٹینین کی فوج میں بھی رجحان اس طرف تھا کہ پیادہ کی بجائے بوجھل سوارہ قائم کیا جائے۔[۱۲]

پندرھویں صدی میں سوئزوں نے دوبارہ پیادہ کو فروغ دیا۔ سوئزی نیزہ بردار اسی طرح

۱۰۔ ایضاً - ۱ - ص ۳۸۰

۱۱ - ایضاً ۲ - ص ۴۳

۱۲ - ایضاً ۲ - ص ۴۴۴ ح

جمیعتوں میں بٹ کر رہتے تھے جس طرح جرمن گیور تھافے (Gevierthaufi.)[13]
رہا کرتے تھے اور برگنڈیوں کے خلاف جنگوں میں انہوں نے وہی تفصیلی تدبیرات اختیار کیں جو
رومی جنرل نے ایجاد کی تھیں۔

تدبیراتی جمیعتوں کا دوبارہ قیام اتنا ہی بڑا انقلاب تھا جتنا کہ کینے کے بعد ہوا تھا جاگیرداری
جنگوں کا خاتمہ آتشی ہتھیاروں نے نہیں کیا بلکہ اِس انقلاب نے کیا تھا۔ مرٹن، گرین سن اور نیسینی
کے مقامات پر نائٹوں نے بھی آتشی ہتھیار استعمال کئے مگر لڑائی کے انجام پر کچھ اثر نہ کر سکے۔ جو
توجہ ڈلبرک تدبیراتی جمیعتوں کے قیام کو دیتا ہے اِس سے اس کی عسکری تاریخ میں تسلسل قائم ہو
جانے کے علاوہ اس کا دوسرا اہم خیال بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تاریخ عالم میں سیاست اور جنگ
کا گہرا تعلق رہا ہے۔ وہ ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سیاست کی نشو و نما اور تدبیراتی ارتقا
ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کینے کے مقام پر رومی فوج اپنی تدبیراتی
خامیوں کی وجہ سے ہاری تھی۔ مگر اس تدبیراتی کمزوری میں سیاست کا ہاتھ بھی شامل تھا۔ ان کی
فوج ان لوگوں پر مشتمل تھی جو غیر تربیت یافتہ عام شہری باشندے تھے اور ان کے ہاں پیشہ ور
فوج نہیں تھی۔ علاوہ بریں ریاست کے دستور کے مطابق اعلےٰ کمان دو کانسلوں کے درمیان
بدلتی رہتی تھی۔[14] کینے کے بعد کے برسوں میں رومنوں نے وحدتِ کمان کی اہمیت کو تسلیم
کر لیا تھا۔

ڈلبرک کے عسکری نظریات میں سب سے زیادہ اہم وہ نظریہ ہے جس کے مطابق وہ تمام
عسکری تزویرات کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ڈلبرک کے زمانے میں کلازوٹز کی کتاب
"جنگ" کے زیر اثر عسکری مفکروں کی اکثریت اِس خیال کی ہو گئی تھی کہ جنگ کا مقصد دشمن کے
قواء کو مکمل تباہ کرنا ہوتا ہے۔ اِس لئے وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ جو لڑائی اِس مقصد کو انجام دے
سکتی ہے وہ تزویراتی لحاظ سے اکمل و افضل ترین ہے۔ اس کی جستجو یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو
گئی تھی کہ کلازوٹز خود تسلیم کرتا ہے کہ ایک سے زیادہ تزویراتی طرزِ تفکر کی موجودگی کے امکانات

۱۳۔ ایضاً۔ ۲۔ ص۔ ۶۰۹ ح

۱۴۔ ایضاً۔ ۱۔ ” ۳۰۵

ہیں۔ کلازوٹز کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور وہ صرف اشارتاً یہی کہہ سکا کہ اس طرح کے دو طرزِ تفکر موجود تھے۔ ڈلبرگ نے ان دونوں کے وجود کو تسلیم کیا اور پھر ان دونوں کے درمیان جو فرق تھے انہیں وضاحت سے پیش کرنے کا تہیہ کر لیا۔ پہلی قسم وہ تھی جس کو کلازوٹز نے اپنی کتاب "جنگ" میں پیش کیا تھا۔ اسے ڈلبرگ نے "مکمل تباہی کی تزویرات" کا نام دیا۔ اس کا واحد مقصد فیصلہ کن لڑائی تھا اور سپہ سالار اعظم کا فرض یہ تھا کہ وہ پیش کردہ حالات میں اس طرح کی لڑائی لڑنے کے امکانات پر غور و فکر کرے۔

دوسری قسم کی تزویرات کو ڈلبرگ نے "تھکا دینے والی تزویرات" کا نام دیا۔ اسے "دو شاخی تزویرات" کے نام سے بھی اس نے منسوب کیا ہے۔ اس طرز کی تزویرات اور دوسری طرز کی تزویرات میں یہ فرق ہے کہ اس کی دو شاخیں ہیں اور اُس کی صرف ایک ہی شاخ ہے۔ "مکمل تباہی کی تزویرات" میں پیشِ نظر صرف فیصلہ کن لڑائی ہے اور "تھکا دینے والی تزویرات" میں لڑائی کے علاوہ چال کاری بھی پیشِ نظر ہے۔" یہ دوسری قسم نہ تو پہلی قسم کی تزویرات کی مسخ شدہ شکل ہے اور نہ ہی اسے کمتر رتبہ دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے بعض ادوار میں یا تو سیاسی عوامل کی وجہ سے اور یا فوج کی تعداد کم تر ہونے کی وجہ سے صرف یہی طرزِ تزویرات قابلِ عمل تصوّر کی جاتی رہی ہے۔

عہدِ گذشتہ کے نامور کمانداروں میں "مکمل تباہی کی تزویرات" کے حامی سکندر، سیزر اور نپولین رہے ہیں۔ مگر اسی پائے کے سپہ سالار دوسری طرزِ تزویرات کے حامی رہے ہیں۔ ان میں ڈلبرگ ان سپہ سالاروں کو شامل کرتا ہے۔ پیریکلز، بَلی ساریس، ولین سٹین، ایڈولفس اور فریڈرک اعظم۔ آخرالذکر کا نام شامل کرنے سے اس بیچارے مؤرخ پر خفگی کے اظہار اور نکتہ چینی کی بوچھاڑیں پڑنے لگیں ڈلبرگ نے جواباً کہا کہ فریڈرک کو اس فہرست میں شامل کرنے سے اس کی توہین ہرگز نہیں ہوتی۔ اگر فریڈرک تباہی کی تزویرات کا حامی تھا تو پھر اس بات کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے کہ ۱۷۶۱ء میں اس کی زیرِ کمان ساٹھ ہزار سپاہ ہوتے ہوئے بھی اس نے بیس ہزار افراد پر مشتمل شکست خوردہ فوج پر حملہ کرنے سے انکار کیا۔

اس کے باوجود عسکری نقاد ڈلبرگ کے دلائل کے دقیق پہلو کو دیکھنے سے قاصر رہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ تزویرات کا ایسا واحد نظریہ ہرگز نہیں ہو سکتا جسے ہر دور میں استعمال کیا جائے۔

جنگ کے دوسرے پہلوؤں کی طرح تزویرات بھی سیاست کے ساتھ گہرے طور پر متعلق ہے۔ صرف سیاست ہی نہیں بلکہ ریاست کی زندگی، دوام اور طاقت کے ساتھ وابستہ ہے۔ فریڈرک کی کامیاب جنگیں اسے بزرگی عطا نہیں کرتیں بلکہ اس کی شخصیت کی بلندی کا تعلق اس کے سیاسی شعور کے ساتھ اور اُس کی قابلیت کے ساتھ ہے کہ وہ اپنی تزویرات کو سیاسی حقیقتوں کے سانچے میں ڈھالنے کے قابل تھا۔ تزویرات کی کوئی طرز بھی خود کفیل نہیں ہو سکتی۔ جونہی اسے خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے اور اسے سیاسی منظر سے علیحدہ کیا جائے تو تزویر کارِ ریاست کے لئے باعث تہدید و خطر بن جاتا ہے۔

(۳)

چونکہ ڈلبرک جرمنی کا بہترین غیر فوجی عسکری نقاد تھا اس لئے اس کی ایام جنگ یعنی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کی تحریریں قابلِ توجہ ہیں۔ جنگ سے متعلق اس کی تحریروں میں غیر معمولی وسعتِ نظر اور معاملہ فہمی نظر آتی ہے۔ یہ بات عام غیر فوجی نقادوں میں نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جنگ کے فنیاتی پہلو سے اچھی طرح واقف تھا اور اس نے تاریخ کے مطالعہ سے اپنی حسِ توازن کو بیدار کر لیا تھا۔

۱۹۱۴ء میں جرمن فوج شلیفن کی تزویرات کے مطابق بلجیم میں پھیل کر آگے بڑھ گئی۔ مقصد یہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس محاذ کا خاتمہ کیا جائے اور پھر پوری طاقت کو روس کے خلاف استعمال کیا جائے۔ یہ بھی "مکمل تباہی کی تزویرات"، اپنی پوری آب و تاب میں جنگ کے پہلے چند مہینوں میں ڈلبرک متفق تھا کہ یہ فیصلہ صحیح تھا۔ اپنے دوسرے ہمعصروں کی طرح اس کا خیال بھی یہی تھا کہ فرانسیسی مقابلہ کرنے کے ناقابل تھے۔ فرانس کی غیر یقینی اور نامستحکم سیاست کا اثر فوجی اداروں پر پڑنا بدیہی تھا۔ "یہ ناممکن ہے کہ ایسی فوج کے اندر قابلِ عمل تنظیم موجود ہو جسے تینتالیس (۴۳) برسوں میں بیالیس وزیرِ جنگ میسر آئے ہوں[۱۵]۔" اسے یہ بھی یقین تھا کہ انگلستان طویل عرصے کے لئے مقابلہ کرنے کے ناقابل تھا۔ اس کی گزشتہ تاریخی نشوونما ایسی رہی تھی کہ وہ برائے نام

۱۵۔ جنگ اور سیاست ۔ ۱۔ ص ۔ ۳۵

فوج مہیا کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

جب پہلا جرمن مہاجمہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور خندقی جنگ کا طویل عرصہ شروع ہوگیا تو ڈلبرگ کے ذہن نے عظیم تزویراتی انقلاب کو محسوس کیا۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں ڈلبرگ نے کہنا شروع کردیا تھا کہ "ہماری موجودہ عسکری حالت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو جنگ کو جاری رکھنے سے ہم ایسی حالت کبھی نہیں حاصل کرسکتے" جس سے ہم صلح کی شرائط بجبر منظور کروا سکیں[16]۔" یعنے جرمن فوجیں اب مکمل اور تباہ کن فتح حاصل نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ جرمنی "جنگ جیت" نہیں سکتا۔ اسے اندرونی مقام حاصل تھا اور اس کے مخالفین بکھرے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اقدام پر بھی قادر تھا۔ ڈلبرگ کا مشورہ یہ تھا کہ اب جرمنی کی تزویرات کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اس الحاق کو توڑنے کی کوشش کرے تاکہ انگلستان اور فرانس تنہا رہ جائیں۔ ڈلبرگ ہمیشہ آبدوز مہم کے خلاف رہا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ جنگ میں شریک ہو جائے گی۔ اس کا اندیشہ بالآخر صحیح نکلا!

سیاسی میدان میں ڈلبرگ کے خیال کے مطابق جنگ کے اوائل سے ہی جرمنی تزویراتی کمزوری کا شکار تھا۔ اگر جنگ کے دوران بھی یہی حالت قائم رہی تو فتح کی امید کو زک پہنچنے کا خطرہ تھا۔ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈلبرگ نے جرمنی کے سیاسی رہنماؤں کو آگاہ کیا کہ انہیں نپولین کی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اب تک شہنشاہ جرمنی کی کامیاب ترین فتوحات نے اس کے دشمنوں کی قوتِ ارادی کو مضبوط کرنے میں مدد دی تھی۔ یہ امر شکست کی تمہید بن سکتا تھا۔

ڈلبرگ اس بات سے متفق تھا کہ بلجیم میں داخل ہونا تزویراتی ضرورت کے ماتحت تھا۔ اس کے باوجود اس کے خیال میں بدقسمتی سے اس کی وجہ سے یہ خیال عام ہوگیا تھا کہ جرمنی چھوٹی ریاستوں کو تباہ کرنے اور ان پر قبضہ کرنے کے درپے تھا۔

جوں جوں جنگ طول پکڑتی گئی ڈلبرگ کو یقین ہوتا گیا کہ صلح پر ایماندارانہ رضامندی ہی جرمنی کو فتح دلا سکتی تھی اور یہ فتح اب ہتھیاروں کے استعمال سے ناممکن ہوتی جارہی تھی۔ جب

۱۶۔ جنگ اور سیاست ۔ ۲ ۔ ص ۹۷

۱۷ " " ۱ ۔ ص ۹۰-۲۲۷ ح ۔ ۲۶۱

ریاستہائے متحدہ نے جنگ میں شمولیت کرلی، پھر تو ڈلبرک نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ اگر جرمن رہنماؤں نے صلح کی طرف توجہ نہ دی تو جرمنی کی شکست ناگزیر تھی۔ اسی وجہ سے جولائی ۱۹۱۷ء میں جب جرمن پارلیمان کے سامنے صلح کی تجویز پیش ہوئی تو وہ اس کے حق میں تھا۔ اس کے خیال میں مغربی طاقتوں کو اس تجویز کے قبول ہونے سے اخلاقی زک نہ پہنچے گی اور اس کے عین بعد جو جرمن مہاجمہ ہونا تھا اس کو وہ اچھی طرح نہ روک سکیں گے۔

ڈلبرک کا ایمان تھا کہ جرمن فوج دنیا میں بہترین تھی۔ اس نے آخر تک اس خیال کو نہیں بدلا۔ مگر اسے یہ محسوس ہو گیا تھا کہ بہترین ہوتے ہوئے بھی ناکافی تھی: "ہمیں چاہئے کہ ہم واقعات کو اصلی حقیقت میں دیکھیں . . . . جرمن آمریت کا خوف اس قدر مہلک ہے کہ ہمیں اس کا جواز ڈھونڈنا چاہئے . . . ." جب تک یہ خوف موجود تھا جنگ جاری رہنا ضروری تھی۔ اور اس خوف کو صرف سیاسی تزویرات سے رفع کیا جا سکتا تھا۔ اس کے خیال میں اس تزویرات میں ضروری تھا کہ اس بات کو واضح طور پر بیان کیا جاتا کہ جرمنی کسی علاقے پر قابض ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ضروری تھا کہ یہ بھی اعلان کیا جائے کہ جرمنی صلح کی شرائط پر بحث کرنے کے لئے تیار تھا اگر شروع میں جرمنی کی ان باتوں کا اعتبار نہ بھی کیا گیا تو جونہی نیا عسکری مہاجمہ اختیار کیا جائیگا مغربی طاقتوں کی جھجک دور ہو جائے گی۔ صرف اس نوعیت کے عسکری اور سیاسی عوامل کا ارتباط ہی جنگ کو کامیابی سے ختم کر سکتا تھا۔

ڈلبرک کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ دشمن کی دفاعی قوتوں کو کمزور کرنے کے لئے سیاسی تزویرات کا استعمال بھی کیا جائے۔ جب اس نے تجویز پیش کی کہ جرمن حکومت اس بات کا اعلان کرے کہ جنگ کے بعد بلجیم کو خالی کر دیا جائے گا۔ تو ہر طرف سے اس پر لعن طعن کی بوچھاڑ شروع کر دی گئی۔ بلجیم کے متعلق خاموشی اختیار کرنے کے علاوہ جرمن حکومت نے صلح کی گفت و شنید کے متعلق بھی اپنی پالیسی کا اظہار نہ کیا۔ جب ۱۹۱۷ء میں جرمن پارلیمان صلح کی تجویز پر بحث کر رہی تھی ہنڈنبرگ اور لیوڈن ڈارف نے استعفیٰ دینے کی دھمکی دی۔ جب یہ تجویز قبول ہو گئی تو کمانِ اعلیٰ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اس پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔

ڈلبرک کے خیال میں جولائی کا یہ ہنگامہ معنی خیز تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حکومت

کے حلقوں میں سیاسی رہنمائی کا فقدان تھا اور اسی لئے عسکری حلقے حکومت پر چھا چکے تھے اور پالیسی تعین کرنے میں ان کی رائے بے چون وچرا مانی جا رہی تھی۔ ہنڈنبرگ اور لیوڈن ڈارف عسکری حیثیت سے قابل آدمی تھے مگر فتح حاصل کرنے کے لئے وہ ابھی تک فیصلہ کن لڑائی کے تصور کے قائل تھے۔ اس لئے جب ۱۹۱۸ء میں جرمن مہاجمے کا آغاز ہوا تو ڈلبرگ کو اس کی کامیابی کا یقین نہیں ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق تزویرات کوئی مطلق شئے نہیں ہوتی۔ اسے کسی صورت میں سیاسی عوامل سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ "اس عظیم تزویراتی مہاجمے کے ساتھ ساتھ اور اس کی مدد کے لئے سیاسی مہاجمہ بھی شروع کر دیا جانا چاہئے تھا جو دشمنوں کے خانگی محاذ کے خلاف عمل میں آتا۔ بعین اسی شدت سے جس سے ہنڈنبرگ کی فوجیں دشمن کی صفوں کے خلاف کام کر رہی تھیں۔"۱۸

چونکہ جنگ کے عسکری اور سیاسی پہلوؤں میں ربط قائم نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ڈلبرگ کو یقین تھا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ یہ مہاجمہ تدبیراتی کامیابیاں حاصل کر سکے گا اور اسے تزویراتی اہمیت حاصل نہیں ہو سکے گی۔ مگر اسے بھی یہ خبر نہ تھی کہ مکمل تباہی پر اعتماد رکھنے والے تزویرکاروں کا یہ آخری جوا ہو گا۔ جب جرمنی یکلخت اور مکمل طور پر تباہی سے دو چار ہوا تو ڈلبرگ بھی حیران رہ گیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء کے پرچے میں اس نے اپنے قارئین سے معافی مانگی۔ "میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ ایک مہینہ پیشتر حالات کتنے ہی مایوس کن کیوں نہ نظر آتے میں امید ہار نہیں سکتا تھا اور مجھے یہی یقین تھا کہ محاذ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو چکا ہو اپنے مقام پر کار رہے گا بلکہ دشمن تھک کر متارکہ جنگ پر مجبور ہو جائے گا۔ اور ہماری سرحدیں محفوظ رہ سکیں گی۔" اس کا یہ فقرہ اس کی اس ذمہ داری کو ظاہر کرتا ہے جو تنہا عسکری نقاد ہونے کی حیثیت سے اس نے محسوس کی ہو گی۔ "مجھے اعتراف ہے کہ میں نے بارہا اپنے یقین سے بڑھ کر اپنے خیالات پیش کئے۔"

ڈلبرگ کی نکتہ چینی زیادہ تر لیوڈن ڈارف کے خلاف تھی۔ اسی نے ۱۹۱۸ء کے مہاجمے کا منصوبہ تیار کیا تھا اور پھر اس کی ہدایت کے فرائض انجام دئے تھے۔ اس کے خیال میں لیوڈن ڈارف نے صرف ایک پہلو سے عسکری قابلیت دکھائی تھی۔ اس نے "حملے کے منصوبے میں دونوں پہلوؤں

۱۸۔ ایضاً۔ ۳۔ ص ۴۳

کو خاطر خواہ طور پر ملحوظ رکھا تھا۔ حملے سے قبل فوجوں کی تربیت دینے اور ناگہانیت حاصل کرنے کے لئے حملے کے وقت کا تعین کرنے میں اور پھر حملے کے دوران بھی اس نے معاملہ فہمی اور جوش کا مظاہرہ کیا تھا۔"

اس مہاجمے میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ جرمن کمان اعلیٰ یہ دیکھنے میں ناکام رہی کہ ۱۹۱۸ء میں جرمن فوج کیا کچھ کرنے کے قابل رہ گئی تھی اور چونکہ وہ یہ بنیادی غلطی کر چکی تھی۔ وہ اپنے تزویراتی منصوبے کو جرمن فوج کی قابلیت کے مطابق نہ ڈھال سکی۔ یہاں ڈلبرگ اس موضوع پر بحث شروع کر دیتا ہے جو عسکری ادیب کی حیثیت سے وہ عمر بھر پیش کرتا رہا تھا۔ یعنے یہ کہ جرمن کمانِ اعلیٰ کو اب محسوس کر لینا چاہئے تھا کہ اب مکمل تباہی کی "تزویرات" کو عمل میں لانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس لئے ۱۹۱۸ء کے مہاجمے کا مقصد یہ ہونا چاہئے تھا کہ دشمن کو تھکا دیا جائے تاکہ وہ صلح کی گفت و شنید پر رضامند ہو جائے۔ اس میں کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ جرمن حکومت خود بھی اس طرح کی صلح کے متعلق رضامندی ظاہر کر سکی ہوتی۔

جرمن کمانِ اعلیٰ کی ۱۹۱۸ء کی ناکامی نے انہیں جنگ میں شکست دلوائی۔ اس کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ اس نے تاریخ کا اہم سبق بھلا دیا تھا کہ سیاست اور جنگ آپس میں مربوط ہیں کلازویٹز کے اس فقرے کی طرف لوٹ آنا ضروری ہے کہ کوئی تزویراتی خیال بھی اس وقت تک زیرِ غور نہیں لایا جا سکتا جب تک پہلے یہ فیصلہ نہ کر لیا جائے کہ سیاسی مقصد کیا ہے۔"

(۶)

عسکری مؤرخ عام طور پر غلط فہمی کا شکار ہوتا رہا ہے۔ اس کے مؤرخ ساتھی عموماً اسے شکوک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور افرادِ عساکر جن کے کارناموں کو وہ تحریر میں لانا چاہتا ہے وہ ہمیشہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عسکری حلقوں کا اسے نہ سمجھنا تو کسی حد تک اس لئے بھی ہوتا ہے کہ ہمیشہ در سپاہی عام طور پر غیر فوجی افراد کو بے اعتنائی سے دیکھتے آئے ہیں۔ البتہ ادبی حلقوں کا عسکری مؤرخ کو شکوک کی نگاہ سے دیکھنا عجیب سی بات نظر آتی ہے۔ جمہوری ممالک میں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جنگ کا وجود غیر مہذب

حالات کا آئینہ دار ہے اور تاریخ میں جنگ کا وجود غیر ضروری رہا ہے۔ اس لئے اس کا مطالعہ نہ تو فائدہ بخش ہے اور نہ ہی اس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

عسکری افکار کی تاریخ میں ڈلبرک کی اہمیت کو آسانی سے قبول نہیں کیا گیا۔ "سچی تنقید" کے تحت اس نے جو معلومات پیش کیں انہیں یا تو تسلیم ہی نہیں کیا گیا یا ان کی انشائیت سے انکار کیا گیا ہے۔ اس کا تزویراتی نظریہ بھی نہ تو مؤرخوں نے قبول کیا ہے اور نہ ہی افرادِ عساکر نے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ "فنِ جنگ کی تاریخ" اس لحاظ سے دوام پائے گی کہ اس میں جدید سائنسی طریقوں کو عہدِ قدیم کے واقعات کو پرکھنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، چاہے اس میں بعض حصے قابلِ رد و بدل ہوں پھر بھی اس کا اکثر حصہ ایسا ہے جس پر آج تک حرف نہیں لایا جا سکا۔ سیاست اور جنگ کا ارتباط آج بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پیریکل کے عہد میں تھا۔ ایسا تزویراتی فکر جو خود کفیل ہو جائے یا جو سیاسی پہلو کو نظر انداز کر دے۔ بالآخر تباہی کا باعث بنتا ہے۔

حصّہ چہارم

پہلی عالمی جنگ سے دوسری عالمی جنگ تک

بارھواں باب

چرچل - لائڈ جارج اور کلیمنسیو

غیر فوجیوں کا اقتدار

از۔ ہارڈے۔ اے۔ ڈی ویرڈ

جمہوری طرزِ حکومت اور فلسفۂ زندگی نے عسکری ذمہ داری، تنظیم اور نظارت کے ایسے مسائل پیدا کئے ہیں جو شہنشاہیت کے دور میں موجود نہیں تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جمہوری ریاستوں میں بہترین دماغ اور بلند عزم لوگ اس پیشے کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دوسری طرف یہ خیال کہ کہیں کوئی طاقتور سپہ سالار حکومت کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے جمہوری ممالک میں حکومت کے پیش نظر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے قدم قدم پر پابندیاں اور رکاوٹیں لگادی گئی ہیں۔ جوں جوں جنگ کے اسلوب پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں یہ رکاوٹیں عساکر کی تنظیم اور جنگ کی تیاری کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی جارہی ہیں۔

جمہوری طرزِ حکومت میں تمام تر ذمہ داری عوام پر عائد ہوتی ہے۔ عوام کے نمائندے اس ذمہ داری سے پہلوتہی نہیں کرسکتے۔ جنگ کی ذمہ داری عوام کے انہیں نمائندوں یعنے حکومت پر ہوتی ہے اور وہ ریاست کے تحفظ کے واحد ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔[1] دورانِ جنگ غیر فوجیوں کے جنگی امور سے دست بردار ہونے کے یہ معنے ہوں گے کہ قوم کی آزادی پر پابندیاں عائد کی جارہی ہیں۔ غیر فوجی حلقوں کا عسکری مسائل کو اپنے ہاتھ میں لینا اس امر کا خواہاں ہے کہ وہ مالی امور اور قانون سازی سے آگے بڑھ کر عسکری اقدامات کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ ان کا اس حد تک بڑھ آنا یہ معنے رکھتا ہے کہ اب پیشہ ور سپاہیوں کی روائتی ذمہ داریاں ان سے

۱۔ ای۔ ایم۔ ارل۔ "امریکہ کی عسکری پالیسی اور قومی تحفظ" پولیٹیکل سائنس کے سہ ماہی مجلہ میں جلد ۵۳ (۱۹۳۸) ص ۴-۵

لے لی جا رہی ہیں۔ یہاں تک تو صرف سیاسی وجوہ کا تعلق ہے۔ ان کے علاوہ بھی دورِ حاضر میں ایسی وجوہات پیدا ہو چکی ہیں کہ غیر فوجی جنگ کی ذمہ داریوں میں پہلے سے کہیں زیادہ حصہ لیں۔ اب فنیاتی ترقیاں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی غیر فوجی حلقوں کا جنگ کی ہدایت کاری میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینا ضروری ہو چکا ہے۔

صنعتی انقلاب سے فنیاتی ترقیوں اور جنگ میں نہایت قریب کا رشتہ پیدا ہو چکا ہے اب ٹڈی دل فوجوں کے ہتھیار، سامانِ خورد و نوش اور ان کے ساز و سامان کا انتظام آسان ہو چکا ہے مشینی مصنوعات کی وجہ سے اتنی بڑی فوجوں کا قیام ممکن ہو گیا ہے اور ریلوں نے ان کے حمل و نقل کو آسان بنا دیا ہے۔ مثلاً بڑے مالٹکے نے ۱۸۷۰ء میں چار لاکھ آدمیوں کو سولہ دن میں فرانس کی سرحدوں پر پہنچا لیا تھا اور چھوٹے مالٹکے نے اتنے ہی عرصے میں سولہ لاکھ آدمیوں کو ۱۹۱۴ء میں مجتمع کر لیا تھا۔[۲]

گو یہ صاف طور پر واضح نہیں پھر بھی حقیقت ہے کہ صنعتی کاروبار اور عساکر کے مابین اس گہرے تعلق نے انیسویں اور بیسویں صدی میں سماج کے غیر فوجی حلقوں کو جنگ کی تیاری اور ہدایت کاری کے بہت قریب کر دیا۔

پروفیسر رائٹ نے جنگ کی تاریخ کو نہایت موزوں اور نمایاں ادوار میں تقسیم کیا ہے۔
ا۔ آتشی ہتھیاروں کی آمد (۱۴۵۰-۱۶۴۸) ب۔ پیشہ ور فوجوں اور خاندانی جنگوں کا دور (۱۶۴۸-۱۷۸۹) ج۔ سرمایہ دارانہ جنگ (۱۷۸۹-۱۹۱۴) د۔ کلی جنگ (۱۹۱۴-۱۹۴۲)[۳]

آخری دو دوروں میں مشینوں کے استعمال کی طرف واضح رجحان ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فوجوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ عوام کو ہتھیار بند کیا جاتا ہے۔ جنگی کوششوں کو قومی رنگ مل رہا ہے اور عسکری اقدامات کی رفتار تیز تر ہوتی جاتی ہے۔[۴]

گزشتہ ایام میں جنگ لڑنے کی ذمہ داری تمام تر سپہ سالاروں اور امراء البحر پر ہوتی تھی

۲۔ ٹی۔ ایچ ٹامس: "ریل کا انقلاب اور فوجیں" جنگ سماجی ادارے کی حیثیت میں (نیویارک ۱۹۴۱) ص ۸۸

۳۔ کوئنسی رائٹ۔ جنگ کا مطالعہ (شکاگو ۱۹۴۲ء) جلد اول ص ۲۹۴-۳۰۰

۴۔ ایضاً ص ۳۰۲-۳۱۰

مگر اب قوم کی پوری قوتوں کو ایک ہی مقصد پر لے آنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اب یہ ذمہ داری قوم اور حکومت کی ہو چکی تھی۔ البتہ غیر فوجی حلقے جنگ کی ہدایت کاری سے واقف نہ تھے۔ نفسیاتی اور صنعتی ترقیوں نے جو ذمہ داریاں ان پر ڈال دی تھیں وہ ابھی اس کے اہل نہ تھے

ان کے تیار نہ ہونے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ بعض جمہوری حکومتیں صلح کی خواہاں تھیں اور وہ اپنے عوام کو جنگ سے احتراز برتنے کے قول و پیماں دیتی رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ساتھ ہی ساتھ جنگ کی تیاری میں منہمک نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سی براعظمی طاقتیں جرمن جنرل سٹاف قسم کے اداروں کو جنگ کی تیاری کے فرائض دے چکی تھیں۔ مگر برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ نے ایسے اداروں کے قیام میں بیسویں صدی تک تاخیر برتی۔

کئی پہلوؤں سے امریکہ کی خانہ جنگی میں ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کی جنگ کی جھلکیاں موجود تھیں۔ ٹڈی دل فوجوں کے استعمال، ریل، تار برقی، مدرع جہاز، ریل، توپخانہ، غبارے، گیٹلنگ توپ، چند ضربی رفل، خندقیں اور کانٹے دار تار کے استعمال میں امریکی خانہ جنگی سے پہل کی تھی جدید آتشی ہتھیاروں کے سریع فیر کی دن بدن ترقی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اب تمام فوجیں خندقوں کا استعمال شروع کر دیں گی۔[۵] اس کے باوجود یورپی ممالک کے جنرل سٹاف نے جنگ کا تصور روایتی حرکتی جنگ کی شکل میں بنا رکھا تھا جس میں چال کاری نے فیصلہ کن ثابت ہونا تھا۔ یہ نظریہ مارن کی لڑائی تک قائم رہا۔ تب جا کر مغربی محاذ پر خندقی جنگ شروع ہوئی۔ ۱۹۱۵ء کے آغاز تک خندقوں کی قطار سمندر سے شروع ہو کر سوئٹزرلینڈ تک پہنچ چکی تھی۔ اب دونوں فریقین نے محسوس کیا کہ دشمن کا کوئی پہلو ہی نہیں تھا جسے الٹنے کی کوشش کی جاتی چنانچہ حرکتی جنگ ناممکن ہو گئی۔ حرکت اور ناگہانیت کے امکانات ختم ہو جانے سے مغربی محاذ پر مقاماتی جنگ شروع ہو گئی۔ جس میں گراں بہا بالمقابل حملوں کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔

(۲)

۱۹۱۵ء تک ساز و سامان کی اہمیت اتنی بڑھ گئی کہ وہ فیصلہ کن ثابت ہونے کے

۵۔ آئی جے۔ ڈی بلاک۔ جنگ کا مستقبل (بالٹن ۱۹۱۴ء)

مقام تک پہنچ گیا۔ یہ بھی جلد ہی واضح ہو گیا کہ پیشہ ور سپاہی ایسی جنگ کے انتظامات کو مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ نے دو مشکل مسائل پیش کئے اولاً تو یہ کہ اس طرح کی ساز و سامانی جنگ کی تیاری کس طرح کی جائے۔ دوم یہ کہ الحاقی جنگ میں ارتباط کس طرح قائم رکھا جائے۔ یہ دونوں مسائل ایسے تھے کہ غیر فوجی عناصر فوجیوں کی نسبت بہتر انجام دے سکتے تھے۔

اد ھر تو اور جرمن مملکت کی شہنشاہیت نے بھی محسوس کیا کہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ معتبر غیر فوجی حلقوں کے تعاون کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی۔ اب جنگ کی نوعیت ہی بدل گئی تھی۔ اب وہ ایسا عظیم کام ہو گیا تھا جس میں حمل و نقل، رسلیات، خوراک کی فراہمی اور لا انتہا تعداد کی فوجوں کے لئے مختلف ضروریات فراہم کرنا اوّلین فرض بن گیا تھا۔ اس جنگ میں ساز و سامان پہلے کی نسبت کہیں زیادہ تیزی سے خرچ ہو رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آرتھر ڈکس نے ۱۹۱۴ء کے اوائل ہی میں مالٹکے کی خدمت میں ایک یادداشت روانہ کی جس میں اس نے اقتصادی جنرل اسٹاف کے قیام کا مشورہ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مالٹکے نے جواباً کہا: "مجھے اقتصادیات میں الجھنے کی زحمت نہ دو۔ میں جنگ کی ہدایت کاری میں مصروف ہوں۔"[۷] ریتھناؤ کو جنرل فاکن ہین کے ساتھ زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ فاکن ہین ۱۹۱۴ء میں وزیر جنگ تھا اور مارن کی شکست کے بعد مالٹکے کی جگہ اس کا تعین ہوا۔ اس کے باوجود جرمن صنعت ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کے عرصے میں ریتھناؤ کی مرضی کے مطابق نتائج نہ دکھا سکی اور جرمنی کو تباہی سے نہ بچا سکی۔

جنگ کے اقتصادیات پر جرمنی میں جنگ کے بعد خاصا غور و خوض کیا گیا۔ جنگ کے ختم ہونے سے قبل ہی ریتھناؤ کو یقین ہو گیا تھا کہ جرمنی کے سماجی اقتصادی نظام میں دور رس تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔[۸] یہ تبدیلیاں زمانۂ امن میں ریاستی اشتراکیت اور زمانۂ جنگ میں آمریت کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی الحاقی جنگ جس میں ساز و سامان کی کوئی انتہا نہ تھی، اس کے لا تعداد

۷۔ "محوری طاقتوں کی تزویرات" میں نقل کیا گیا۔ مرتبہ۔ ایل فارگو (نیویارک ۱۹۴۱ء) ص ۴۹۹

۸۔ اے۔ ٹی۔ راٹنگ: "عسکری سماج کے جرمن تخیل کا آغاز اور اس کا مفہوم" عسکری مسائل۔ جلد ۵۔ ۱۹۴۱ ص ۵۰۸۔

عسکری، صنعتی، اور سیاسی مسائل کو سلجھانے کے لیے ڈیوڈ لائڈ جارج اور ونسٹن چرچل جیسی عظیم شخصیتوں نے پوری کوشش کی۔ پارلیمانی جمہوریت میں جنگ جاری رکھنے کی جتنی بھی دقتیں موجود ہوتی ہیں وہ ان کے تحت اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں تھے۔ اس لئے جنگ کی ہدایت کاری کے متعلق ان کے کارناموں کا ذکر رہنماؤں کی نسبت زیادہ بہتر ہوگا۔

لائڈ جارج کو نہ تو جنگ کا کوئی تجربہ تھا اور نہ اس نے اس کا کبھی مطالعہ کیا تھا اسکی زندگی سماجی، قانونی اور سیاسی مسائل سے نپٹنے میں گزری تھی۔ البتہ چرچل نے سینڈہرسٹ میں تربیت حاصل کی تھی اور پھر ہندوستان میں تھوڑے سے عرصے کے لئے فوجی خدمات انجام دی تھیں۔ اس کے بعد وہ جنگی نامہ نگار مؤرخ اور سیاست داں بن گیا تھا۔ ان دونوں کو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۸ء تک کے واقعات کے ساتھ اپنے عہدوں کی وجہ سے تعلق رکھنا پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں لائڈ جارج وزیر مالیات تھا اور چرچل وزیر بحریہ۔

جب جنگ شروع ہوئی تو چرچل نے اپنی ذمہ داریوں کو بہمہ معانی قبول کیا۔ وہ لکھتا ہے "میں نے کامیابی کے حصول کے لیے پوری ذمہ داری قبول کی اور اس لئے جو کچھ بھی کیا جاتا۔ یا جو بھی تجویز پیش کی جاتی تھی میں اس پر پوری توجہ دیا کرتا تھا ..."۹ اپنے عہدے کی وجہ سے وہ جنگ کے تمام پہلوؤں سے براہ راست متعلق ہونے لگا۔ وہ صرف سمندروں پر ہی قابو رکھنے پر مطمئن نہیں تھا۔ بلکہ بنیادی عسکری تزویرات میں بھی دخل دیتا تھا۔ اس طرح حکومت کے ایک شعبے کا غیر فوجی رکن اعلیٰ ایک لحاظ سے دالنٹیر جنرل سٹاف بن گیا۔

چرچل اور لائڈ جارج دونوں نے ۱۹۱۵ء میں فرانس کے خندقی جمود کا اعتراف کیا مگر دونوں نے کسی حد تک علیحدہ علیحدہ نتائج اخذ کیے۔ چرچل کے ذہن نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس مسئلے کا حل صرف اسی صورت ہو سکتا تھا کہ کسی طرح چال کاری کے اسباب پیدا کیے جائیں۔ خندق میں چھپی ہوئی گن رفل نے فنیاتی مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ اور اسے موجودہ عسکری نظریے حل کرنے سے قاصر تھے۔ وہ لکھتا ہے "لڑائیاں قتل اور چال کاری سے فتح ہوتی ہیں جتنا بلند مرتبہ سپہ سالار ہو اتنا ہی زیادہ وہ چال کاری کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی مناسبت سے وہ کم

۹۔ ڈبلیو۔ ایس۔ چرچل۔ ورلڈ کرائسس۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک۔ ص۔ ۵۸-۶۲

جاتیں ضائع ہونے دیتا ہے۔۔۔۔ تقریباً تمام ایسی لڑائیاں جو عسکری فن کا شاہکار مانی جاتی ہیں۔۔۔۔ ایسی لڑائیاں ہیں جو چال کاری کے ذریعے جیتی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں فاتح کے اتلاف کمتر ہوئے ہیں۔۔۔۔ فنیاتی خطرات کا حل بھی فنیاتی ہونا چاہیئے۔ جونہی یہ ممکن ہو جائے گا۔ طاقت ور بحریئے اور طاقتور افواج از سر نو مہاجمی جنگ کے عام حقوق حاصل کر سکیں گی۔ جب تک یہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک دونوں بھونچکا رہیں گے اور ہر ایک نقصان میں رہے گا۔[10]"

چرچل اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس مسئلے کا جواب یہ تھا کہ تارپیڈو اور جہاز کے درمیان ایک ہلکی آہنی زرہ ہونی چاہیئے اور اُدھر کل رفل اور انسان کے سینے کے درمیان ہلکی آہنی چادر لگا ہونا ضروری ہے۔ فرانس کے محاذ پر اس ماندگی کو دور کرنے کے لئے اس نے یہ تجویز پیش کی کہ بلقان اور مشرقی وسطی میں نیا محاذ کھولا جائے۔

لائڈ جارج نے اس وقت تک عسکری پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دی۔ جب تک وہ تمام ایسے اقدامات نہیں لے چکا تھا جو زمانۂ امن اور زمانۂ جنگ کے عبوری دور کی ضروریات کے لئے مالیاتی اعتبار سے ضروری تھے۔ اس کی نگاہ میں جنگ ساز و سامان کی فراہمی کا کھلا مقابلہ تھا۔ اس کے خیال میں وزارت جنگ کی روایات پرستی ساز و سامان کے مہیا کرنے میں تاخیر کا موجب ہو رہی تھی۔ شروع میں ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ برطانوی فوج کے رسلیاتی اسلوب کہنہ ہو چکے تھے اور "وزارتِ جنگ انہیں نہایت متعصبانہ انداز سے اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی تھی۔[11]" وہ انہیں اس بات کا ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ بیسویں صدی کی جنگ اصل میں کیمیا گروں اور صنعت کاروں کا مقابلہ تھا۔

۲۲ فروری کی یادداشت میں لائڈ جارج نے واضح طور پر کہا کہ اتحادیوں کی کامیابی کا دار و مدار صنعتی پیداوار کی برتری میں مضمر تھا۔[12] گارود (گولہ بارود) کے وسائل بڑھانے

۱۰۔ چرچل۔ ۲۔ ص ۵۔۶۔۷

۱۱۔ لائڈ جارج۔ ۱۔ ص ۱۲۴۔۱۲۵

۱۲۔ ،، ،،۔ ۱۔ ص ۱۶۸

کے لیے جب بھی اس نے کوئی تجویز پیش کی، بے شمار عسکری اعتراضات اور رکاوٹیں اس کے سامنے پیش کی گئیں۔ یہ حالت ۱۹۱۵ء کے درہ دانیال والے واقعہ تک قائم رہی جب سیاسی تبدیلیاں وقوع میں لائی گئیں اور لائڈ جارج کے تحت نئی وزارت قائم کی گئی۔ جس کا کام گولہ بارود مہیا کرنا تھا۔

غیر فوجی افراد کی عسکری تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کا دارومدار حکومت کے غیر فوجی وزراء کے ان تعلقات پر مبنی تھا جو ان کے فوجی مشیروں اور ان کے درمیان موجود تھے۔ غیر فوجی افراد کی فوجی ذمہ داریاں اسی وقت پوری طرح ادا ہو سکتی تھیں۔ جب ان کے فوجی مشیر بنیادی طور پر زمانے کا ساتھ دے سکتے۔ جب کبھی وہ پیشہ ورانہ تنگ نظری کی بنا پر سائنس اور صنعت کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے اور ایسے تزویراتی اداروں پر قائم رہتے جنہیں وہ زبان دراز سیاست دانوں کے ساتھ مباحث میں صحیح ثابت نہ کر پاتے تو پھر یہ طرزِ کارکردگی قدرتی طور پر ناکام ثابت ہوتی اور دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے۔

(۳)

درۂ دانیال کی مہم کی ناکامی کی وجہ سے چرچل کو وزارت بحریہ سے استعفیٰ دینا پڑا بحریہ کو خیرباد کہنے سے پہلے اس نے اس عظیم الشان ایجاد کے متعلق احکام جاری کر دیے تھے جس کی وجہ سے بہت دوررس تدبیراتی تبدیلیاں عمل میں آتی تھیں، یعنے ٹینک کا وجود اس کے احکام یہ تھے کہ ایک ایسا رینگ کر چلنے والا ٹریکٹر ایجاد کیا جائے۔ جو مدرع ہو اور اس میں سے کل رفل کا فیر کھولا جا سکے اور جو میدانِ جنگ کی ٹوٹی پھوٹی زمین کو عبور کر سکے۔ پہلے ٹینک میں ہر نئی ایجاد کی طرح چند خامیاں تھیں۔ مگر بہت جلد وہ تدبیرات میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث ثابت ہوا۔ ٹینک کی ایجاد میں بہت سے آدمیوں نے حصہ لیا مگر ظاہر ہے کہ اس کی ایجاد کا تخیل ایک غیر فوجی کے ذہن کی تخلیق تھی۔

۱۹۱۵ء میں جب ایک بار درۂ دانیال پر حملہ کرنے کا فیصلہ مان لیا گیا۔ تو پھر لائڈ جارج نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں پوری کوشش کی۔ اس لئے نہیں کہ اتحادیوں کے عسکری مقاصد

کو کامیاب بنانے کے لئے یہ بہترین خطہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اس طرح دشمن کے مضبوط ترین مقام پر حملہ کرنے کی غلطی سے بچ نکلنے کی صورت مہیا ہو رہی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں جب سربیا تک پہنچنے میں ناکامی ہوئی تو اسے لارڈ کچنر کی زور آزمائی قابلیت پر شبہ ہونے لگا۔ گاردو کے وزیر کی حیثیت سے اس نے ۱۹۱۵ء میں یہ محسوس کیا کہ وزارتِ جنگ کی وہ فہرستیں جن میں تنظیمات اور ساز کی تفاصیل درج تھیں قطعی طور پر ناکافی تھیں۔ جب لارڈ کچنر نے یہ تجویز پیش کی کہ فی بٹالین دو کل رفلیں ہونی چاہئیں تو لائڈ جارج نے گیڈس سے کہا "اس عدد کو مربع کرو۔ حاصل کو دو سے ضرب دو، اور جب اس کا جواب مل جائے تو پھر اسے دوگنا کر دو۔[۱۳]" ہم دیکھتے ہیں کہ چرچل اور لائڈ جارج، جو دونوں غیر فوجی تھے پُر از تردد فوجی اداروں کو نئے ہتھیار دینے پر اصرار کر رہے تھے۔

لائڈ جارج نے بار بار اس بات کی اہمیت دلائی کہ اتحادیوں کے عسکری اقدامات میں ربط قائم ہونا چاہئے۔ البتہ وحدتی کمانِ اعلیٰ بنانے یا برطانوی کمانداروں کو فرانسیسی کمانداروں کے احکام کے نیچے لانے کی تجاویز کی برطانوی چیف آف دی امپیریل جنرل سٹاف اور فرانس میں متعینہ برطانوی افواج کے کماندارِ اعلیٰ نے سر توڑ مخالفت کی۔ ان سپہ سالاروں کا خیال تھا کہ وحدتی کمانِ اعلیٰ کے بنانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کی طاقت کو کم کرنے کا بہانہ ڈھونڈا جا رہا تھا۔ وہ کبھی تو قومی وقار کے سوال کو بیچ میں لے آتے اور کبھی دستوری مشکلات کا بہانہ بنا کر اس مسئلے کو التوا دیتے رہے۔ آخر کار ۱۹۱۸ء کے عظیم حادثے نے فرانس میں وحدتی کمان کو ناگزیر بنا دیا۔

بلاشبہ ور عسکری رہنما اکثر لائڈ جارج کی تجاویز کو اس بہانے سے رد کر دیتے تھے کہ وہ فنیاتی نکتۂ نظر سے غلط تھیں۔ آبدوز کشتیوں کی مہم کے خلاف قافلوں کا استعمال مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "۔۔۔۔ جب کبھی میں قافلوں کے اجرا کی تجویز پیش کرتا جیسے کہ پہلے کہہ چکا ہوں۔ مجھے بحریہ کے متخصصین کی طرف سے صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ فنیاتی وجوہات کی بنا پر یہ تجویز ناممکن العمل تھی۔ ایسی دلیل کو رد کرنا ازحد مشکل ہوتا ہے۔۔۔۔"[۱۴]

۱۳۔ ایضاً۔ ۲۔ ص۔ ۶۰۵

۱۴۔ ایضاً۔ ۳۔ ص ۱۱۶۹

جب ۱۹۱۷ء کی اتحادی حالت کا لائڈ جارج اندازہ لگاتا ہے تو وہ کہتا ہے: "اتحادیوں کی تزویرات کی بنیادی غلطی اب تک یہ رہی ہے کہ ان کے جنگی ہدایت کار یہ ماننے کو تیار نہیں کہ یورپی میدانِ جنگ اصل میں واحد میدانِ جنگ ہے جسے مختلف حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ . . . ." سر ولیم رابرٹسن جو ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک برطانیہ کا چیف آف دی امپیریل جنرل سٹاف تھا وہ مغربی محاذ کے قائل مکتب خیال سے متعلق تھا۔ جنرل ہیگ بھی اس کا ہمخیال تھا اور ان دونوں کو لائڈ جارج کے ساتھ مباحث میں تقویت دینے کے لیے فرانسیسی سٹاف تو موجود ہی تھا۔ انہیں تو یوں کی بھی خوشی تھی کہ فرانس کے محاذ کو اہم ترین محاذ کا مقام دیا جائے فرانسیسی جنرل سٹاف کو بحری طاقت سے فائدہ حاصل کرنے میں چنداں دلچسپی نہ تھی لائڈ جارج اور اس کے مخالف رائے مکتب خیال یعنے رابرٹسن اور ہیگ کے مباحث میں بنیادی خامی یہ تھی کہ جمہوری طرزِ حکومت کا غیر فوجی نمائندہ اپنی رائے کو تسلیم نہیں کروا سکتا تھا۔ لائڈ جارج نے ۱۹۱۷ء کے پیس چن ڈیل والے کمزور سے برطانوی مہاجمے کی سخت مخالفت کی مگر اسے روکنے میں ناکام رہا۔ وہ اتنا طاقتور نہ تھا کہ رابرٹسن اور ہیگ کو برطرف کروا سکتا۔ سرکاری اعلامیے عام طور پر سپاہیوں کی تعریف اس قدر بڑھا چڑھا کر کیا کرتے ہیں کہ عوام میں ان کی قدر و منزلت حد درجہ بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان فوجی رہنماؤں کو برطرف کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے لائڈ جارج کو ایسے پروگرام میں بھی حصہ لینا پڑا جس کی ناکامی کا یقین اسے پہلے سے تھا۔

۱۹۱۸ء کی ناکامیوں نے اتحادیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ کمان کی وحدت کو قبول کریں۔ فاش اس عہدے پر مقرر کیا گیا۔ رابرٹسن کی جگہ ولسن کو لایا گیا جو لائڈ جارج کے خیال سے نسبتہً زیادہ متفق تھا۔ وارسائے کے مقام پر اس قسم کی کمان قائم کی گئی۔ جو اتحادی عسکری ہدایت کاری کو ایک ہی محور پر لا سکے۔ البتہ اس کے بہت جلد بعد ہی جنگ ختم ہو گئی اور یہ کمان اہم فیصلوں پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

جن مسائل نے لائڈ جارج اور برطانوی کمانِ اعلےٰ کے تعلقات کو ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء کے عرصے میں ناخوشگوار بنایا تھا۔ وہ آخر تک حل نہ ہو سکے۔ مثلاً کب اور کن حالات میں حکومت کے غیر فوجی

نمائندے پیشہ ور عسکری رہنماؤں کے مشورے کو رد کر دیں؟ جب عسکری اور غیر عسکری نمائندے ایک دوسرے سے مخالف رائے پیش کریں۔ اس وقت چارۂ کار کیا ہونا چاہیئے اور حل دریافت کرنے کا کونسا طریقہ استعمال کیا جائے؟ یا جب عسکری نمائندے آپس میں متفق نہ ہو سکیں تو حکومت کا غیر عسکری نمائندہ کون سا لائحۂ عمل اختیار کرے؟

یہ سوالات لائڈ جارج کے ذہن میں جنگ کے بعد بھی موجود رہے۔ اپنی کتاب کی آخری جلد میں وہ لکھتا ہے: "کیا ہمیں تزویرات کے دائرے میں دخل دینا چاہیئے تھا؟ جو قوم جنگ کر رہی ہو اس کی حکومت کے لئے یہ سوال نہایت ہی پریشان کن ہے۔ غیر فوجیوں کو اصولِ جنگ میں نہ تربیت دی گئی ہوتی ہے اور نہ انہیں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس حد تک وہ جنگ لڑنے کے لئے مکمل طور پر اناڑی ہوتے ہیں . . . . مگر جہاں تک تزویرات کا تعلق ہے وہ کاملاً عسکری مضمون نہیں۔ اس میں بہت بڑی حد تک سیاست عظمٰی کا عنصر شامل ہوتا ہے . . . . اس تباہ کن جنگ کی جانب نگاہ کرنے سے اور یہ دیکھنے سے کہ سیاست دانوں اور ریاست دانوں نے کیا کچھ انجام دیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے عسکری رہنماؤں پر ایسا اثر اور دباؤ ڈالنے میں انتہائی جھجک سے کام لیا"[۱۵]

(۶)

برطانوی پارلیمان کی نسبت فرانس کی مجلس قانون ساز کا اثر اپنے فوجی رہنماؤں پر زیادہ تھا۔ وہاں دونوں ایوانوں کے افراد کو فوج میں کمیشن عطا کئے گئے تھے۔ ۱۹۱۶ء تک ان میں سے بعض پارلیمانی ناظر یا پارلیمانی نمائندے بن کر فوج کے ساتھ ملحق کر دیئے گئے تھے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے اعلان کے الفاظ یہ تھے: "حکومت تمام اہم ملکی مفاد کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے جنگ کے سیاسی مقصد کو تعین کرنے کی مجاز صرف وہی ہے۔ اگر ایک سے زائد محاذ قائم ہو جائیں تو صرف حکومت ہی فیصلہ دے سکتی ہے کہ کس رخ کے دشمن کو زیادہ اہمیت دی جائے تاکہ ملک کی زیادہ کوشش اسی رخ استعمال کی جائے۔

۱۵- ایضاً - ۶ - ص - ۳۴۰۹ - ۳۴۱۶ - ۳۴۲۱

جنگ کے آغاز سے ہی فوج اور سول حکومت کے دائرہ اثر و حکم کے متعلق اختلافات شروع ہو گئے تھے۔ اختلافی مسائل بہت سے تھے۔ اوّل تو یہ سوال پیدا ہوا کہ وزیر جنگ کے اختیارات مختلف امور میں کس حد تک ہیں اور وہ کن کن مسائل کے متعلق احکام جاری کرنے کا مجاز ہے۔ لام بندی کے سلسلے میں وہ کس طرح کے احکام جاری کر سکتا ہے۔ ملکی سرحد سے دس میل تک کی پس قدمی کا فیصلہ دینا اس کے اختیار میں ہے یا فوج خود ہی حسب ضرورت احکام جاری کر سکتی ہے۔ ڈیجان اور پیرس کے دفاع سے متعلق امور میں اس کا کیا مقام ہے[16]۔ وزیر جنگ مسینی نے ۲۷ اگست ۱۹۱۴ء کو اپنا استعفےٰ پیش کر دیا۔ اس کے بعد میلیرینڈ وزیر جنگ ہوا[17]۔ اس نے جافرے کو اپنی من مانی کرنے دی۔ کبھی کبھی مشورہ پیش کر دیتا مگر حکم کبھی بھی نہ دیا۔ جب ۲۹ اگست ۱۹۱۵ء کو گیلی نی وزیر جنگ مقرر ہوا تو وزیر جنگ اور کماندار اعلیٰ کے درمیان تعلقات بالکل ہی بدل گئے۔ اب ایک فوجی، وزیر جنگ اور دوسرا فوجی، یعنے کماندار اعلیٰ آمنے سامنے تھے۔ برائنڈ وزیر اعظم تھا۔ گو اُسے جافرے کا آمرانہ رویہ پسند نہ تھا۔ پھر بھی اس نے عقلمندانہ مشورہ دیا کہ جافرے اور گیلی نی میں سے صرف ایک ہی صاحب حکم ہو۔ چونکہ گیلی نی کو پارلیمان کے سامنے جوابات بھی دینے ہوتے تھے۔ اِس لئے اس کے لئے فوج کی کمان بھی ہاتھ میں لینا ممکن نہ تھا۔ جب گیلی نی نے جافرے کے خلاف شکایت کی کہ اس نے وردون کی لڑائی کو صحیح طور پر نہیں سنبھالا۔ تو پارلیمان نے اس کا ساتھ نہ دیا اور اسے مستعفی ہونا پڑا[18]۔

جنرل لائٹی جو ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء تک وزیر جنگ رہا۔ اس کے قوی ہاتھوں میں وزارت جنگ اور پارلیمان نے بگنٹ کے الفاظ میں "آمرانہ دور" کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۷ء کے موسم بہار میں نیوِل کے محاذ جنگ کی ناکامی کی وجہ سے فرانسیسی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ جنرل پیتان کی کوششوں سے فرانسیسی فوج کا عزم اور انضباط دوبارہ قائم ہو گیا۔ اُدھر سیاسی حلقوں میں

۱۶۔ سی۔ بگنٹ۔ سینٹ ڈاسینیک اور جنرل ہیڈ کوارٹر (پیرس، ۱۹۳۷) اور جافرے کی سرگزشت ترجمہ از کرنل۔ ٹی۔ بی۔ مات (نیویارک ۱۹۳۲) جلد اول۔

۱۷۔ بگنٹ۔ ص۔ ۵۰۔

۱۸۔ کماندان۔ فریز۔ "حکومت اور کمانِ اعلیٰ کے مابین تعلقات" (پیرس ۱۹۳۰) ص ۱۱

کلیمنسیو نے شکست خوردہ ذہنیت کا قلع قمع کیا۔ وزارتِ عظمیٰ کے علاوہ وزیر جنگ کے فرائض بھی سنبھال کر کلیمنسیو نے جنگ کے تاریک ترین دور میں ایک طرف تو خانگی محاذ کو پختہ کیا اور دوسری طرف فوجی کمان کے ساتھ ایسا عملی طریقہ کار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اس کے پیش رو نہیں کر سکے تھے۔

وہ بیک وقت فلسفی، مدیر روزنامہ، بے پناہ مقرر اور سیاست دان تھا۔ فرانس کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے وہ سوائے اشتراکیوں کے پارلیمان کی باقی تمام پارٹیوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیابی حاصل کر چکا تھا۔ کلیمنسیو نے اپنے سے قبل کے آمرانہ دور کا خاتمہ کر دیا اور اس کے عوض اس قسم کے شخصی تعلقات قائم کئے جن سے وہ اپنے تحت صرف پالیسی کے اہم نکات ہی نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ دفاعی انتظامات کی باریکیوں پر بھی اس کی نظر رہی تھی۔[19] البتہ فرانس کے تمام نقاد یہ تسلیم نہیں کرتے کہ عسکری معاملات میں کلیمنسیو کا دخل دینا ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوا۔

۱۹۱۸ء کے جرمن حملے نے ثابت کر دیا کہ فرانس میں اتحادیوں کی فوجوں کا ارتباط غیر مکمل تھا۔ جب برطانوی پانچویں فوج کو پسپائی ہوئی تو پیتاں شمال میں برطانوی فوجوں سے ربط منقطع کر کے اپنی فوج کو عقب میں لانا چاہتا تھا تاکہ وہ پیرس کے دفاع کو مکمل کر سکے۔ فاش کے تحت اتحادیوں کی متحدہ کمان کی طویل اور پیچیدہ داستان میں کلیمنسیو کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جب جنگ کا رخ جرمنوں کے خلاف ہوا اس وقت کلیمنسیو نے ہیگ کے ساتھ اتفاق کیا کہ اتحادی حملے کا منصوبہ متحدہ طور پر تیار کیا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ حملے کا مقصود جرمن مواصلی خطوط ہونے چاہئیں اور صرف اسی پر اکتفا نہ کی جائے کہ جرمنوں کو محاذ کے پورے طول میں پیچھے دھکیل دیا جائے۔[20] کلیمنسیو اور فاش کے درمیان جو خوشگوار تعلقات تھے۔ وہ اس موقع پر قائم نہ رہ سکے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے ایسے واقعات رونما ہو گئے جس نے ان کے تعلقات کو ناخوشگوار بنا دیا اور یہی ناچاقی بڑھ کر بعد میں کھلم کھلا مخالفت میں تبدیل ہو گئی۔ ان اختلافات کی

۱۹۔ ایضاً۔ ص ۱۷

۲۰۔ مارڈیک۔ وزیر کلیمنسیو۔ ۲۔ ص ۳۰۹ - ۳۴۰

اساس اس پرانے مباحثے پر مبنی تھی کہ آخری فیصلہ فوجیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا غیر فوجیوں کے ہاتھ میں۔

معمولی اختلافات کے بعد، ۷ اپریل ۱۹۱۹ء کو فاش اور کلیمنسیو کے مابین اختلافات انتہا کو پہنچ گئے جب فاش نے جرمن نمائندوں کو بذریعہ تار یہ اطلاع دینے سے انکار کر دیا کہ وارسائے کے مقام پر ان کو کانفرنس میں شمولیت کی اجازت دی جائے گی۔ کلیمنسیو کا کہنا ہے کہ جب فاش کو معلوم ہوا کہ اس کو برطرف کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں تو اس نے اپنا رویہ بدل لیا خصوصاً جب ولسن نے یہ کہا کہ جو سپہ سالار اپنی حکومت کے احکام ماننے سے انکار کر رہا ہے وہ اپنی فوجیں اس کے زیر کمان رکھنے پر رضامند نہیں تو فاش کو اپنا خیال بدلنا پڑا۔

جنرل مارڈیک جو کلیمنسیو کا قریبی رفیق کار رہا تھا۔ اس کے مطابق کلیمنسیو عسکری معاملات میں کئی پہلوؤں سے ترقی کا باعث بنا۔ بمثال کے طور پر وزارت جنگ کی تنظیم نو، بے وجہ اور بیکار قسم کے کمیشنوں کا خاتمہ، نئے اور جدت پسند کمانداروں کا انتخاب، جنرل سٹاف کی تنظیم نو، فرانسیسی فوج کے لئے ٹینکوں اور مدرع گاڑیوں کی توسیع کا پروگرام، اٹلی اور سیلونیکا میں متعین فرانسیسی فوجوں کی اعلیٰ کمان کی تنظیم نو اور اُن میں طاقت کی روح ڈالنا اور جولائی ۱۹۱۸ء سے ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء تک کے مہاجنگ کی تزویرات میں شخصی طور پر شرکت کرنا۔[۲۲]

جس طرح ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک لائڈ جارج اور ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۳ء تک چرچل نے فرائض انجام دئے تھے کلیمنسیو بھی ان دونوں کی طرح اُن ذمہ داریوں کو بطرز احسن انجام دیتا رہا جو جدید جنگ نے ریاستوں کے غیر فوجی کارپردازوں کے ذمے لگا دی ہیں آج پیچیدہ اور ہمہ گیر جنگ کے زمانے میں صرف انہیں کو مکمل اطلاعات، وسعتِ نظر، کشادہ دلی اور ایسی طاقت مہیا ہے جس سے جنگ کی کامیاب ہدایت کاری ممکن ہو سکتی ہے۔ اگر وہ پیشہ ور فوجی رہنماؤں کے ساتھ کارکردگی کا مستحسن نظام اور ربط قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو

۲۲۔ مارڈیک۔ وزیر کلیمنسیو۔ ۲۔ ص ۳۶۳-۳۶۷

ان کا کام سہل ہوجاتا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہیں تو پھر رنجشیں بڑھ جاتی ہیں اور کام کا معیار کم ہوجاتا ہے۔ بلکہ تباہی و بربادی اور شکست کے امکانات زیادہ ہوجاتے ہیں۔

تیرھواں باب

لیوڈن ڈارف

کلّی جنگ کا جرمن تصوّر

از۔ ہنس۔ سپیر

ایرک لیوڈن ڈارف نے عسکری افکار کی ترقی میں جو حصہ لیا وہ جنگ ہارے ہوئے سپہ سالار کی حیثیت سے تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی شکست کے عین بعد اس نے لکھنا شروع کر دیا۔ گو اس کی کتابوں کا پس منظر اور ان کو نمو دینے والا ذہن تزویراتی اور تنظیماتی تجربات سے مالا مال تھا۔ اس کے باوجود اس کی تصنیفات خود پسندی، تنفر اور بہانہ سازی کا نمونہ ہیں۔ ان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عسکری نکتۂ نگاہ سے جرمنی کو پہلی عالمی جنگ میں شکست نہیں ہوئی۔

لیوڈن ڈارف نے تین مضامین پر قلم اٹھایا۔ ان میں سے صرف ایک ہی اس بحث سے متعلق ہے۔ اس کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے قصۂ پارینہ کو دہرانے، ڈینگ مارنے اور پیشین گوئی کرنے کا بہت شوق تھا۔ قصۂ پارینہ کو دہراتے ہوئے وہ پہلی عالمی جنگ میں بحیثیت سپہ سالار اپنا تاریخی مقام بیجا حد تک بلند دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی تھی ان پر لعن طعن کرتا ہے۔ اسے "فری میسنوں" کی بین قومی انجمن، یہودیوں، جیزوئٹ اور عیسائیت سے بیر تھا۔ اور وہ ان سے اپنی نفرت کو جا و بیجا ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بیوی کے اثر کے تحت اپنا قائم کردہ مذہب بھی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں مادریت کو اس نے بہت بلند مقام دے رکھا تھا۔ اس کے خیال میں باقی تمام مذاہب ہی جرمنی کی شکست کا باعث تھے۔ آخر میں وہ کلی جنگ کے نظریات کو پیش کرتے ہوئے اُن حالات کا ذکر کرتا ہے جو اگر موجود ہوتے تو اس کے خیال میں وہ پہلی عالمی جنگ جیت جاتا۔

کلّی جنگ کے متعلق لیوڈن ڈارف کا نظریہ دو نوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے کے حالات پر غور کرنے سے نہیں پیدا ہوا اور نہ اس کی اساس کسی ایسی وقتِ نظر پر ہے جو سیاست، جنگ، فنیات، اقتصادیات اور قومی عزم کے باہمی تعلقات پر غور و فکر کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

عسکری افکار کے طالب علم کے لئے لیوڈن ڈارف کی وہ نکتہ چینی نہایت دلچسپ ہے جو اس نے کلازوٹز کے نظریات جنگ پر کی ہے۔ لیوڈنڈارف نے کلازوٹز کے خیالات سے بحیثیت عسکری فنکار یا عسکری مؤرخ کے انحراف نہیں کیا۔ بلکہ کلّی جنگ کے بانی اور سیاست داں کی حیثیت سے اس نے کلازوٹز کے نظریہ "جنگِ مطلق" کی مخالفت کی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سپہ سالار مالکِ کل ہو۔ اس کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہوں جن میں سیاسیات بھی شامل ہوں۔ پھر وہ لکھتا ہے "میرے کان مخالفت کے اس شور و غل کو سن رہے ہیں جو اس خیال کے خلاف سیاستدان پیدا کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ کیا کلازوٹز نے یہ نہیں کہا تھا کہ جنگ تو محض سیاست کی ایک مسلسل کڑی ہے جس میں صرف نئے ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے..... ان کے یہ کہنے سے حقیقت کے مطالبات ہرگز نہیں بدل سکتے[1]....."

ہٹلر کی طرح لیوڈن ڈارف بھی صرف جرمن جمہوریہ کے خلاف ہی نہیں تھا بلکہ وہ اِس سیاسی ڈھانچے کے بھی خلاف تھا جو مملکتِ جرمنی کو ولیم دوم کے تحت میسر تھا۔ لیوڈن ڈارف ایک ایسا رجعت پسند تھا جو دوطرح سے باقی رجعت پسندوں سے اختلاف رکھتا تھا۔ وہ عیسائیت کے سخت خلاف تھا۔ اور جدید معاشرے میں جمہوریہ کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ مقابلتہً ہٹلر ایک جدید عوامی تحریک کا رہنما تھا گو وہ تحریک اس کی قوم کے لئے ضرر رساں ثابت ہوئی مگر تھا وہ عوامی تحریک کا متفقہ رہنما۔ اس نے سیاست داں کی حیثیت سے طاقت حاصل کی اور پھر جس معاشرے نے اسے بلندی پر پہنچایا تھا۔ اسی کو بدل کر رکھ دیا۔ ہٹلر کا دور ایسا آمرانہ دور تھا جس میں تمام سیاسی اجارے اور ساتھ ہی عسکری ادارے اس آمریت کے تحت تھے۔ اس کے برعکس جو خاکہ لیوڈن ڈارف نے تیار کیا تھا وہ ایسی عسکری آمریت کا خاکہ تھا جس میں کلّی جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے سیاست کو سرے ہی سے نابود کر دیا گیا تھا۔ عوامی تحریکیں ایسی آمریت

۱۔ جنرل لیوڈن ڈارف۔ کلی جنگ (میونخ۔ ۱۹۳۵) ص۔ ۱۱۵۔ ح۔

کے ہاتھوں کھیل دی جائیں۔
لیوڈنڈورف دفتری قسم کا رجعت پسند تھا جو ایک فنی آمریت کو وجود میں لانا چاہتا تھا جس میں عوام صرف جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے بجبر شامل کئے جائیں۔ ہٹلر کی آمریت سیاسی آمریت تھی۔ جو جدید معاشرے کی تحریکوں سے کنارہ کش نہیں تھی۔ بلکہ ان سے طاقت حاصل کر کے وجود میں آئی تھی۔

(۱)

کلّی جنگ سے متعلق لیوڈنڈورف کے خیالات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلی عالمی جنگ سے قبل کی جرمن روحِ عسکریت کو ذہن میں رکھا جائے۔ جرمنی کا عسکری نظام ایک طرح کے جاگیردارانہ نظام پر مبنی تھا۔ یہ جاگیردارانہ نظام بہت حد تک سرمایہ پرست نظام کو جگہ دے چکا تھا۔ مگر اس نئے نظام میں بھی طبقات موجود تھے عسکری طاقت اور سماجی وقار کو اس طرح بانٹا گیا تھا کہ اس سے طبقۂ امرا اور زمیندار ہی مستفیض ہوئے تھے۔ دوسری طرف سیاسی طاقت ان تاجروں، صنعت گروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں تھی۔ جو خوشحال تو تھے مگر سیاسی طور پر از حد ناتجربہ کار تھے۔

جرمنی میں ایسا کوئی طبقہ موجود نہ تھا جو اس طرح کے سیاسی رہنما پیدا کرتا جن میں دوراندیشی اور تدبر پایا جاتا، جنھیں بین قومی سیاسیات کا تجربہ ہوتا۔ ولیم دوم سرمایہ داروں کے نمائندوں اور ملک التجاروں کو اپنے دربار تک رسائی مرحمت کرتا رہا مگر انہیں سیاسی طاقت سے دور ہی رکھا اور اپنی سیاسی آزادی کو فوج کے ذریعے محفوظ رکھا۔ ۱۹۱۴ء تک تمام عسکری امور کے فیصلے کرنے کا اختیار صرف عسکری کابینہ کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اب تک بلند عسکری مراتب کے چناؤ میں کسی غیر کو دست اندازی نہیں کرنے دی تھی۔ وہ جنرل سٹاف میں کسی غیر کو داخل ہونے نہیں دیتے تھے اور مستقبل کی مہمات کی پالیسی تو قدرتی طور پر ان کے سوا کوئی اور قائم ہی نہیں کر سکتا تھا۔ ان تمام باتوں نے انہیں ملک میں طاقتور ترین طبقہ بنا رکھا تھا۔ بحریہ کی توسیع نہایت وسیع پراپیگنڈے کے ذریعے کی جا رہی تھی۔ جس کی تہ میں جرمن بحریہ لیگ تھی۔ بحریہ لیگ ۱۸۹۸ء میں قائم کی گئی

تھی اور اس نے غیر سرکاری طور پر بحریہ کے حق میں پراپگنڈا شروع کیا تھا۔ لیگ کو قائم کرنے والے ملک کے امیر ترین صنعت کار تھے۔

ولیم دوم اُن مشیروں کی رائے پر عمل کرنا پسند کیا کرتا تھا جو پارلیمان کے سامنے جوابدہ نہ تھے، یعنے سول، فوج اور بحریہ کی کابینوں کے وزرائے اعظم یا چیف آف دی جنرل اور بحریہ سٹاف۔ حکومت کے وہ وزراء جو پارلیمان کے سامنے تمام باتوں کے لئے جواب دہ تھے بادشاہ تک رسائی صرف اسی صورت حاصل کر سکتے تھے۔ جب وہ سول کابینہ کے توسط سے کوشش کرتے۔ وزیر جنگ البتہ اس قید سے مستثنےٰ تھا۔ مگر وزیر جنگ کا اثر ورسوخ بانٹنے والے بھی دو جز تھے یعنے فوجی کابینہ اور جنرل سٹاف۔ فوجی کابینہ کا وزیر اعظم بادشاہ کو ہفتے میں تین دن دیکھ سکتا تھا۔ اور وزیر جنگ کو اپنی رپورٹیں پیش کرنے کے لئے صرف ایک ہی دن دیا جاتا تھا۔

فوجی کابینہ کی طاقت صرف اسی وجہ سے نہ تھی کہ اسے قیصر سے قریبی تعلقات تھے۔ یہ ادارہ ۱۸۷۴ء میں چار آدمیوں کی شمولیت سے شروع ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں اس کی تعداد سترہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کی طاقت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فوج میں افراد سے متعلق پالیسی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہی کابینہ افسروں کے مستقبل پر حاوی تھی۔ ذہین ترین اور محنتی افسروں کی آرزو رہتی تھی کہ وہ جنرل سٹاف کے لئے چنے جائیں۔ وزارت جنگ میں دوسرے درجے کے افسر متعین کئے جاتے تھے۔ باقی ماندہ افسر مختلف جگہوں پر بانٹ دئے جاتے تھے۔

شہنشاہیت کے دور میں عسکری حلقوں کے نمایاں اشخاص کو شہنشاہیت کے دوام کی فکر نہ تھی، معاشی تبدیلیوں نے ان کے بلند مقام کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس لئے ان کی تمام تر کوششیں اسی میں صرف ہو رہی تھیں کہ وہ اپنے سماجی بلند مقام کو کسی نہ کسی طرح قائم رکھ سکیں۔ عساکر سے متعلق سماجی ادارے مثلاً جرمن بحریہ لیگ، ملک کے نئے امیر طبقے اور متوسط طبقے کے ذہین لوگوں نے شروع کر رکھے تھے اور انہیں کے ہاتھ میں تھے[۲] ملک کی دفاعی تیاریوں کی راہ میں جو شے حائل تھی وہ عسکری اداروں کا عجیب و غریب طبقاتی نظام تھا۔ اسی کی وجہ سے عساکر میں ترقی و تبدیلی ہونی مشکل ہو چکی تھی اور جنگ کے فنیاتی پہلو میں جو

۲۔ ایوگنی ریچرٹ "Zur flotten froge" (برلن ۱۹۰۰ء) ص ۳۱

ترقیاں ہو چکی تھیں ان سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ یہ خامیاں عسکری زندگی کے چار پہلوؤں میں خاص طور پر محسوس ہو رہی تھیں۔ فوج کی سماجی ساخت، جنگی اقتصادیات، نفسیاتی ترقیوں کے متعلق عساکر کے خیالات اور جنگ کے دوران پروپگنڈے کی اہمیت کو قبول کرنے میں حیل وحجت۔ جرمن عسکری ادارے اپنی سماجی ساخت تبدیل کرنے میں رک رک کر چلنا چاہتے تھے تاکہ وہ ملک کے اقتصادی اور دوسرے طاقتور طبقوں سے کہیں علیحدہ نہ ہو جائیں۔

مثال کے طور پر جبری بھرتی کے قانون میں ترمیم کی گئی اور پڑھے لکھے اشخاص یا بالفاظِ دگر روپیے پیسے والے نوجوانوں کے لیے اس مدت کو صرف ایک سال کر دیا گیا۔ اقتصادی دنیا میں جن کے حالات اچھے تھے انہیں فوج میں بھی مراعات دی گئیں۔ اس کی اہمیت سب سے زیادہ ریزرو افسروں کی جماعت میں تھی جس کی وجہ سے دوکاندار اور متوسط طبقے کے لوگوں کے لڑکوں کو امرا طبقے کی زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ افسروں کا چناؤ پلٹن کی بائشگاہ (میس) میں ہی ہو جایا کرتا تھا جہاں امیدوار کے سماجی پس منظر کو بغور دیکھا جاتا تھا اور اس کے سیاسی نظریات کو اچھی طرح پرکھا جاتا تھا۔ آزاد خیالی کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ فوج کی روایات پسندی کو زک پہنچنے کا خیال پیش پیش رہتا تھا۔ علاوہ بریں اس وجہ سے بھی ملک کے پورے وسائل سے عساکر بہرہ مند نہ ہو سکیں کہ انہوں نے شہروں کے باشندوں کو افواج میں شامل ہونے کی پوری پوری ترغیب نہ دی۔

جرمنی کے عسکری حلقوں کی کمزوری اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ۱۹۱۴ء سے پہلے ان حلقوں کو جنگ کے اقتصادی پہلو سے بہت کم واقفیت تھی۔ مالی اور عسکری حلقوں کا خیال یہ تھا کہ آئندہ جنگ نہ تو طولانی ہوگی اور نہ اس کے طولانی ہونے کے امکانات تھے۔[۳] اس خیال کی وجہ اوّل تو یہ تھی کہ گزشتہ جنگوں کا تجربہ یہی کچھ کہتا تھا اور دوسرے یہ وجہ بھی تھی کہ جدید ہتھیاروں کو بے پناہ تباہی کی طاقت حاصل تھی۔ اس تباہی کی تاب لانا بہت کم ملکوں کے بس کی بات تھی۔

۳۔ چند ایسے لوگ بھی تھے جن کے خیالات مختلف تھے مثلاً ۱۸۹۰ء میں فان مالٹکے اور ۱۹۰۸ء میں میکس وبر برگ نے کہا کہ آئندہ جنگ کئی برسوں تک جاری رہے گی۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عسکری رہنماؤں کے مفاد بھی مختصر سی جنگ کے ساتھ وابستہ تھے۔ جنرل سٹاف کو یہ خدشہ تھا کہ اگر جنگ طول پکڑ گئی تو اقتصادی حلقے بھی جنگ کی ہدایت کاری میں شریکِ کار ہو جائیں گے اور یوں ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ طولانی جنگ کی اقتصادی لام بندی کے لئے ملک کے بجٹ کو نیا رنگ دینا ضروری تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ملک کے سماجی نظام میں تبدیلیاں لانی ضروری تھیں۔ طولانی جنگ کے لئے خوراک، خام اشیاء، اور ایسی ہی دوسری چیزوں کے انبار تیار کرنے کے لئے جس رقم کی ضرورت تھی وہ اسی صورت مہیا ہو سکتی تھی کہ ملک کے اقتصادی نظام کی بنیادوں میں تبدیلی کی جائیں۔ طولانی جنگ کی وجہ سے موجودہ عسکری طاقت کو بھی کم کرنا پڑتا تھا۔ اسی طاقت کے بل بوتے پر جنرل سٹاف مختصر جنگ میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے تھے[۴]

پہلی عالمی جنگ سے قبل کے جرمن عسکری اداروں کی فنیاتی محدودیت کی سب سے اچھی مثال جرمن فضائیہ کی سست رفتار ترقی ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ء تک کے عرصے میں فرانس نے ۳۰۶۱۰۰۰۰ فرانک عسکری ہوائی جہازوں پر صرف کئے۔ اس کے برعکس اسی عرصے میں جرمنی نے ۶۴۸۶۰۰۰ مارک خرچ کئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں فرانسیسی فوج کے پاس ۳۹۰ ہوائی جہاز تھے، اور ۲۳۴ ہواباز۔ جرمن فوج کے پاس صرف ۱۰۰ ہوائی جہاز اور ۹۰ ہواباز تھے! وزارتِ جنگ اور وزارتِ خزانہ ہوائی جہازوں پر زیادہ روپیہ صرف کرنے کے خلاف تھے۔ ان کے خیال میں تربیتی مشکلات بہت زیادہ تھیں۔ علاوہ بریں ہوا سے بھی کم وزنی جہازوں سے متعلقہ کمان کا خیال یہ تھا کہ ہوائی جہازوں کو جنگی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ناممکنات میں سے ہے[۵]

اسی طرح فوج کے دوسرے فنیاتی شعبوں خصوصاً مواصلات اور مہندسی کو ترقی دینے میں بھی توقف کیا جا رہا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں لفٹیننٹ جنرل فان ڈر گولٹز نے جرمن فوج کی سفر مینا کے متعلق بہت سی تجاویز پیش کیں۔ وزارتِ جنگ اور جنرل سٹاف نے ان سفارشات کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا دور اندیشی کے خلاف مالی مشکلات کو ہمیشہ بہانے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ جنرل سٹاف کو یہ

۴۔ ملکی دستاویزات جلد اول (دستاویزات) ص ۴۴۱ - ح

۵۔ اے۔ ملڈر برانڈٹ "فضائیہ" سیاسی کتابچہ (طبع دوم۔ برلن۔ ۱۹۱۴) ص ۲۰۵

اندیشہ بھی تھا کہ فنیاتی سٹاف کے وجود میں آجانے سے ان کی آزادی معرض خطر میں پڑجائے گی۔

جرمنی کے عسکری حلقے پراپگنڈے کے استعمال اور اس کی ضرورت سے بالکل بے خبر تھے انہیں اس خطرے کا اندیشہ ضرور تھا کہ جنگ کی وجہ سے بیکاری میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور اس وجہ سے ملک میں ابتری پھیلنے کے امکانات تھے۔ اس کے باوجود انہیں یہ خیال کبھی پیدا نہ ہوا کہ ایسے موقعوں پر اندرونی محاذ کے عزم و استقلال کو قائم رکھنے کے لئے حکومت کو پروپگنڈا کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ فنیاتی ترقیوں کی طرح پراپگنڈا بھی اوسط طبقہ کے تمدن کے ساتھ وابستہ تھا اور عسکری حلقوں کے امرا اپنے مقام سے نیچے اتر کر اوسط طبقہ کے ہتھیاروں کو استعمال میں نہیں لانا چاہتے۔ ان کے نکتۂ نظر سے مستقبل کی جنگوں کا فیصلہ قلم کے بجائے شمشیر کے ہاتھ میں تھا۔

جونہی جنگ کا آغاز ہوا۔ جرمنی کی طبقاتی عسکریت کی مجبوریاں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ قانوناً جرمن فوج کا کمانڈر اعلیٰ خود قیصر تھا۔ چیف آف جنرل سٹاف اس کا تزویراتی مشیر تھا اور چانسلر اس کا سیاسی مشیر۔ عملی طور پر جونہی فان فاکن ہائین کی جگہ ہنڈنبرگ اور لیوڈن ڈارف لائے گئے جرمنی میں آمریت کا آغاز شروع ہو گیا۔ عسکری اور سیاسی مقابلے میں لیوڈن ڈارف نے سیاست کاروں کے مقابلے میں سپہ سالاروں کی طرفداری کی۔

البتہ فوجی کابینہ کا اثر جنگ کے دوران کم ہو گیا تھا جب بھی کسی بات پر سیاست کاروں اور سپہ سالاروں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ لیوڈن ڈارف کی رائے فیصلہ کن سمجھی گئی۔ اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ تمام طاقت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نازک دور میں کاروباری قابلیت کا خواہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

جنگ کے دوران سیاست کاروں اور سپہ سالاروں کے درمیان اختلاف رائے عام طور پر پیدا ہو جاتا ہے۔ جتنی بلند شخصیت ہو وہ اسی قدر مضبوط مخالف طاقتوں کے خلاف اڑ جاتی ہے اور بالآخر کامیابی حاصل کرتی ہے۔ بسمارک نے ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۰ء میں ایسا ہی کیا اور کامیاب رہا۔ اس کی خود نوشت سوانح حیات کا ایک فقرہ شاید لیوڈن ڈارف کو مشورہ دینے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔ "ایامِ جنگ ہوں یا زمانۂ صلح بادشاہ کو جنگ کے مقاصد کے متعلق مشورہ دینا یا جنگ کے مقاصد کی حدود کا تعین کرنا خالص سیاسی مسئلہ ہے۔"

پہلی عالمی جنگ کے دوران جرمنی میں صرف ایک ہی سیاستدان ایسا تھا جسے قابلِ ذکر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ بیتھمن ہالوِگ تھا۔ اس میں نہ اتنی قوتِ ارادی تھی اور نہ اس کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ وہ سپہ سالاروں کے مخالف رائے پیش کرنے کی جرأت کر سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیوڈن ڈارف بہت جلد جرمنی کا فوجی آمر بن گیا۔

(۲)

کلی جنگ کے متعلق لیوڈن ڈارف کے خیالات پانچ بنیادی حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ جنگ کلی ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ محاربین کی پوری سرزمین پر پھیل جاتی ہے۔ اس کے خطرات کے یوں عام ہونے کے علاوہ کلی جنگ سے یہ مراد بھی ہوتی ہے کہ ملک کی پوری آبادی اس میں شریک ہوتی ہے۔ کلی جنگ فوجوں کے بجائے قومیں لڑتی ہیں۔ اس لئے کلی جنگ کو کامیابی سے جاری رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جنگ کے اقتصادی نظام کو جنگی مقاصد کے مطابق ترتیب دی جائے۔ تیسرے یہ کہ آج کل کی بڑی بڑی فوجوں کے استعمال کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ داخلی محاذ کو مضبوط رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ خصوصی کوششوں سے پراپگنڈے کو کامیاب بنایا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ دشمن کے عزائم کو زک پہنچانے کی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جنگ شروع ہونے سے بہت پہلے کلی جنگ کی تیاریاں شروع ہو جائیں۔ عسکری، اقتصادی اور نفسیاتی جنگ کا ملک کے باشندوں کی روزمرہ زندگی میں حائل ہونا فطری ہے۔ اس لئے انہیں اس پہلو سے پہلے ہی آشنا ہونا چاہئے۔ آخر میں یہ ضروری ہے کہ کلی جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے اس کے مختلف پہلوؤں کو ایک ہی طاقت اپنے ہاتھ میں رکھے۔ یہ طاقت کمانڈرِ اعلیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

جنگ لڑنے والی قوم کو محصور قوم سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ مقاتل اور غیر مقاتل کے درمیان اب فرق مٹ چکا تھا۔ اقتصادیاتِ جنگ کے متعلق لیوڈن ڈارف کے خیالات نہایت درسی قسم کے ہیں جن میں عام باتوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جنرل لیوڈن ڈارف کے پیش کردہ خیالات میں سے اگر کسی میں انشائیت کا مادہ موجود ہے تو وہ ایسا خیال ہے جسے

عسکری فنون میں آج تک شامل نہیں کیا گیا اور جسے عام طور پر "نفسیاتی جنگ" کا غیر موزوں سا نام دیا جاتا ہے۔ لیوڈن ڈارف ملک کے باشندوں کے مکمل امتزاج کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اس کے خیال میں سماجی وحدت جبراً قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی اس کی کوشش کی جانی چاہیئے۔[6] فاشسٹیوں اور قومی اشتراکیوں نے جوانوں کی تربیت کے لئے جو تحریکیں شروع کر رکھی تھیں اُن کا طریق کار بھی لیوڈن ڈارف کی نگاہ میں غلط تھا۔[7] جب لیوڈن ڈارف قومی وحدت اور امتزاج کا ذکر کرتا ہے تو اس کی نگاہ میں جاپان کی مثال ہوتی ہے " جاپانی قوم کی وحدت و یکرنگی بالکل ہی مختلف ہے۔ وہ روحانی ہم آہنگی ہے اور اس کی اساس شنٹو مذہب پر ہے[8] ..... لیوڈن ڈارف نے نسل پر مبنی جو مذہب جرمنوں کے سامنے پیش کیا اس کی عقیدت کو شنٹو مذہب کی عقیدت کے ساتھ تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ ارنسٹ جنگر کی طرح لیوڈن ڈارف کو بھی محسوس ہو رہا تھا کہ جبری طور پر جب کسی قوم کو یکجا کیا جاتا ہے تو اس کے افراد کی فنی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے امکانات کی امید تو کی جا سکتی ہے مگر ان کی روح کو شریک کار نہیں کیا جا سکتا[9] جس طرح قابل ترین ڈاکٹر ایثار و قربانی کا مادہ ٹیکے کے ذریعے انسان کے اندر داخل نہیں کر سکتا۔

پراپیگنڈے کے متعلق لیوڈن ڈارف کے خیالات ہٹلر کے خیالات سے زیادہ صحیح تھے۔ پراپگنڈے کے طریقوں اور فنی خصوصیات کی جزئیات کے متعلق بھی اس کے خیالات محکم اور سلجھی ہوئی رائے پیش کرتے ہیں۔ لیوڈن ڈارف اپنی سوانح میں لکھتا ہے کہ ہر جرمن مرد اور عورت کو ہر روز بتا دیا جانا چاہیئے تھا کہ شکست کے معنے کیا تھے خطرات اور نقصانات کا علم فوائد کے جاننے سے مختلف اثر پیدا کرتا۔ لیوڈن ڈارف کے خیال میں سینہ بہ سینہ خبر پھیلانا " دشمن کے خلاف پروپیگنڈے کا بہترین ذریعہ ہے۔"

لیوڈن ڈارف کا نظریہ کلی جنگ عسکری کماندار اعظم پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ عسکری معاملات کے علاوہ ملک کی خارجی اور اقتصادی پالیسی اور اس سے متعلق پروپیگنڈا بھی اسی کے ہاتھ میں

۶۔ کلی جنگ ۔ ص ۔ ۸۰

۷۔ ایضاً ۔ ص ۵۸

۸۔ ایضاً ۔ ص ۱۷

۹۔ کلی لام بندی (برلن ۱۹۳۱) ص ۱۶

ہونا چاہیئے۔" عسکری سٹاف کی تعداد اور نوعیت صحیح ہونی چاہیئے۔ ان میں فوج، بحریہ اور فضائیہ کی جنگ کے ماہر، پراپگنڈے، جنگی نفسیات، اقتصادیات اور سیاسیات کے بہترین دماغوں کے علاوہ ایسے لوگ بھی شامل ہونے چاہئیں جو قوم کی زندگی سے واقفیت رکھتے ہوں[۱۰]..."

ظاہر ہے کہ لیوڈن ڈارف کی کلی جنگ میں غیر فوجی ریاست کار کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ سپہ سالار مختار کل ہے۔ لیوڈن ڈارف آخر میں کہتا ہے "کلازوٹز کے تمام نظریات کو خیرباد کہنا چاہیئے۔ سیاست اور جنگ کا مقصد حفظِ قوم ہے۔ اور جنگ، قوم کے زندہ رہنے کی خواہش کا بہترین ثبوت ہے[۱۱]۔"

کلازوٹز نے اس خیال کی تردید کی تھی کہ انقلابِ فرانس نے جنگ کو سیاست سے آزاد کر دیا تھا۔ اس کے برعکس اس نے یہ کہا تھا کہ انقلابِ فرانس نے ان طاقتوں کو بے لگام کر دیا تھا۔ جنہوں نے بعد میں جنگ کی شکل وصورت ہی بدل دی تھی۔ اس طرح سے جنگ کی طرز میں تبدیلی کی ذمہ داری سیاست پر ڈالنے سے کلازوٹز نے یہ ثابت کیا تھا کہ اُس عصر کی جنگ اپنے دَور کی سیاست کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس لیوڈن ڈارف کے خیال کے مطابق کلی جنگ فنیاتی ترقیوں کا نتیجہ تھی۔ ایک طرف بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسری طرف تباہی کے طریقوں میں جو ترقی اس مشینی دَور میں ہوئی ہے وہ کلی جنگ کے وجود کا باعث بنی ہے۔ کلی جنگ کی وجہ سیاست نہیں بلکہ سیاست اس کے اندر شامل ہے۔ لیوڈن ڈارف یہ بھی کہتا ہے کہ کلی جنگ کی نوعیت اساساً دفاعی ہے۔ ملکوں کے باشندے اُس وقت تک اس میں شمولیت نہیں کریں گے جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے گا۔ کہ ان کا وجود خطرے میں ہے۔ وہ اِس بات پر زور دیتا ہے کہ "کلی جنگ کی پہلی شرط یہ ہے کہ پوری قوم کا وجود خطرے میں ہو اور وہ سب اس میں صمیمِ قلب سے شامل ہوں"[۱۲]۔

قومی اشتراکی پارٹی نے صرف یہی نہیں کہ جرمن سوسائٹی کو کلی جنگ کی تیاری کے لئے

۱۰۔ کلی جنگ ۔ ص ۔ ۱۱۱ ۔ ح

۱۱۔ ایضاً ۔ ص ۱۰

۱۲۔ ایضاً ۔ ص ۶

منظم کیا ہے بلکہ انہوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ کلی جنگ کے نظریئے پر انہوں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ کلازوٹز اور لیوڈن ڈارف کے خیالات کی توضیح ہے خصوصاً ان کے بنیادی اصول کی کہ جدید جنگ میں قوم کے تمام مادی اور روحانی وسائل یکجا کر کے متفقہ منصوبے کے مطابق استعمال ہونے چاہئیں۔

جنگ کی سب سے بڑی تبدیلی جس کی وجہ سے برق تازی قسم کے طریقے ممکن ہو گئے تھے۔ اسی وقت ظاہر ہو گئی تھی جب سے نئے افسروں نے نیتاتی تبدیلیوں پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ فنیات کے خلاف اعتراضات کی غیر موجودگی عسکری سوسائٹی میں توازن اور برابری کا باعث بھی بنی ہے جوں جوں سپاہی کی فنیاتی تعلیم ترقی پذیر ہوتی جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کی دوسری قابلیتوں مثلاً خاندان وغیرہ کی طرف سے چشم پوشی شروع ہو جاتی ہے۔

جب ۱۸۷۳ء میں بھرتی کا اصلاحی اسلوب پرشیا میں جاری کیا گیا۔ اسی وقت فوج میں داخل ہونے والوں کی سماجی رکاوٹوں کو دور کر دیا گیا تھا۔ وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ جب ایک شخص فوج میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر اس پر کوئی پابندی عائد نہ ہونی چاہیے اور فوج کے تمام افراد برابر کے انسان ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد پرشیا نے عالمگیر فوجی خدمت کا آغاز کیا۔ کابینے کے حکم کے الفاظ یہ تھے "سماجی طبقات کی بنا پر جو حقوق بعض لوگوں کو حاصل ہیں وہ فوج کے اندر قائم نہیں رکھے جائیں گے"۔ یہ ۱۸۰۸ء کا واقعہ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب برتھولڈ جارج نیبھور نامی آزاد خیال عالمگیر جبری بھرتی کے متعلق لکھتا ہے: "یہ مساوات آزادی کے صحیح بہی خواہوں کو متنفر کرتی ہے"۔ اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ "تمام قوم عزم و استقلال کھو کر ذلت و تباہی کے پائیں ترین درجے تک پہنچ جائے گی۔ بربریت عام ہو جائیگی۔ تہذیب تباہ ہو جائے گی۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ نابود ہو جائے گا۔"

جرمنی کے ادبی حلقوں کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ انہوں نے "نفسیاتی جنگ" کے مضمون پر بہت کچھ پیش کیا ہے۔ سیاسی پروپگنڈے سے متعلق نازی ادب میں ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی جو صدیوں سے معلوم نہ تھی۔ یا جس سے آج کل کے اشتہاروں کے مخصصین واقف نہ ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ شہنشاہی دور کے جرمنی کی نسبت ہٹلری دور کے جرمنی کو پراپگنڈے کی قدر و قیمت

کا احساس زیادہ تھا۔ انہوں نے قابل ترین دماغ اس کام پر لگائے اور بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس کام کو باقی لوگوں سے بہت بہتر منظم کر لیا۔ البتہ انہوں نے کوئی نیا "نظریہ" پیش نہیں کیا۔

لیوڈن ڈارف کا وہ خیال جس کے مطابق کلی جنگ میں وہ سپہ سالار کو مالک و مختارِ کل کی حیثیت بخشتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کے سپہ سالار پوری طرح اور ہر معنے سے قومی اشتراکی پارٹی کے زیرِ احکام رہے۔ وہ پارٹی جس کا رہنما ایک معمولی نائک تھا۔

چودھواں باب

لینن۔ٹراٹسکی۔سٹالن

جنگ کا شورَوی تصوّر

از ایڈورڈ۔ میڈ۔ ارل

نومبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب قسم کی سماجی تبدیلی میں ضروری ہے کہ عسکری ادارے اور تزویراتی نظریے بھی اسی طرح رد کر دئیے جائیں جس طرح سماجی طبقات اور سیاسی ادارے سرے سے نابود کر دیے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ فوج بھی ماقبل کے سیاسی اور سماجی اداروں کے ساتھ گہرے طور سے وابستہ ہوتی ہے اور قومی تزویرات ملک کے پرانے دَور کی سیاسی امیدوں اور ارادوں کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ جس طرح انقلاب فرانس نے بوربن خاندان کی جاگیردارانہ فوج کا خاتمہ کر کے اس کے بجائے جمہوری فوج کو جگہ دی اور جنگ کو آزادی، مساوات اور اخوت[1] کے عام کرنے کا آلۂ کار بنایا تھا اسی طرح بالشویکوں نے بھی زارِ روس کی فرسودہ فوج کو توڑ کر دہقانوں اور مزدوروں کی نئی فوج کی بنیاد ڈالی۔ یہ نئی فوج سرخ فوج تھی۔ اور ۲۳ فروری ۱۹۱۸ء کو اس کی بنیاد ڈالی گئی۔

اوائل میں یہ نئی فوج "محنت کش اور تباہ حال عوام" کی فوج قرار پائی تھی۔ اس کا کام "انقلاب" کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچانا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ حالات بدلتے گئے۔ خانگی اور بین قومی سیاسیات نے حالات کا نیا جائزہ لینے پر مجبور کیا۔ آج وہ صحیح معنوں میں ایک قومی ادارہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرخ فوج نے جو عزم و استقلال نازی جرمنی کے خلاف جنگ میں دکھایا اس کی وجہ کسی حد تک شورَوی وطن کی "غیر طبقاتی سوسائٹی" بھی ہے۔ گو جنگ

۱۔ ملاحظہ ہو تیسرا اور چوتھا باب

کے ترازو میں عزم و استقلال کو وزنی مقام حاصل ہے۔ پھر بھی لڑائی کی فتح کی وجہ صرف عزم و استقلال کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فتوحات میں سازو سامان، انضباط، فوجوں کا تدبیراتی کمال، صف اور سٹاف کے افسروں کی قابلیت اور درست تزویراتی اصولوں کو بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

جب ۱۹۱۷ء میں لینن نے پیٹروگراڈ (موجودہ لینن گراڈ) میں طاقت چھین لی۔ اس وقت اسے عسکری تزویراتی معاملات سے جاہل کہنا غلط ہوگا۔ اشتراکیت کا گہرا مطالعہ کرنے والا لینن، انقلابی مزاج، صنعتی اشتراکیت اور شورش پسندی کا مطالعہ بھی کر چکا تھا۔ وہ انسانی مسائل میں طاقت اور فوج کے استعمال کی اہمیت سے بخوبی واقف تھا۔ انجلز کی طرح اس نے بھی کلازوٹز کا مطالعہ کیا تھا۔ بلکہ اسی کی طرح اس پر حواشی بھی لکھے تھے اور پوری طرح غور و خوض بھی کیا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ایک طرف ریاست کی ساخت اور حکومت کے اسلوب اور دوسری طرف عسکری تنظیم اور جنگ لڑنے کے ڈھنگ میں گہرا تعلق تھا۔ اسے اس بات کا علم بھی تھا کہ جنگ کا تعلق صرف عساکر سے ہی نہیں تھا بلکہ جنگ میں تدبیراتی، نفسیاتی اور اقتصادی عناصر بھی شامل ہیں۔ وہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ جنگ اور انقلاب ایک دوسرے سے بنیادی طور پر منسلک ہیں۔ اگر مارکس کے قول کو اپنے الفاظ میں پیش کیا جائے تو یہ معنے نکلیں گے کہ جنگ انقلاب کی دایہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لینن کو پُرامن طریقوں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ دہقانوں اور مزدوروں کو بجبر طاقت اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیے اور پرولتاری آمریت قائم کرنی چاہیے۔ پارلیمانی طریقوں کے بجائے چونکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ تشدد استعمال کیا جائے یا اس لئے لینن نے جب طاقت اپنے قبضے میں کی تو آمروں کا پرانا طریقہ "فوجی چھاپہ" استعمال کیا۔

جب لینن کو روس کی خانہ جنگی میں کامیابی حاصل ہو گئی تو اسے معلوم ہوا کہ اب اسے جرمن حملے کا سامنا کرنا ہوگا۔ عسکری اقدامات کو از سر نو جاری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ روسی فوج مکمل طور پر دل توڑ چکی تھی۔ اس حقیقت کو لینن سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ دوسری طرف لینن یہ بھی جانتا تھا کہ مرکزی طاقتوں اور اتحادیوں غرضیکہ دونوں کے خلاف تدبیراتی نفسیاتی جنگ جاری رکھی جا سکتی تھی۔ روس کی دشمن یورپ اور امریکہ کی حکومتیں تھیں۔ ان حکومتوں کو شکست

ان کے ملکوں کے اندر عوامی انقلابات کے ذریعہ دی جا سکتی تھی۔ روس مہاجمہ اختیار کرے گا۔ مگر یہ مہاجمہ الفاظ اور ناموں کا مہاجمہ ہوگا۔ اس میں بارود وہ ہوگا جو انقلابی پراپگنڈے میں بارہا استعمال ہو چکا تھا اور بالشویک جس کے استعمال میں استادانہ مہارت رکھتے تھے۔

صلح کے لئے جو مہاجمہ روس نے اختیار کیا اس کا ہدف روس کے دوست اور دشمن یکساں طور پر تھے۔ جنگِ عظیم کو سامراجی جنگ بتایا گیا جس میں سرمایہ داری نظام کا دفاع مقصود تھا۔ سامراجی مقاصد کے ثبوت میں اتحادیوں نے روس کے ساتھ جو معاہدے کئے تھے۔ ان کو طشت از بام کیا گیا۔

اتحادیوں کے خلاف لینن کو بہت کم کامیابی ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ووڈرو ولسن بھی نفسیاتی جنگ کا ماہر تھا اور وہ اتحادی صف میں چوٹی کا فرد تھا۔ ولسن نے ۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو کانگریس کے سامنے جو تقریر کی تھی۔ اس میں اس نے پہلی بار صلح کی بنیاد اپنے چودہ نکات پر رکھی تھی۔ ان چودہ نکات نے "شوروی" شور کی بازگشت کو پھیلنے نہ دیا۔

لینن نے جو تدبراتی اور نفسیاتی جنگ مرکزی طاقتوں کے خلاف شروع کر رکھی تھی۔ اس میں مکافاتِ انصاف کا عنصر شامل تھا۔ ۱۹۱۷ء میں جرمن حکومت نے لینن کو سوئٹزرلینڈ سے روس جانے کے لئے اپنی سرحدوں سے اس لئے گزرنے میں مدد دی تھی کہ وہاں پہنچ کر روسی فوج کی رہی سہی بنیادوں کو بھی تباہ و برباد کر دیگا۔ اس نے جو کچھ پہلی مرتبہ روسی فوج کے خلاف کیا تھا وہ اب جرمن فوج کے خلاف کر رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ جرمن حکومت کے خلاف اُسے کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ اس کا علم جرمنی کی شکست کے ایک سال بعد جا کر ہوا۔

بالشویکوں نے بریسٹ لٹاسک کے متارکہ جنگ اور صلح کی کانفرنسوں کو اپنے خیالات پھیلانے کے لئے ایک ذریعہ بنا لیا۔ ۱۹۱۸ء کے موسم بہار اور موسم سرما میں جتنے جنگی اسیر واپس جرمنی میں لائے گئے۔ "ان میں انقلابی پروپیگنڈے کے وہ تمام جراثیم موجود تھے جو نومبر کے انقلاب کے بعد سے انہوں نے روس کے اسیر عسکروں میں اپنے اندر جذب کئے تھے"؎۲

منطق کبھی بھی عسکری طاقت کا متبادل نہیں بن سکتی۔ شوروی وزیر خارجہ ٹراٹسکی کو کامیابی

۲۔ وہیلر بینیٹ۔ بریسٹ لٹاسک۔ بھولی ہوئی صلح" (لندن ۱۹۳۸ء) ص ۹۰-۹۵

حاصل ہو رہی تھی مگر یہ کامیابی محدود تھی فیصلہ کن مہاجمہ جس سے جرمن جنرل سٹاف مغربی محاذ پر دوچار ہو رہا تھا۔ انہیں اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ مشرقی محاذ پر امن حاصل کر سکیں۔ ضروری تھا کہ وہ ٹراٹسکی کو الٹی میٹم پیش کریں۔ اگر وہ جرمنی کی شرائط منظور نہ کرے تو پھر عسکری اقدامات از سر نو شروع کیے جائیں۔ اُدھر لینن اپنی تجویزات پر نظر ثانی کرنے والا تھا۔ آسٹریا، ہنگری، اور جرمنی کا [illegible] انقلاب جس پر بالشویکوں نے اپنی امیدیں قائم رکھی تھیں۔ ناکام رہا تھا لینن مجبوراً اس فیصلے پر پہنچا کہ جرمنی میں جنگ جو پارٹی ابھی برسر اقتدار تھی اور اگر وسطی یورپ میں انقلاب رونما بھی ہوا تو بہت دیر سے ہوگا۔ اس عرصے میں جرمنی مزید روسی سرزمین پر چھا جائے گا۔ لینن نے ۲۰ر جنوری ۱۹۱۸ء کو بالشویک رہنماؤں سے کہا: "یہ از حد غلط پالیسی ہو گی کہ اشتراکی انقلاب کے مستقبل کو اس امید کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے کہ ایک معین تاریخ تک جرمنی میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔۔۔" سوویت اپنے اقتصادی نظام کے قائم کرنے اور فوج تیار کرنے کے لیے وقت کے متمنی تھے۔ اس کے جو دوست یہ مشورہ دیتے تھے کہ جرمنی کی "ڈکوانہ شرائط" قبول کرنے کے بجائے جنگ جاری رکھنا بہتر تھا لینن نہایت نفرت آمیز لہجہ میں انہیں جواب دیتا تھا کہ اگر اسے "قوم پرستانہ" قسم کی صلح حاصل ہونے کے امکانات نظر بھی آتے تب بھی وہ اسے قبول نہ کرتا![3]

لینن حقیقی سیاست کا قائل تھا۔ اس کی نگاہ میں صلح بذاتِ خود کوئی شے نہیں تھی۔ وہ صلح برائے صلح کا قائل نہیں تھا بلکہ صلح کو جنگ کی طرح پالیسی کا اوزار سمجھتا تھا۔ جہاں تک جرمنی کا تعلق تھا۔ وہ ٹراٹسکی کے منصوبہ "نہ جنگ اور نہ صلح" کو آزمانے پر رضامند ہو گیا۔ مگر آخر تک وہ یہ کہتا رہا کہ "بین قومی سیاست" کے لحاظ سے یہ طریق کار از حد خطرناک اور بے مصرف تھا اور وہ صحیح تھا۔ جرمنی روس کے اندر اتنی دور تک بڑھ آیا تھا کہ روسی آزادی اور روسی انقلاب دونوں خطرے میں پڑ گئے۔ اس لیے بالشویک مجبور ہو گئے کہ ۳ر مارچ ۱۹۱۸ء کو بریسٹ لٹاسک کے صلح نامے پر دستخط کر دیں۔ اس کے مطابق روس کی آبادی کا ۳۴ فیصدی زرعی زمین کا ۳۲ فیصدی، صنعت کا ۵۴ فی صدی، اور کوئلے کی کانوں کا ۸۹ فی صد حصہ اس کے

۳۔ "لینن کے امکاناتِ صلح کے لیے" پراودا اخبار میں۔ ۲۴ر فروری ۱۹۱۸ء جیمس بنین کی کتاب "بالشویک انقلاب ۱۹۱۷ء ۱۹۱۸ء"

ہاتھ سے نکل گیا؟[4] خیال رہے کہ یہ صریح ظلم اور تشدد شوروی ہتھیاروں کے ذریعے درست نہیں کیا گیا۔ بلکہ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو اتحادی فتح اور پھر ورسائے کی صلح کے ذریعے روس ان علاقوں کا مالک بن سکا۔

اس تجربے نے بالشویکوں کو ہمیشہ کے لئے چوکنا کر دیا۔ آئندہ ان کی ترجیحات "جنگ اور صلح کے درمیان بدلتی رہی۔ دونوں کے فوائد اور نقصانات کو انہوں نے ہمیشہ نگاہ میں رکھا"[5] جرمنی کے ساتھ معاہدے پر دستخط کرنے سے دو ہی ہفتے قبل لینن نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ "ہمیں جنگ کو کھیل تماشا نہیں سمجھنا چاہیئے"۔ پانچ ہی دن بعد اس کے الفاظ تھے۔ "وقت آ گیا ہے کہ اب ہم انقلابی نعروں کو خیرباد کہیں اور حقیقی کام شروع کریں۔ . . . انقلابی جنگ جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے فوج تیار کریں۔ جو آج ہمارے پاس موجود نہیں"۔[6] سرخ فوج انہیں الفاظ کا نتیجہ تھی۔

بریسٹ لٹاسک کی وجہ سے انقلابیوں کو سانس لینے کی مہلت مل گئی اور وہ انقلاب کو روس کی سرزمین میں محکم کر سکے۔ البتہ یہ مہلت اتنی مہلت بھی نہ تھی۔ اس لئے کہ شوروی حکومت کے خلاف خارجی ممالک اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور محاذ ایک طرف بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک اور دوسری طرف مرمنسک اور آرچ اینجل سے ولاڈیواسٹک تک پھیلے ہوئے تھے۔ انقلاب روس کا بچ نکلنا معجزے سے کم نہ تھا۔ باقی وجوہات کے علاوہ بالشویکوں کے عزم صمیم کا اس میں خاصا حصہ ہے۔ وہ لڑنے کے لئے ہر طرح سے تیار رہتے۔ وہ شمشیر کے ساتھ بھی اسی شدت سے لڑے جس سے وہ اب تک الفاظ کے ساتھ لڑتے رہے تھے۔

(۲)

ریاستہائے شوروی کے عسکری اداروں کے لئے خارجی حکومتوں کی دخل اندازی کا دور

۴۔ ریاستہائے متحدہ کے خارجی تعلقات (واشنگٹن ۱۹۳۱) جلد ۱۔ ص ۴۹۰

۵۔ تارنکو زید "شوروی ڈپلومیسی میں جنگ اور صلح" (کیمبرج ۱۹۴۰) ص ۲۷۱

۶۔ جینن اور فشر۔ ص ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۹

نہایت کارآمد ثابت ہوا۔ اس عرصے میں انھوں نے وسیع تجربات حاصل کئے۔ اس عملی مکتب نے سُرخ فوج کی تخلیق کی۔ اس کا آغاز عجلت میں ہوا، مگر اسی کی بنیادوں پر بعد کی بلند عمارت قائم کی گئی۔ اسی مکتب میں ان غیر فوجیوں نے عسکری تعلیم حاصل کی جنھوں نے بعد میں سرخ فوج کی تنظیم میں نمایاں حصہ لیا اور بین قومی سیاست میں روسی تدبرات کا رُخ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انہیں میں ٹراٹسکی، فرنز، ٹیموشنکو، ورو شیلوف اور سٹالن بھی شامل تھے۔ انھوں نے عملی طور پر ثابت کیا کہ انقلابی پروپیگنڈا چاہے کتنا ہی کارآمد کیوں نہ ہو از خود فتوحات حاصل نہیں کر سکتا۔

بالشویکوں اور متحدہ سفید روسی لشکروں کے درمیان جنگ ۱۹۱۹ء کے موسم خزاں اور ۱۹۲۰ء کے موسم سرما میں انتہا کو پہنچی۔ تمام اطراف سے حملے ماسکو پر مرکوز ہو رہے تھے اور کچھ عرصے کے لئے تو اس طرح محسوس ہونے لگا کہ سوویٹ حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ ۱۹۲۱ء کے موسم بہار تک بالشویک ایک بار پھر روس کے واحد مالک بن چکے تھے۔ اتحادیوں کا دخل ختم ہو چکا تھا۔ اور سوویٹ حکومت اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ مراسم قائم کر چکی تھی۔

روس کی خانہ جنگی طبقاتی جنگ تھی۔ نسلوں سے دہقان اور مزدور کی شکایتیں امراء اور درمیانی طبقے کے خلاف جمع ہو رہی تھیں۔ اب یہ دونوں طبقے اپنی بقا کے تحفظ کے لئے برسرپیکار تھے۔ اسی لئے یہ جنگ انتہائی بربریت اور خونخواری سے لڑی گئی اور روس کے باشندوں پر اپنا اثر کم از کم پوری ایک نسل تک چھوڑ گئی[7]۔ ونسٹن چرچل کہتا ہے۔ "یہ عجیب و غریب جنگ تھی۔۔۔۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں صحیح معنوں میں کوئی لڑائیاں نہیں تھیں۔ صرف غزوات، حملے اور قتل و غارت کے واقعات۔۔۔۔ ایک ایسی جنگ جس میں نقشوں میں چھوٹی چھوٹی کاغذ کی جھنڈیاں ہٹائی بڑھائی جاتی تھیں۔ جس میں بیرونی چوکیاں، سواروں کے پڑے سینکڑوں میل تک ہٹتے یا بڑھتے چلے جاتے تھے۔۔۔۔ ایک ایسی جنگ جس میں بہادری مفقود اور رحم و کرم کا جذبہ نام کو نہ تھا۔۔۔ ایک ایسی جنگ جس میں اتلاف کم اور قتل کرنے کی ارادتیں لاتعداد تھیں[8]۔"

۷۔ ڈبلیو۔ ایچ چیمبرلین "انقلاب روس ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء" (۲ جلدیں نیویارک ۱۹۳۵) ۲۔ ص ۳۳۵

۸۔ ڈبلیو ایس چرچل۔ دنیا کا انقلاب ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۸ء "اور بھر" (نیویارک ۱۹۲۹) ص ۲۴۰-۲۴۱

یہ درست ہے کہ دہقانوں اور مزدوروں کے انقلابی جذبے نے کامیابی میں بہت مدد دی۔ البتہ سابق شہنشاہی دور کے افسروں عہدیداروں سپاہیوں اور فنکاروں کی عسکری قابلیت کا بھی اس فتح میں بہت سا حصہ تھا۔ سفید روسیوں کے محاذ کے پیچھے جو پراپگنڈا کیا گیا اس نے انقلاب کے مخالفین کے عزائم کو کمزور کرنے میں بڑا کام کیا۔ مگر جب تک اتحادی طاقتیں ڈینی کن کو گولا بارود اور ساز و سامان پہنچاتی رہیں اس پراپگنڈے نے چنداں اثر نہیں دکھایا تھا۔

عسکری روایات میں اولیت کا مقام انضباط کے قیام کو حاصل ہے۔ اس کے بغیر فوج غیر منظم ہجوم بن جاتی ہے محض "ہتھیار بند انبوہ"۔ انقلاب کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ اس کی تباہ کن خصوصیات زیادہ نمایاں ہوتی ہیں بلکہ اوائلی دور میں تو مکمل لاقانونیت کی خصوصیتیں اس میں شامل ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے شوروی رہنماؤں نے دیکھا کہ یک بیک انہیں اپنے نظریات بدلنے پڑے ہیں۔ "پرانی فوج کو غیر منظم کرنے والے نئی فوج کو تنظیم دینے والے بن چکے تھے۔" لینن اور ٹراٹسکی نے ایک منضبط فوج قائم کرنے کا پورا پورا عزم کر لیا تھا۔

فوج میں جمہوریت جس میں افسروں کے انتخابات بھی شامل تھے حد درجہ تک محدود کر دی گئی۔ فرار ہونے والوں اور بزدلی دکھانے والوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کی گئیں۔ فوج کے ضوابط کو مکمل کیا گیا اور ان کی پابندی پر سختی شروع کر دی گئی۔ یوں تو پرانے عہد کے تمغوں کو نفرت سے دیکھا جاتا تھا۔ مگر جلد ہی "نشانِ علمِ احمر" کا اجرا کیا گیا۔ اس کی وجہ سے تمغوں کے متعلق جو نفرت پھیل چکی تھی اس میں کمی واقع ہو گئی۔ یہ درست ہے کہ انقلابات فوج کی تنظیم کے بہت سے پہلوؤں کو غائب کر دیتے ہیں۔ مگر عسکری نظم اور انضباط کے چند محکمات ہیں جنہیں ریاست کا کوئی اسلوب بھی نظر انداز نہیں کر سکتا چاہے وہ کتنا ہی انقلاب پسند اور آزاد خیال کیوں نہ ہو۔

ہر کیف بالشویکوں نے انقلاب کے مخالفین سے لڑتے وقت انقلابی ترجیحات کو مکمل طور پر ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جو فوج انہوں نے تیار کی تھی وہ دہقانوں اور مزدوروں پر مشتمل تھی۔ اُن کی جنگ طبقاتی جنگ تھی۔ فوج کی پشت پر اشتمالی پارٹی کی منضبط صفیں موجود تھیں۔ ایک نئی طاقت جو اپنے نئے نظریات کو مذہبی جوش و خروش سے پھیلانے پر تلی ہوئی تھی۔

ان میں سے اکثر سیاسی ناظر کی حیثیت سے فوجوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ وہ جو کوئی اور جہاں کہیں بھی تھے "سرخ فوج کی عظیم الشان مشین میں بجلی کی رَو دوڑا رہے تھے۔۔۔ ان کی قوتِ ارادی اور فتح کے مستحکم ارادے نے پورے ملک کو فولاد کی طرح یکجا کر رکھا تھا۔"[9]

جب خانہ جنگی ختم ہوئی تو بالشویکوں کو سماج میں جنگ کے صحیح مقام کا پوری طرح علم ہو چکا تھا بلکہ اس دور میں ان سے بہتر علم شاید ہی کسی کو ہوگا۔ لینن نے ایک نیا فلسفیانہ قسم کا اسلوب تیار کیا جو اس موضوع سے متعلق تھا۔ روس میں برسرِ اقتدار ہونے سے مدتوں پہلے اسے اس بات کا یقین تھا کہ سماجی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے عوام کے لئے ضروری تھا کہ وہ جنگ کی طرف رجوع کریں۔ اس نے مداخلت اور خانہ جنگی کے اس "عظیم مکتب" میں جو کچھ دیکھا اور سیکھا اس سے اس کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔

خانہ جنگی اور بیرونی قوموں کی مداخلت کے بعد کے دور میں بھی سوویٹ ریاستہائے متحدہ کے لوگ دنیا کو دو معسکروں میں تقسیم شدہ دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اشتراکی اور سرمایہ دارانہ معسکر۔ ۱۹۱۸ء–۱۹۱۹ء کے بحرانی برسوں میں یہ فطری سا ردِ عمل تھا۔ اس کی وجہ سے تنہائی کا جو احساس روس میں پیدا ہو گیا ہے اس نے اوائل سے ہی جنگ کی سی ذہنیت پیدا کر دی ہے روزمرہ کی زبان میں بھی عسکریت کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ وہ "پیداوار بڑھانے کی لڑائی" کا ذکر کرتے ہیں۔ یا پھر "زرعی محاذ پر پیش قدمی" کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ "کوئلے کا محاذ" بھی بھلایا نہیں جاتا صنعت میں جاسوس اور تباہ کار تو بالعموم زیرِ بحث آتے رہتے ہیں۔[10] نازی جارحیت کے خلاف اس عسکری ذہنیت نے کامیاب مدافعت مہیا کرنے میں مدد دی۔ اگر ہم سوویٹ ریاستوں کی آئندہ پالیسی کو سمجھنا چاہیں تب بھی ہمیں اس ذہنیت کو نہیں بھلانا چاہئے۔ اسی ذہنیت کی وجہ سے سرخ فوج، بحریہ اور فضائیہ کو اس تعداد میں قائم رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو ملک کی حفاظت کے لئے کافی ہو۔ سوویٹ ریاستوں کو یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن ان پر حملہ کیا جائے گا۔ اسی کی وجہ سے پنج سالہ منصوبہ اور صنعت کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ دفاعی بیڑے ہتھیار دن

۹۔ ڈی۔ الیف۔ وائٹ۔ "سرخ فوج کی نشو و نما" (پرنسٹن ۱۹۴۳ء) ص ۱۲۶

۱۰۔ اے۔ آر۔ ولیمز، روسی۔ ان کا ملک اور قوم۔ وہ لڑتے کیوں ہیں (نیویارک ۱۹۴۳ء) ص۔ ۴۳۔ ح

کی کمی محسوس نہ کریں اور ملک کا اقتصادی نظام جدید جنگ کے بوجھ کو برداشت کر سکے۔

(۳)

لیون ٹراٹسکی اس بات کا زندہ ثبوت تھا کہ پرولتاری نظام کے لئے بھی جنگ کے وجود کو تسلیم کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی اور نظام کے لئے۔ ٹراٹسکی سُرخ فوج کا معمار تھا۔ خانہ جنگی کے دوران میں اس کی تنظیم نے فتح ممکن بنائی تھی۔ آج بھی شوروی پالیسی جن اصولوں پر قائم ہے ان میں سے اکثر اس کے قائم کردہ ہیں۔ خود بین و خود پسند، متکبر، شوخ و نمائش پسند، اس کے باوجود وہ دلیر اور ان تھک تھا۔ ذہین، باوفا اور فرض شناس۔ مداخلت، خانہ جنگی اور انقلاب کی پیدا کردہ بدنظمی کو عسکری نظم میں بدلنا اگر کسی کمتر ذہن کے ذمہ ڈالا جاتا تو وہ کبھی عہدہ برآ نہ ہو سکتا بلکہ خود اس کا اپنا ذہن بھی بدنظمی کا شکار ہو جاتا۔ ٹراٹسکی اور سٹالن کے درمیان جو طویل مخالفت رہی اس کی وجہ سے سُرخ فوج اور انقلاب کی تاریخ میں جو حصہ ٹراٹسکی کا تھا اس پر حتی الوسع پردہ ڈالا گیا ہے۔ اس کے باوجود کافی ذرائع موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی عسکری تاریخ میں ٹراٹسکی کا مقام بہت بلند ہے۔ اگر آج تک اس کے ساتھ انصاف نہیں برتا گیا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کلی نظام کے ملکوں میں تاریخ اسے کہتے ہیں جو آمر کی بیان کردہ داستان ہو۔

ٹراٹسکی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ عسکری مسائل کا ماہر ہے یا تزویراتی معاملات میں فوق العادہ انسان ہے۔ عسکری ماحول سے وہ اس وقت دوچار ہوا جب جنگِ بلقان کے دوران وہ سربیا، بلغاریا اور رومانیا میں سکونت پذیر تھا۔ وہ خود کہتا ہے: "یہیں عالمی جنگ ہم سب کو اور مجھے بھی عسکریت کے بہت قریب لے آئی۔" اب ٹراٹسکی نے مسئلہ جنگ کا تجزیہ کیا۔ یہاں وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ "جو بات مجھے اہم محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ جنگ سیاست کی ایک کڑی ہے اور فوج آخر الذکر کا آلہ کار ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ فوج کے تنظیماتی اور فنیاتی سوالات ابھی پس منظر میں ہی تھے البتہ فوج کی نفسیات، بارکوں میں، خندقوں میں، لڑائی میں، مریض خانوں میں اور دوسری جگہوں پر اتنی اہم تھی کہ اس نے میرے قلب کو گرما دیا۔" ٹراٹسکی کا یہ فقرہ اسے کلازوٹز، اینگلز اور لینن کا مرکب ظاہر کرتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جن لوگوں نے عسکری مسائل کو اپنا پیشہ بنائے

رکھا تھا اسے ان کے مشورے اور مدد کی ضرورت ہوگی - اس لئے "فنیاتی اور اقداماتی مسائل میں میرے فرائض اسی قدر رہ گئے تھے کہ میں صحیح آدمی کو صحیح جگہ پر تعین کروں اور پھر اُسے اس کی قابلیت کے مطابق کام کرنے دوں[11]"

جہاں تک بالشویکوں کا تعلق تھا وہ پرانی شہنشاہی فوج کو درست کرنا نہیں چاہتے تھے۔ زار کی فوج حقیقتہً ختم ہو چکی تھی۔ اور دوبارہ زندہ کرنے کے مقام سے گزر چکی تھی۔ ٹراٹسکی نے اس مسئلے کو نہایت سادہ طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی تباہی کا باعث وہ پراپیگنڈا تھا۔ جو انقلاب سے پہلے کیا گیا تھا اور خود انقلاب بھی اس تباہی کا ذمہ دار تھا۔ "تاریخ دان کو معلوم ہونا چاہیئے . . . کہ ہر عظیم انقلاب پرانی فوج کے لئے موت کا پیغام لاتا ہے۔ . . . یہ حقیقت صاف واضح ہے'۔ ایک عقل مند جرمن (انگلز) نے دوسرے (مارکس) کو ۲۶ دسمبر ۱۸۵۱ء کے دن لکھا تھا: 'ہر کامیاب انقلاب کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ فوج کی تنظیم اور انضباط مکمل طور پر تباہ ہوا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انقلاب کی بنیادی شرط بھی یہی ہے۔' اور نسلِ انسانی کی تاریخ اِس سادہ مگر محکم اصول کو ثابت کرتی ہے[12]" علاوہ ازیں ٹراٹسکی نے یہ بھی کہا تھا کہ قومی مفاد کے لئے پرانی فوج کا وجود مٹا دینا ہی صحیح قدم ہے۔

قدیم کو کالعدم کرنے کی اور بھی وجوہات تھیں۔ "پرانی فوج کی ساخت پُرانے روس پر مبنی تھی اور یہ ساخت جاگیردارانہ نظام کے مطابق ہوئی تھی۔ افسر آج بھی یہ سمجھتے تھے کہ بہترین سپاہی وہ ہے جو خادم قسم کا انسان ہو اور سوچ سمجھ کے قابل نہ ہو . . . افسروں کے حکم کی بنیادیں پُرانی عوامل پر قائم تھیں مثلاً طبقاتی تفرقات، رسم و رواج، بلکہ بعض حالات میں طبقاتی زبان کا استعمال بھی . . .[13]" اشتراکی ریاست میں یہ صورتِ حال قائم نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ "ہمارے لئے ضروری تھا کہ ہم پرانے عہد کے اداروں کو یک قلم مٹا دیتے' اور ان کی جگہ ایک نئی فوج قائم کرتے۔ ایسی فوج جس کی تفاصیل کسی کتاب میں موجود نہ تھیں . . .[14]"

۱۱۔ ٹراٹسکی: "میری زندگی" (انگریزی ترجمہ۔ نیو یارک۔ ۱۹۳۰) ص ۴۰۷

۱۲۔ ٹراٹسکی: "انقلابِ روس کی تاریخ۔ جلد اول۔ ص ۲۴۲-۳۔ ۳۷۵

۱۳۔ ایضاً ۱۔ ص ۲۵۳

۱۴۔ ٹراٹسکی: "میری زندگی۔ ص ۳۴۹

ٹراٹسکی تہیہ کر چکا تھا کہ چاہے کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو وہ مزدوروں اور دہقانوں کی فوج قائم کرے گا اور قوم کو "مجاہدانہ معسکر" میں تبدیل کر دے گا تاکہ انقلاب کے اندر "عسکری اشتمالیت کی ریاست" قائم ہو جائے محکم ترین انضباط کا قائم کرنا اور اس پر عمل کرنا از حد ضروری تھا۔ اس لئے کہ "انقلاب فوج کے اندر محکم انضباط کی صرف اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ اس کی تخلیق بھی کرتا ہے۔" فوج، کمیٹیوں، اجلاسوں، منتخب شدہ افسروں اور منطقیوں کے ذریعے نہیں چلا کرتی بلکہ محض حاکمانہ عسکریت کے کڑے انضباط کے ذریعے[15]۔ یہ بہت کڑوی دوا تھی۔ جو لوگوں کے حلق میں انڈیلنی پڑی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لینن کو ٹراٹسکی پر مکمل اعتماد تھا۔ ٹراٹسکی خود بھی بہترین مقرر تھا۔ اس کی انتظامی قابلیتیں بھی بلند تھیں اور وہ بالآخر بدنظمی میں سے ہی نظم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے نہایت جرأت مندانہ طور پر پرانی فوج کے افسروں اور عہدیداروں کو نئی فوج میں شامل کر لیا۔ اب انہیں "فنکار" اور "متخصص" کہا جانے لگا۔ یہ وہی لوگ تھے جو "نفرت انگیز سنہری بلے والے" کہلایا کرتے تھے۔ یہ تعلیم یافتہ امیر طبقے سے متعلق تھے۔ اور خوشحال زمیندار اور بورژوا خاندانوں کی اولاد تھے۔ ٹراٹسکی کہتا ہے "ہمیں عہدِ زار کے ان افسروں کو اس لئے لینا پڑا کہ وہ تربیت یافتہ تھے۔ ان کے بغیر ہمیں بالکل ہی نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑتی اور پھر ہمارے دشمن ہمیں اتنا وقت کہاں دیتے کہ ہم پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں اور پھر ان کے خلاف صف آرا ہوں[16]۔" اپریل ۱۹۱۸ء اور اگست ۱۹۲۰ء کے درمیانی عرصے میں ڈاکٹروں اور سلوتریوں سمیت جن پرانے افسروں نے سرخ فوج میں ملازمت کی ان کی تعداد اڑتالیس ہزار سے زائد تھی۔ ان کے علاوہ اڑھائی لاکھ عہدیدار بھی تھے جو انضباط اور عزم قائم رکھنے میں چونے گارے کا اہم کام دیا کرتے ہیں۔

پرانی فوج کے افسروں پر نظر رکھنا، صف کے سپاہیوں میں پروپیگنڈے جاری رکھنا، ان پڑھ دہقانوں کو انقلاب اور خانہ جنگی کے مقاصد بتاتے رہنا۔ اور ایسے ہی دوسرے غیر عسکری فرائض انجام دینے کے لئے ٹراٹسکی نے سرخ فوج کی ہر وحدت میں ناظر مقرر کئے۔ اگر کوئی وحدت ناکام رہتی تو اس کی ذمہ داری ناظر پر عائد ہوتی تھی۔

۱۵۔ بنین اور فشر کی کتاب میں ٹراٹسکی کا بیان۔ ص ۵۶۹ - ۵۰۲

۱۶ - ایضاً ص ۲۶۰ اور "میری زندگی" ص ۲۳۸

آج اتنی مدت کے بعد ان حالات پر نظر کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ٹراٹسکی کے ذمہ نہایت عظیم کام تھا۔ فوج کو تنظیم دینا، رسلیات کا اہتمام کرنا، افسروں کا مہیا کرنا اور سرخ فوج کی کمان کرنا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے کہ اسے عصرِ حاضر کے ممتاز ترین عسکری کارناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان فرائض کی انجام دہی میں لوگوں کی مخالفت ہونا بدیہی تھی اور پارٹی کے اندر جو نفرت ٹراٹسکی کے خلاف پھیلنا شروع ہوئی وہ تعجب انگیز نہیں۔ ٹراٹسکی پارٹی کے مخالفوں میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جسے آگے چل کر سرخ فوج کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کرنا تھا۔ اس کا نام جوزف سٹالن تھا۔

(۴)

ٹراٹسکی نے اپنے مخالفوں کے متعلق نہایت صحیح الفاظ کہے ہیں۔ "مخالف پارٹی چاہتی تھی کہ وہ ایسا نظریاتی قاعدہ کلیہ ڈھونڈ نکالیں جو ان کے موقف پر صحیح اترے۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ وہ مرکزی طرز کی فوج سرمایہ دارانہ ریاستوں کی خصوصیت تھی۔ انقلاب کو صرف مقامی جنگ کا وجود ہی نہیں مٹانا تھا بلکہ مرکزی فوج کا بھی۔ انقلاب کی داخلی حقیقت کا تقاضا تھا کہ ہر شے ہر وقت حرکت میں رہے۔ صدماتی ضربات لگائے اور چال کاری پر حاوی رہے۔ ۔ ۔ مختصراً یہ کہ قلیل عرصے کی محدود جنگ کی تدبیرات کو وہ انقلاب کی تدبیرات سمجھ رہے تھے[۱۷]۔" ادھر سٹالن اور وروشیلاف تہیہ کر چکے تھے کہ جہاں تک ان کے قرار کے انضباط کا سوال تھا وہ مرکز کے احکام کے تابع نہیں رہیں گے۔

اب ایک مباحثہ ہوا جس میں تمام عسکری نظریات، تزویراتی تفہیمات اور تنظیمات کے مختلف طریقے زیرِ بحث لائے گئے۔ سرخ فوج کے بعض خود ساختہ مگر قابل کمانداروں کا خیال تھا کہ انہوں نے خانہ جنگی میں پرولتاری انقلابیوں کے ایسے عسکری نظریات ڈھونڈ نکالے تھے جو گذشتہ نظریات کو بحرِ نسیاں میں غرق کرنے والے تھے۔ دوسری طرف ٹراٹسکی کو سرے سے انکار تھا کہ مارکسی عسکری نظریات کا وجود بھی تھا۔ وہ کہتا ہے "مارکسی طریقے سماج اور تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنگ

۱۷۔ "میری زندگی" ص ۴۳۸

بہت سی سائنسوں سے متعلق ہے مگر جنگ بذاتِ خود سائنس نہیں۔ جنگ عملی فن اور ہنر ہے ......[18]

عسکری معاملات کا طالب علم ٹراٹسکی کے نظریات کو کتنا ہی خارجی کیوں نہ تصور کرے یہ حقیقت ہے کہ اس نے مشتعل مزاج اور باحمیت اشتراکیوں کو غصے سے بھڑکا دیا۔ ان کا خاص نمائندہ میکائیل۔ وی فرنز تھا جس کی پشت پناہی کے لیے سٹالن موجود تھا۔ خانہ جنگی سے وہ درجۂ اوّل کا تدبیر کار اور تزویر کار بن کر نمودار ہوا۔ ۱۹۲۴ء کے اوائل میں اسے انقلابی عسکری کونسل کا نائب صدر اور فوج کا فی الحقیقت کماندارِ اعلیٰ بنا دیا گیا۔ جنوری ۱۹۲۵ء میں اسے فوجی اور بحری امور کا ناظر مقرر کیا گیا۔ اس کے بہت جلد بعد ٹراٹسکی کا اثر و رسوخ شوروی عسکری معاملات میں معدوم ہو گیا۔ فرنز سال کے اختتام سے قبل ہی انتقال کر گیا مگر اس عرصے میں اس نے تنظیم اور طریقِ کار میں بہت سی اصلاحات رائج کر دی تھیں۔

"فرنز کے مطابق عسکری نظریات قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ریاست کے عام مقاصد اور اس کے روحانی و مادی وسائل نگاہ میں رکھے جائیں۔ وہ تسلیم کرتا تھا کہ اس طرح کے نظریات کی تخلیق ناممکن تھی۔" یہاں تک تو اسے ٹراٹسکی سے بہت کم اختلاف تھا وہ اس سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سُرخ فوج کے بنیادی تزویراتی و تدبیراتی تصور کی اساس مہاجمے اور چال کاری پر ہونا چاہیے۔ علاوہ بریں انقلاب کی روح کا تقاضا ہے کہ دائمی حرکت، دلیری کا جذبہ، چھاپہ مار اقدامات اور جنگ کو دشمن کے گھر تک لے جانے کی کوششیں ہر وقت قائم رہیں[19]۔"

اس کے برعکس ٹراٹسکی اور پیشہ ور سپاہی جو اس کی جماعت میں شامل تھے اس بات پر زور دیتے تھے کہ مہاجمہ ہو یا دفاع، بذاتِ خود نہ اچھا ہو سکتا ہے نہ بُرا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ فتح صرف مہاجمے کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر انقلاب کا تعلق صرف سیاسی مہاجمے سے ہے۔ جو تزویراتی دفاع سے آسانی سے میل کھاتا ہے۔ جب تک روس اپنی طاقت کو ترقی نہیں دیتا اور اس کی صنعت میں توسیع نہیں ہوتی اس وقت تک صرف یہی تزویراتی نظریہ امید افزا تھا۔

۱۸۔ ٹراٹسکی۔ انقلاب کی عسکری طاقت کس طرح ترقی پذیر ہوئی (ماسکو ۱۹۲۴ء) جس کا وائٹ نے "شوروی فلسفۂ جنگ" میں حوالہ دیا ہے۔ "پولیٹیکل سائنس" مجلہ جلد ۵۱۔ ص ۳۲۹

۱۹۔ فرنز۔ وائٹ اپنے مندرجہ بالا مضمون میں حوالہ دیتا ہے۔ باب ششم

ایک اور موضوع جس پر گرم مباحث جاری رہتے تھے، شوروی جمہوریہ کے عسکری اداروں کے مستقل یا غیر مستقل ہونے کے متعلق تھا۔ یعنے سرخ فوج پیشہ ور فوج ہو یا ملیشیا، اس سوال کے جواب کے لئے اشتمالیوں کے سامنے مارکس اور انجلز کے اقوال رہنمائی کے لئے موجود تھے انہوں نے کہا تھا کہ اشتمالی ریاست کے لئے بہترین عسکری تنظیم ملیشیا کی تھی۔ پیشہ ور سپاہی قائم فوج کے علاوہ کسی قسم کی فوج کو قبول کرنے پر رضامند ہی نہیں تھے۔ ان کے پیشِ نظر فوج کی قابلیت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان کا نمائندہ ٹوکھاچوسکی ان کی آرار کو نہایت خوبی سے پیش کرنے میں کامیاب رہا اور قائم فوج کے ساتھ ساتھ نہایت زور دار الفاظ میں جارحانہ قسم کے اشتراکی سامراج کی دعوت بھی دی۔

میکائیل۔ این۔ ٹوکھاچوسکی جس کا زمانہ (۱۸۹۳ء۔ ۱۹۳۱ء) تک کا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں بالشویکوں کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے زار کی فوج میں لفٹیننٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے پولینڈ کی جنگ میں نام پیدا کیا۔ وہ نہایت دلیر، بلند ہمت، فہیم، چالاک اور مغرور تھا۔ اسے روس کی سرزمین سے نہایت گہرا، تند، حیوانی اور روسی قسم کا عشق تھا۔ ۱۹۳۱ء کی تطہیر میں اُسے غداری کے جرم میں جلاد کے حوالے کیا گیا۔ اس کے جرم کی تفاصیل ابھی تک کریملن کے سربستہ رازوں میں محفوظ ہیں۔

ٹوکھاچوسکی سیاسی اور عسکری مہاجمے کا قائل تھا۔ اس طرح اشتراکیت کو ایک قسم کی عسکری سامراجیت کے ذریعے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ جو رواجی پالیسی روس میں چلی آئی ہے کہ پس قدمی کرکے روس کی بے پناہ وسعتوں میں چلا جانا چاہئے وہ اس کے سخت خلاف تھا۔ اس لئے کہ زمین دشمن کے حوالے کر دینے سے ملک کے وسائل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس نے رائے دی تھی کہ بین قومی اشتمالی کانفرنس کے تحت ایک جنرل سٹاف ہونا چاہئے۔ جسے دنیا بھر کے پرولتاریہ کو ہتھیار بند کرکے انقلاب برپا کرنے کے منصوبے تیار کرنے کے فرائض سونپے جائیں۔ اگر نظریاتی اور سیاسی عوامل کو نظر انداز کرکے بھی دیکھا جائے تو ٹوکھاچوسکی اس بات پر مصر تھا کہ ہر جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی افواج کو تباہ کرکے فتح حاصل کی جائے اور یہ مقصد صرف مہاجمے کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے[۲۰]۔ اگر کوئی انقلابی ریاست مہاجمی تدبیرات پر عمل کرنا چاہتی ہو تو اُسے

۲۰۔ وائٹ۔ م۔ ب۔ باب ششم

کامیابی کی امید صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس کے تصرف میں اعلیٰ ترین تربیت دادہ پیشہ ور فوج ہو۔ یہ بات ملیشیا میں نہیں ہو سکتی۔ علاوہ بریں بھرتی بین قومی خطوط پر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ طبقاتی جنگ قومی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتی۔ جب انقلاب کا علم شوروی حدود سے باہر پہنچے گا تو اس کے گرد اس ملک کے تمام تربیت یافتہ مزدور جمع ہو جائیں گے۔ یوں مہاجمی پالیسی کو کامیابی کا یقین ہو جائے گا۔[۲۱] ظاہر ہے کہ ہر زاویے سے یہ دلیرانہ پروگرام تھا۔ بلکہ شوروی حکومت کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ دلیرانہ تھا۔

۱۹۲۴ء کی عسکری اصلاحات بھی اس بحث کو ختم نہ کر سکیں۔ ان کی رو سے پیشہ ور قائم فوج کی تعداد پانچ لاکھ ساٹھ ہزار مقرر ہوئی اور ملیشیا کے ۴۲ لشکر مقرر ہوئے۔ فرنز جو ملیشیا کے حق میں تھا اپنے رسوخ سے ایسا سمجھوتہ کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا جس سے سرخ فوج نہ خالص پیشہ ور نوعیت کی رہی تھی اور نہ ہی محض ملیشیا۔ بہر کیف یہ سمجھوتہ سود مند ثابت ہوا۔

اب شوروی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ سرخ فوج کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اسے ترقی دینے کے لئے بنیادیں اشتمالی ہونی چاہئیں اور زاویہ نگاہ انقلابی۔ ملک کے مادی وسائل کو بھی ترقی دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اور صنعت کو فروغ دینا شروع کر دیا گیا۔ سرخ فوج کے بڑھنے میں خالص مادی رکاوٹیں حائل نہ ہوتی رہیں۔ باقی اختلافات کے باوجود ان باتوں پر ہر ایک کو اتفاق تھا۔

(۵)

۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۴ء کے درمیانی عرصے میں جو وسوسے اور اختلافات عسکری مسائل میں پیدا ہوتے رہے ان کی تین وجوہات تھیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ نفس انقلاب میں مضمر تھے۔ انتظامی امور کے ادارے نابود ہو چکے تھے اور ناتجربہ کار غیر فوجی جنگ جاری رکھنے کے لئے نہایت اہم اور ذمہ دار آسامیوں پر فائز ہو چکے تھے۔

۲۱۔ ایم۔ ٹوخاچوسکی۔"

(جرمن ترجمہ بینرگ ۱۹۲۷ء ص ۹۔۱۰، ۱۸۔ ۱۹، ۲۵، ۳۱)

ثانیاً یہ کہ عسکری پالیسی کے متعلق جو مباحث بھی ہوئے ان میں شوروی خارجی پالیسی کو نگاہ میں رکھا گیا بلکہ عسکری مسائل کو مطلق قرار دے کر ان کے حسن و قبح پر غور کرنے کی کوشش کی گئی۔ مثال کے طور پر بحث میں حصہ لینے والوں نے یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ ان کے پیش نظر بین قومی انقلاب کی کامیابی تھی یا اس امر کی حفاظت کرنا کہ اشتمالیت پہلے ایک ملک میں کامیاب ہو جائے۔ جب تک اِس سوال کا جواب نہ مل جاتا اس وقت تک یہ فیصلہ کرنا بے سود تھا کہ ہاجمہ بہتر تھا یا دفاع۔ چال کاری اور حرکیت کا درجہ بلند تھا یا قلعوں اور محصور مقامات کا۔

تیسری بات یہ تھی کہ عسکری معاملات سے متعلق بہت سے دلائل کا مقصد محض اپنی اپنی ذاتی بلند ہمتی کا جواز پیش کرنا تھا۔ جب ۱۹۲۴ء کی جنوری میں لینن کی موت واقع ہوئی اس کے دو سال پیشتر سے ہی تمام سیاسی بحثوں میں اس کے جانشین کا سوال پس منظر میں منڈلاتا ہوا نظر آتا ہے اور ہر دلیل، ہر رائے اور ہر پالیسی میں مضمر ہے۔

جب سٹالن نے عنانِ حکومت سنبھالی اور بے دردی سے تمام اختلافات کو اپنے راستے سے دور کیا تو معاملات زیادہ وضاحت سے نظر آنے لگے۔ لینن، ٹراٹسکی اور بہت سے دوسرے بالشویک ایک بات میں سٹالن سے مختلف تھے۔ وہ سب ملک بدر رہ چکے تھے۔ سٹالن نے جلاوطنی نہیں دیکھی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جو باقی دنیا کے لئے مرتے دم تک ایک راز بنا رہا۔ اسی شخص نے سرخ فوج کو نفسیاتی اور روحانی طور پر اس عظیم کشمکش کے لئے تیار کیا جو جون ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے روس کے خلاف شروع کی۔

فرنز کی موت ۱۹۲۵ء میں واقع ہوئی۔ اس کے پندرہ سال بعد تک عسکری معاملات میں سٹالن کا نائب مارشل کلیمنٹ وروشیلاف تھا۔ وہ لوگنسک میں (جس کا نام بعد میں روشیلافگراڈ رکھا گیا) ایک کوئلہ کھودنے والے کے گھر میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپن غربت اور تنگدستی میں گزرا اور جوانی میں ہی وہ تخریبی کارروائیوں کی طرف مائل ہو گیا۔ ۱۹۱۷ء میں وہ بالشویکوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور خانہ جنگی کے دوران میں وہ سٹالن کے ساتھ جنوبی محاذ پر خدمات انجام دیتا رہا۔ چونکہ وہ ٹراٹسکی کا سخت ترین مخالف تھا اِس لیے فطری بات تھی کہ سٹالن نظارتِ جنگ اس کے حوالے کرتا۔ اس کی رہنمائی میں سرخ فوج دنیا کی بہترین فوجوں میں شمار ہونے لگی۔ وہ انضباط، اقدام اور پیشہ ورانہ

قابلیت کا قائل تھا اور جنگ کے نظریاتی پہلو سے اسے چنداں شغف نہ تھا۔

سپاہی کی نسبت وہ سیاستدان زیادہ تھا۔ شاید اسی لیے اس نے انتظامی امور کی طرف زیادہ توجہ دی۔ چونکہ وہ ٹوکھاچوسکی کا پرانا حریف تھا اس لئے شروع میں وہ کوئی اہم کام اسے سپرد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر پانچ سال تک معمولی کام پر لگے رہنے کے بعد اس کی نمایاں قابلیت کی وجہ سے اسے امور جنگ کا نائب ناظر اور چیف آف جنرل سٹاف مقرر کیا گیا۔ ٹوکھاچوسکی نے عسکری امور کے نظریاتی پہلو کی طرف توجہ دلانی شروع کی۔ اس کی رہنمائی کی وجہ سے سرخ فوج میں بہترین قسم کا عسکری ادب پیدا ہو گیا۔ شوروی ریاستہائے متحدہ کے اندر صنعت کی وسعت کی وجہ سے اور بیرونی دنیا میں جو ترقیاں وجود میں آچکی تھیں ان کی وجہ سے ٹوکھاچوسکی نے اپنے پرانے تزویراتی نظریے بدل دئے۔ سنہ ۱۹۳٦ء کے "ضوابطِ میدانِ جنگ" کے دیباچہ میں وہ اس اصول کی تردید کرتا ہے کہ شوروی قوار کو چال کاری کا خاص ملکہ حاصل ہے یا مہاجمہ اختیار کرنے کے لیے انھیں کوئی خاص آسانی مہیا ہے۔ "چند ایسے دوست بھی ہیں . . . جو سرخ فوج کی تربیت کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اسے حملے کے لئے تیار کرنے کے لئے سرمایہ دار ممالک کی فوجوں کی نسبت تھوڑے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے . . . . جنگ میں اس طرح کی خود فریبی بے وجہ اتلافات اور نقصان کا موجب بنتی ہے[۲۲] . . ."

گو وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دفاع کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس بات کا قائل رہا کہ فتح حاصل کرنے کے لئے صرف مہاجمی تزویرات ہی کامیاب ثابت ہو سکتی ہیں۔ وہ غیر ممالک کی عسکری تنقید سے بھی واقف تھا۔ ڈی گال کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ "نہایت بلند پایہ عسکری ادیب ہے۔" اور لڈل ہارٹ کے دفاعی نظریات کا ناپسندیدہ طور پر ذکر کرتا ہے۔

سٹالن بھی اس بات کا قائل نظر آتا ہے کہ صرف مہاجمہ ہی فتح کا ضامن ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اپنے باقی ساتھیوں کی طرح یہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جب تک قوم کے اقتصادی، اخلاقی اور دیگر وسائل یکجانہ کئے جا سکیں اس وقت تک کسی بھی قسم کی تزویرات کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سٹالن

۲۲۔ بُرچن اور بن ہوریان۔ ص ۱۳۲

نے خود عطا کیا وہ مارشل کا عہدہ میدانِ جنگ میں نہیں، اپنے مطالعہ کے کمرے میں حاصل کیا۔ جہاں وہ اقتصادی اور ملک کے دوسرے وسائل کے صحیح استعمال کے طریقے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوا۔

۱۹۲۴ء میں ہی فرنز نے اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ملک کی صنعت کی خستہ حالی اور کمیابی کی وجہ سے سرخ فوج کو نہ تو بڑھایا جا سکتا تھا، اور نہ اس کی قابلیت میں ترقی پیدا کی جا سکتی تھی۔ مزید برآں یہ بھی حقیقت تھی کہ روسی سپاہی کی فنیاتی تربیت مفقود تھی اور اس کمی کو ملک کی صنعت کو فروغ دینے سے ہی پورا کیا جا سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تعداد میں اضافہ کرنے کے بجائے پہلے سرخ فوج کو قابلیت کے لحاظ سے دنیا کی دوسری فوجوں کا ہم پلہ بنا لے۔ جنگ میں تعداد کسی طرح بھی معیار کا عوض نہیں بن سکتی۔ جب صنعت کو فروغ دیا گیا تو سرخ فوج کے ہتھیاروں اور ساز و سامان کو باقی تمام ضروریات پر ترجیح دی گئی۔ اس کے نتائج کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس کی وجہ سے ملک کو بہت سی اشیاء سے عرصہ تک محروم رہنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی دوسرا ملک اپنے عوام کو اتنا عرصہ تکلیف میں نہ رکھ سکتا۔

عسکری نقطۂ نگاہ سے روس کی صنعت کی توسیع مقداری بھی تھی اور معیاری بھی۔ جنگ کا ساز و سامان بنانے والے کارخانوں کی مشینیں دوسروں سے بہت بہتر تھیں۔ خاص خاص اور اہم صنعتوں میں مثلاً لوہے اور فولاد، فنِ استخراج اور انجنوں کے کارخانوں میں مقداری اور معیاری ہر دو لحاظ سے نمایاں ترقی ہوئی۔ پنج سالہ منصوبوں میں ضرورت کے اور بھی بہت سے پہلو پیشِ نظر رکھے گئے تھے۔ فنکاروں اور نیم فن کاروں کی بہت بڑی تعداد تیار کر لی گئی جس میں صنعتی جبری بھرتی کو بھی کسی حد تک دخل تھا۔ جنگی ضروریات کے کارخانوں کو ملک کے طول و عرض میں بکھیر دیا گیا تاکہ زمانۂ جنگ میں وہ دشمن کے لئے آسان ہدف نہ مہیا کریں۔ دارالسلطنت کے مشرق میں بلکہ کوہِ یورال کے اُس پار نئے نئے شہر آباد ہو گئے اور مختلف قسم کی صنعتیں بڑھنے لگیں اور ہر طرح خود کفیل ہونے کی کوشش کی گئی۔

۱۹۳۵ء تک ہٹلر نے اپنے ماتحت ایسی فوج تیار کر لی تھی جس کا یورپ میں کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ بارہا اعلان کر چکا تھا کہ اس فوج کے تیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سوویٹ روس سے جنگ میں

چھین کر جرمن قوم کی روزافزوں بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے "جائے ماندن" مہیا کی جائے۔ ہٹلر کے برسراقتدار آنے سے پہلے بھی روس کی آبادی کو نفسیاتی طور پر جنگ کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ سٹالن کو مواد بھی مہیا تھا اور جنگ کی تیاری کی وجہ بھی۔ ایک طرف جرمنی کا ڈر، دوسری طرف اشتراکی جذب و شوق اور روسیوں کی وطن پرستی۔ سٹالن "جنگی تیاری"، فنونِ جنگ میں تربیت، اور جنگ کے موضوع کو روسی دہقانوں، مزدوروں، طالب علموں اور حکومت کے کارندوں کے لئے پسندیدہ مشغلہ" بنانے میں کامیاب ہو گیا۔[۲۳] لاکھوں بلکہ کروڑوں روسیوں کو آتشی ہتھیار چلانے میں تربیت دی گئی اور اتنی ہی تعداد میں موٹریں چلانے والے تیار کئے گئے۔

شوروی ریاستہائے متحدہ کی دفاعی تیاریوں میں جو حصہ عورتوں نے لیا ہے اس کو الفاظ کے دائرے میں لانا امکان سے باہر ہے۔ گو انہوں نے زیادہ تر غیر مقاتل حیثیت سے جنگ میں شرکت کی اس کے باوجود انہوں نے فوجی وحدتوں کی صفوں میں بھی مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا ہے۔ روس کے ڈاکٹروں کا ساٹھ فیصد حصہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے اندازہ ہو سکتا ہے کہ طبی شعبے میں انہوں نے کتنا عظیم الشان کام کیا ہو گا۔ اوائل سے ہی اشتراکی تصورات جنگ نے صنفی پابندیوں کو قبول نہیں کیا تھا۔

ضروری تھا کہ لام بندی کے لئے محض دہقانوں اور مزدوروں کو نہیں بلکہ پوری قوم کے افراد کو یہ یقین دلایا جائے کہ وہ ملک کے مفاد میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ ۱۹۳۹ء کے عسکری قانون نے دستوری شق کو عملی رنگ دیا۔ تمام مرد جن کی عمریں ۱۸ اور ۴۰ کے درمیان تھیں۔ عساکر میں خدمت انجام دینے کے لئے بھرتی کئے جا سکتے تھے۔ اس میں نسل، قوم، مذہب، تعلیم اور خاندان کی کوئی تفریق نہ تھی۔

جنگ روز بروز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ جنگ کی آمد نے ماقبل کے بین قومی انقلاب کو بے معنے بنا دیا۔ ۱۹۳۴ء میں بھی پراودا نے ایک بار آگاہ کیا تھا۔ "صرف مادرِ وطن کے لئے"... "یہ صدا دلیری اور جواں مردی کے جذبات کو اکساتی ہے"۔ ... "مادرِ وطن کا تحفظ زندگی کا اعلیٰ ترین قانون ہے"۔ ... "مادرِ وطن کے لئے، اس کی عزت کے لئے، عظمت

۲۳- برجن اور بن ہوبرن - م - پ - ص - ۱۴۹۰

اور بلندی کے لئے، اس کی خوش حالی کے لئے، اٹھو![24] ..." سرخ سپاہیوں کی نئی قسم سے بین قومیت کے الفاظ نکال لئے گئے تھے۔ اور طبقاتی کشمکش کے الفاظ نرم تر کر دیئے گئے تھے۔ جب جرمنی کے خلاف جنگ چھڑ گئی تو حکومت کے سرکاری اعلانوں اور سٹالن کی تقریروں میں وطن پرستی کا رنگ ابھرنے لگ گیا۔

اس دوران میں سرخ فوج میں دور رس اور بنیادی تبدیلیاں رونما ہوتی رہی تھیں۔ ۱۹۳۴ء میں قائم فوج پانچ لاکھ ساٹھ ہزار سے بڑھا کر نو لاکھ چالیس ہزار کر دی گئی۔ دوسرے ہی سال ایک لاکھ تیس ہزار کا مزید اضافہ کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء میں مشرق بعید کی فوج کو علیحدہ اور مستقل حیثیت دیدی گئی۔ ۱۹۳۶ء میں سرخ فوج کا ستر فیصد حصہ قائم فوج پر مشتمل تھا اور صرف تیس فیصد ملیشیا تھا یعنی ۱۹۲۴ء کا تناسب پلٹ چکا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں پوری فوج کو قائم بنا دیا گیا۔ سرخ فضائیہ کو بھی تیزی سے تیار کیا جا رہا تھا اور غیر ملکی نقادوں کی مختلف آراء کے باوجود یہ شعبہ بھی طاقتور ہتھیار بن کر نمودار ہو رہا تھا۔ ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۰ء میں جو قوانین نافذ ہوئے ان کی رو سے جیش افسران کو پیشہ ورانہ حیثیت دیدی گئی۔ عہدوں کو تسلیم کر لیا گیا اور تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا۔ انضباط کو مضبوط اور سلام وسلامی کو نئے سرے سے شروع کیا گیا۔ جب جون ۱۹۴۱ء میں جرمنوں نے شوروی ریاستہائے متحدہ پر حملہ کیا تو سرخ فوج تیاری کے بہت سے مراحل طے کر چکی تھی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک کے عرصہ میں ناظروں کا ادارہ کئی بار زیر غور رہا مگر اس میں کوئی خاص کمی نہ کی گئی۔ اس لئے جب ۱۲ اگست ۱۹۴۰ء کو ناظر کا عہدہ ہٹا دیا گیا تو ہر ایک کو نہایت تعجب ہوا۔ جرمن حملے کے بعد اسے دوبارہ شروع کیا گیا مگر ۱۹۴۲ء کے اکتوبر میں اسے دوبارہ منسوخ کر دیا گیا۔

(۶)

۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۱ء تک کے عرصے کی سٹالن کی تزویرات کو متفقہ اشتراکی تصورات سے تطابق حاصل نہیں۔ سٹالن نے صرف سپین میں لینن کے اصول پر عمل کیا اور بین قومی کشمکش کو خانہ جنگی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ یہاں بھی اس نے ہٹلر اور مسولینی کے نظریات کا

۲۴۔ میکس ایسٹ مین کے انگریزی ترجمے "سٹالن کا روس" (نیویارک ۱۹۳۴) ص ۲۷

روِعمل اسی حد تک کیا جس حد تک وہ لینن کے اصولوں پر عمل کر رہا تھا۔ دوسرے مقامات پر اس نے بین قومی منظر کو "حقیقی سیاست" کے رنگ میں نہیں دیکھا جس میں شوروی ریاستہائے متحدہ ایک عظیم عسکری قوت کے فرائض انجام دے رہی تھی اور محض انقلابی ریاست نہیں تھی۔ اس کے تدبر کا مقصد یہ تھا کہ وہ متحدہ تحفظ کے ذریعے شوروی ریاست کا دفاع مضبوط کرے۔ اس کی اس پالیسی کو اس کے نمائندے لٹوی ناف نے نہایت احسن طریقے پر عملی صورت عطا کی۔

فن لینڈ میں جرمنی کی فتوحات سے قبل سرخ فوج کی عسکری تزویرات نہایت مربوط تھیں۔ زیادہ تر وہ مہاجمی تزویرات تھیں جنہیں ٹوکھا چوسکی نے پیش کیا تھا۔ گو اس نے اور شاپوشنیکاف نے یہ تسلیم کیا تھا کہ مستقبل کی یورپی جنگ اتنے وسیع پیمانے پر اور اس قدر شدید قسم کی ہوگی کہ روس کو ابتدائی مرحلوں میں اغلباً دفاع اختیار کرنا پڑیگا۔ حملہ آور کے خلاف کارروائی قلعوں اور مضبوط و محکم مقامات کے ذریعے نہیں ہو سکے گی بلکہ اس میں چالاکی اور لچک ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ جدید اسلحہ جات مثلاً ٹینک مہاجمے کے علاوہ تزویراتی دفاع میں بھی استعمال کئے جا سکتے تھے۔ ۱۹۳۶ء کی ہدایات اس بات پر زور دیتی تھیں کہ مہاجمہ ہو یا دفاع تمام شعبوں کا گہرا ارتباط از حد ضروری تھا۔ یہ اصول خاص طور پر فضائیہ پر درست اترتا تھا۔ تزویراتی دفاع کو عمل میں لانے کے لئے ۱۹۳۶ء کی "ضوابط میدانِ جنگ" صف کے سپاہی اور عہدیدار کی تدبیراتی قابلیت پر بہت زور دیتے تھے۔ صف کے سپاہی کا اقدام ہی تھا جس نے سرخ فوج کی قابلیت کو اتنا بلند کیا اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۳ء کے دفاعی اقدامات میں کامیابی ہوئی۔

شوروی ریاستہائے متحدہ کی خوش قسمتی تھی کہ مہاجمے کی اتنی قدر و منزلت بلکہ پرستش کے باوجود دفاع اور خصوصاً لچکدار دفاع کی تیاریاں کرلی گئی تھیں۔ پولینڈ کے سقوط کے بعد روس کے سامنے اپنی مغربی سرحد کا دفاع ایک نئے رنگ میں ابھر رہا تھا۔ پہلا قدم جو روس نے اٹھایا، یہ تھا کہ سرحد کو آگے بڑھایا گیا تاکہ درمیانی علاقہ حاجز کا کام دے سکے اور جرمن حملے کے پہلے ریلے کی رفتار کو کم کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ روس کو جرمن برق رفتاری ناگہانیت کا شکار نہ بنا سکی اور دفاعی علاقے کی توسیع اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔

روسیوں کا خیال تھا کہ جرمن ناگہانیت اور تیز رفتاری سے رسلیاتی اور مواصلی خطوط کو

ہوائی حملوں سے تباہ کرتے ہوئے دوری اور تباہ کن جنگ اختیار کریں گے۔ انہیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ پائین ممالک کی طرح جرمنی ان پر چھا نہیں سکے گا اور نہ ہی پولینڈ کی طرح وہ ہوائی حملوں سے شل کئے جا سکیں گے۔ مگر انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ جرمنی کی زبردست عسکری طاقت کا مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا اور انہیں نہایت محنت سے کام لینا پڑے گا۔

روسیوں کے سامنے مقدم کام جو تھا اس کا انہیں علم تھا۔ یعنے انہیں سرخ فوج کو ہر قیمت پر مٹنے سے بچائے رکھنا تھا۔ ان کی امکانی کوشش یہ تھی کہ وہ گھیرے میں نہ آئیں۔ جو وحدتیں بچ کر نکل سکتی تھیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ آخر دم تک لڑتی رہیں۔ جو علاقہ جرمنی کے قبضے میں آجائے اسے مکمل تباہی و بربادی کے ذریعہ ان کے لئے بیکار بنانا ضروری تھا بلکہ چھاپہ مار اقدامات کے ذریعے جرمن فوج کے لئے اسے خطرناک بنائے رکھنا تھا۔ "نئے شوروی تصورات کے مطابق برقیانی جنگ کے شروع میں نہیں بلکہ جنگ کے آخری مراحل میں آتی ہے۔"[25] جب ۱۹۴۱ء میں اتحاد شوروی پر طوفان کی گھٹائیں چھا گئیں تو لوگوں کے ذہن ۱۸۱۲ء کی طرف منتقل ہو گئے اور لاکھوں کی زبان پر نپولین کا نام آنے لگا۔

یہاں جلا وطن، بدنام اور مقتول ٹراٹسکی کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔ وہ ہمیشہ آگاہ کرتا رہا کہ قاطع قسم کی تزویرات میں، جس کے مطابق ہر موقع کے لئے پہلے سے جوابات تیار رکھے گئے ہوں، شدید خطرات کا اندیشہ ہے۔ اس کے خیال میں انقلابی معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں لچک ہو اور موقع و محل کے مطابق تبدیلی کے امکانات موجود ہوں۔ اصول جنگ کے مطابق بھی یہ نظریہ زیادہ قرین مصلحت ہے۔ وقت ثابت کر چکا ہے کہ ٹراٹسکی کی رائے صحیح تھی۔

مگر سٹالن کی دیوآسا قابلیت اور اس کی بلند مقامی میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جرمن حملے کی وجہ سے جس عظیم پیمانے پر پس قدمی اختیار کی گئی۔ اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے فولادی اعصاب اور شیر جیسے دل کی ضرورت تھی۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے فیصلے سپہ سالارانہ انداز کے تھے۔ ان میں محض اپنے وقار یا ملک کی عزت ہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ ۳ جولائی ۱۹۴۱ء کو اس نے ریڈیو کے ذریعے قوم کو جو پیغام دیا۔ اس کو پڑھ کر ہیبت

۲۵۔ میکس وانر۔ "حملہ ۱۹۴۳ء میں کامیاب ہو سکتا ہے۔" (باسٹن ۱۹۴۲ء) ص ۳۵۔

سی پیدا ہوتی ہے۔ اس پیغام میں اس نے قوم کو چھاپہ مار قوم بن کر "جھلسی زمین" کی لڑائی لڑنے کی تلقین کی تھی۔ یہ پیغام عظیم الشان تھا، خوفناک اور پرہیبت۔ اور یہ تھی حقیقی جنگ۔

وہ کہتا ہے: "جب سرخ فوج کی وحدتوں کو پسپائی پر مجبور ہونا پڑے تو تمام ریل کے ڈبے اور انجن وہاں سے نکال لئے جائیں گے۔ دشمن کے لئے ایک ڈبہ، ایک انجن بھی نہ رہ جائے اور گندم کا ایک دانہ یا پٹرول کا ایک گیلن بھی اس کے استعمال میں نہ آسکے ۔۔۔۔ تمام کارآمد اشیاء جن میں دھاتیں بھی شامل ہیں اور خوراک اور ایندھن بھی، اگر وہ واپس نہ لائی جاسکیں تو انہیں وہیں برباد کر دیا جائے۔

"جن علاقوں پر دشمن قابض ہو چکا ہے وہاں پیدل، گھوڑ سوار اور موٹر سوار وحدتیں تعینات کی جائیں تاکہ وہ دشمن کو آگے بڑھنے کے بجائے اِدھر اُدھر مشغول رکھیں ۔۔۔۔ سڑکوں اور ریلوں کو برباد کریں، ٹیلیفون اور تار برقی کے تاروں کو تار تار اور جنگلوں کو نذرِ آتش کریں۔ رسلیات اور خوراک کے گوداموں کو تباہ و برباد کر دیں ۔۔۔"

کریملین کی زیر ہدایت اور نوجوان سپہ سالاروں کی قیادت میں سرخ فوج نے دور رس جنگی منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ ان سپہ سالاروں نے قیادت کے حقوق عین آتشیں لڑائی میں حاصل کئے تھے اور سپاہ کو ان پر اعتماد پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ شوروی فوار کا فعّال و شارع شوروی نقاد پروفیسر منز کے الفاظ میں "اپنے ملک کے ہر ہر انچ کے لئے لڑنا اور دشمن کا زیادہ سے زیادہ خون بہانا" ۔۔۔۔ تھا۔ اس کے معنے یہ تھے کہ کروڑوں انسانوں کو ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کرنا تھا۔ درحقیقت شوروی ریاستہائے متحدہ "ہتھیار بند قوم" کے نظریے سے اتنی قریب ہو گئی تھی کہ تاریخ ایسی مثال آج تک پیش نہیں کر سکی۔

(۷)

اب جبکہ جرمنی کو شکست ہو چکی ہے اور روس کے پڑوسیوں میں ایسا کوئی نہیں جو اس کا ہم پلہ ہونے کا دعوےٰ کر سکے یہ انتہائی مشکل ہے کہ مستقبل کی شوروی تدویرات کی پیش بینی کی جا سکے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس تدویرات کی اساس شوروی ریاستہائے متحدہ کے دفاع پر رکھی

جائے گی۔

وقت ہی بتا سکتا ہے کہ آیا سٹالن پیٹر اعظم کے مقابلے میں زیادہ روسی اور لینن کے مقابلے میں زیادہ اشتراکی تھا یا نہیں۔ روس کے پاس بنیادی قوت کے تمام لوازمات موجود ہیں اور وہ تمام اشیاء بھی جن سے جنگ لڑی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر دوسری قوموں کی چمک میں فرق آجائے لیکن شوروی ریاستہائے متحدہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ اس جنگ کے بعد بھی طاقتور رہیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیسویں صدی کے اختتام سے پہلے شوروی ریاستیں دنیا کی زبردست ترین طاقت بن جائیں۔ ایسی صورت میں ان کے اس طاقت کے استعمال پر بنی نوع انسان کے مستقبل کا انحصار ہوگا۔

پندرھواں باب

خطِ میجی نو اور لڈل ہارٹ

دفاع کا نظریہ

از۔ ارونگ ایم گبسن

جب ۱۹۳۹ء میں فرانسیسی قوم جنگ آزما ہوئی تو اس میں وہ جذبہ نہ تھا جو پہلی عالمی جنگ کے وقت نظر آیا تھا۔ جرمن حملے سے شروع میں اتنے شدید نقصانات ہوئے کہ فرانسیسی سپاہیوں میں دوبارہ حوصلہ پیدا نہ ہو سکا اور نہ ہی پس قدمی جوابی حملوں کا موجب بن سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کو ہار ماننا پڑی۔

جذب و شوق کے فقدان اور تقدیر پرستی کے اس رجحان کی دو وجوہ تھیں۔ ملک کا اندرونی سیاسی انتشار اور پہلی عالمی جنگ کے بھاری جانی نقصانات۔

جب ۱۸۷۰ء ۱۸۷۱ء کی جنگ سے تیسری جمہوریہ نمودار ہوئی تھی اور ملک کے دفاع کو از سر نو استوار کیا جا رہا تھا تو مجلسِ قانون ساز میں فوج کی تنظیم نو پر جو مباحث ہوئے تھے وہ شروع سے ہی سیاسی عوامل سے متاثر نظر آتے تھے۔ پرشیا نے ہتھیار بند قوم کا اصول مدنظر رکھ کر اپنی فوج کی تنظیم کی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب تک فرانس میں بھی اسی اصول پر عمل نہ کیا جاتا مستقبل میں بھی فرانس کا تحفظ یقینی طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف پیرس کے کمیون نے تھیئرس اور دوسرے بورژواؤں کو اتنا ہراساں بنا دیا تھا کہ وہ اِس اصول کو کلی طور پر قبول کرنے پر رضامند نہ تھے۔ قلیل المیعاد فوج جو اس اصول کے مطابق قائم ہوئی تھی اس قابل نہ تھی کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔

آخر کار ۱۸۷۳ء میں اس بات پر سمجھوتہ ہوا تھا کہ ہر سال جو بھرتی کی جائے اسے دو حصوں

میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ پانچ سال کی خدمت کے لئے اور دوسرا صرف چھ ماہ کے لئے فوج کی دو حصوں میں تقسیم اصل میں قوم کی تفریق کی آئینہ دار تھی۔ ریپبلکن اور رائلسٹ (جمہوری اور شاہ دوست) انہیں کو بعد میں ریڈیکل اور کنزرویٹو کہا گیا، یعنے بایاں بازو اور دایاں بازو۔

۱۹۰۵ء میں خدمت کی مدت گھٹا کر دو سال کر دی گئی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں اس میعادِ خدمت کے متعلق ردِعمل ہوا مگر چونکہ یہ خارجی اثرات کی تحت ہوا تھا اس لیے دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ اس سال کے آغاز میں جرمنی نے نئے عسکری قوانین کے ذریعے ایام امن کی فوج کی تعداد آٹھ لاکھ سے زائد کر دی۔ تعداد کے لحاظ سے جرمن فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے فرانس کو "سہ سالہ خدمت" دوبارہ اختیار کرنا پڑی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور پنج سالہ خدمت کو برقرار رہنے دیتے تو ملک کی گرتی ہوئی شرح تولید کی وجہ سے جرمنی کی سالانہ بھرتی کے مقابلے میں فرانس کی بھرتی بمشکل نصف تک پہنچ سکتی تھی۔ اس ردِعمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمان کے بائیں بازو نے اپنی مخالفت دوبالا کر دی۔ ۱۹۱۴ء کے انتخابات میں اشتراکیوں کے ووٹ بڑھ گئے۔ اس کامیابی نے انہیں اور بھی دلیر بنا دیا اور جب وہ ایوان میں آئے تو ان کا مقصد یہ تھا کہ "ہتھیار بندی کی بے وقوفانہ حرکت" کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں![1] نومبر ۱۹۱۸ء کی ۱۱ تاریخ کو جب جنگ ختم ہوئی تو انہوں نے "امن پسندی" کی جدوجہد از سرِ نو شروع کر دی۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ۱۸۷۲ء کے قانون کا دوبارہ نفاذ کیا جائے اور پوری فوج کی جبری خدمت کو کم کر کے چھ ماہ کر دیا جائے۔ ۱۹۱۳ء کی طرح اب بھی خارجی اثرات کی وجہ سے ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ جرمنی کے ساتھ تاوان کے معاملے میں اور روہر کے مسئلے میں اختلافات اس قدر شدید تھے کہ دایاں بازو کامیاب رہا۔ دونوں کے درمیان اختلافات شدید تھے اور عرصے تک جاری رہے۔ آخر جب سمجھوتہ ہوا تو جبری خدمت کی مدت ڈیڑھ سال کر دی گئی۔ ۱۹۲۴ء کے انتخابات میں "کارٹل گاشے" کامیاب نکلے اور ہیریٹ کی حکومت نے فوراً گذشتہ سال کے قوانین کو بدلنا شروع کر دیا۔ صرف یہی نہیں کہ خدمت کی میعاد کو کم کرنے کا فیصلہ کیا گیا بلکہ عساکر کے پورے نظام کو بدلنے کی کوشش شروع کی گئی تا کہ "ہتھیار بند قوم" کا اصول کما حقہٗ عمل میں لایا جا سکے۔

۱۔ ایل۔ شوشاں: "فرانسیسی فوج" (پیرس ۱۹۲۰ء) ص۔ ۲۷

ان نئے قوانین کا پس منظر ایک قسم کا عسکری ہنگامہ تھا جو فوج اور پوری قوم پر حاوی ہو چکا تھا۔ البتہ اس کا ظاہری سبب یہ تھا کہ فرانسیسی فرانک اپنی قدر کھو چکا تھا۔ اس سے افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں فی الحقیقت کم ہو چکی تھیں۔ سول کے ملازم اجتماعی کوشش یعنے ہڑتال وغیرہ کے ذریعے اپنی شکایتیں رفع کروا سکتے تھے فوج کے افسروں کو یہ مراعات حاصل نہ تھیں پا جب ۱۹۲۶ء میں پوئنکارے کو فرانک کی حالت سدھارنے پر مقرر کیا گیا تو بچت کے عمومی شوق نے فوج پر ایک بار پھر اثر ڈالا۔ افسروں کی تعداد گھٹا کر پانچ ہزار کر دی گئی۔ یہ کمی زیادہ تر اونچے عہدوں ہی کی گئی۔ فوج میں ترقی کے امکانات کم ہو گئے اور نوجوانوں نے اُدھر توجہ دینی چھوڑ دی نتیجہ ظاہر ہے۔ عسکری درسگاہوں سے جو مواد نکلا وہ بہت گھٹیا تھا۔ اب فوج کا رُخ صرف وہی لوگ کرتے جو کسی کام کے نہ ہوتے اور باقی کسی شعبے میں کھپ نہ سکتے تھے۔

مالی دقتوں کے علاوہ بین قومی معاہدوں کی کامیابی میں بھی ہر طرف قومی امید ظاہر کی جا رہی تھی۔ علاوہ ازیں معاہدۂ لوکارنو کے ایام میں جمعیت اقوامِ عالم کی قدر و منزلت بھی بہت بلند تھی۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے جو لوگ قلیل المیعاد خدمت کے حق میں تھے۔ ان کے پاس دلائل کی کمی نہ تھی۔ خدمت کی میعاد میں کمی کو قریب قریب سبھی نے تسلیم کر لیا تھا۔ فوج کے اعلیٰ افسر بھی اس لئے خاموش ہو گئے تھے۔ انہیں یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ فوج کے وقار کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور ان کے خلاف باقاعدہ تحریک شروع ہو چکی تھی۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ انہوں نے فرانس کو آڑے وقت میں بچایا تھا۔ اور آج انہیں یہ صلہ دیا جا رہا تھا۔ بائیں بازو کا جواب یہ تھا کہ ملک کو "ہتھیار بند قوم" کے اصول نے بچایا تھا اور پھر وہ کلیمنسیو کا مشہور قول دہرا دیتے کہ جنگ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اسے سپاہیوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ ملک کی عسکری تنظیم نے پرانے سیاسی حریفوں کو باہمی کشمکش کا پورا موقع دیا۔ دونوں کے اصول جدا تھے۔ ایک طرف قومی ملیشیا کے مداح تھے۔ جس میں کئی لاکھ تعداد کی فوج شہری باشندے حسبِ ضرورت تیار کر سکتے تھے۔ دوسری طرف پیشہ ور یا نیم پیشہ ور مگر تربیت یافتہ فوج کے قائل لوگ تھے۔ فرانس کی عسکری تاریخ دونوں اصول کے حق میں دلائل مہیا کر سکتی ہے۔ ایک طرف کانونشن کی نفیرِ عام کی مثال تھی جس نے انقلاب فرانس کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ مگر ساتھ ہی گمبیٹا کی قومی فوج بھی تھی جس نے جرمنوں کے

سامنے بری طرح ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کے بالمقابل نپولین کی پیشہ ور فوج کی مثال پیش کی جا سکتی تھی جس کے سامنے یورپ کی متحدہ فوجیں بھی نہ ٹک سکتی تھیں مگر یہاں بھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ نپولین ثالث کے چیدہ گارڈ سیڈان کے مقام پر نہایت بے عزتی سے پسپا ہوئے تھے۔

ان مباحث کا خاتمہ اس بنیادی اصول کے حق میں ہوا کہ قومی ملیشیا کے نصب العین کو مکمل کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدمت کی میعاد کم کر کے ایک سال کر دی گئی۔ اس کی وجہ سے ایام امن کی فوج میں فطری طور پر معتدبہ کمی کرنی پڑی۔

تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ ۱۹۱۳ء میں جرمن ہتھیار طاقت پکڑ چکے تھے اور فرانس سہ سالہ خدمت کے نفاذ پر مجبور ہو گیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جرمن ہتھیار بندی نے بازو کے پروگرام کو غلط ثابت کر دیا۔ اس پروگرام کے مطابق وہ فرانسیسی فوج کو سوئس ملیشیا کا ہم رنگ بنانا چاہتے تھے۔ اس کے خلاف فوج والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ جرمنی ہمیشہ برق رفتاری طرز کا حملہ کریگا۔ اس لئے ضروری تھا کہ سرحد پر مستقل محافظ فوج موجود رہے[۲]۔ حملے کے وقت یہ مستقل فوج دشمن کو روکے رکھے گی۔ اور اس کی پناہ میں لام بندی کا الجھا ہوا کام اندرونی علاقوں میں سرانجام دیا جا سکے گا۔

اس سے قبل تربیت سکھلائی، لام بندی، اور سرحدوں کی حفاظت تمامتر ایام امن کی فوج کے سپرد ہوتے تھے۔ اب اس نئے اسلوب نے تین مختلف تنظیمیں پیدا کر دیں۔ مستقل محافظ فوج، اس کے علاوہ ایک اور مستقل عنصر جس کے سپرد سالانہ داخلے کی تربیت اور سکھلائی کی گئی اور آخر میں وہ مستقل عملہ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ لام بندی کے منصوبے تیار کرے اور ایک ایسے نظام کا وجود قائم رکھے جس میں لاکھوں کی تعداد میں جب محفوظ فوج آنے لگے تو وہ سمائی جا سکے ان تینوں مستقل اداروں میں مختلف نوع اور درجوں کے پیشہ ور سپاہی شامل تھے۔

فرانس کی عسکری تنظیم کی شکل و صورت اب کچھ اس طرح کی ہو گئی تھی کہ اس کے پاس صحیح معنوں میں کوئی فوج نہ تھی۔ اس کے پاس صرف مستقل "سرحدی محافظ" تھے اور ان کے علاوہ دو لاکھ چالیس ہزار زیر تربیت رنگروٹ۔ جونہی ایک بھرتی پوری طرح تربیت حاصل کر لیتی تھی۔

۲۔ جنرل ڈیبنی "محافظ فوجوں کا مسئلہ" دے ماند مجلہ (۱۹۲۸) ص ۲۶۸-۲۹۴

واپس شہری زندگی کو لوٹ جاتی تھی اور دوسری بھرتی کی تربیت شروع ہو جاتی تھی۔ قبل از جنگ پرانے اسلوب کے مطابق یہ دستور تھا کہ تربیت یافتہ بھرتی کو ایک یا دو سال کے لیئے فوج کی صفوں میں روک لیا جاتا تھا۔ حقیقت میں ایامِ امن کی فوج ان ہی لوگوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ سپہ سالاروں کی رائے کے خلاف اس اسلوب کو ختم کیا گیا اور اس کے بعد سے پرانی اصطلاح کے مطابق فرانسیسی فوج صرف رنگروٹوں پر مشتمل ہونے لگی۔ یہ تھا وہ اسلوب جس پر پابند رہتے ہوئے ۱۹۳۹ء میں جنگ کا رُخ کیا گیا۔ کہنے کو اس کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ دونوں جنگوں کے درمیانی عرصے میں ملک کی گرتی ہوئی شرحِ تولید نے فرانس کو قلیل المیعاد خدمت پر مجبور کیا تھا۔[3]

قانون کے ماہر کچھ اور ہی کہتے تھے۔ ان کے خیال میں اس اسلوب نے فرانس کی فوج کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا بلکہ چار حصوں میں۔ اِس لئے کہ نوآبادیاتی فوج کی تنظیم جدا تھی اور اس میں خدمت کی میعاد دو سال تھی۔ یہ دو سال بھی کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ پہلا سال تو تربیت پر صرف ہو جاتا تھا۔ اور دوسرے سال میں بڑی مشکل سے عسکری رُوح سپاہی میں ڈالی جا سکتی تھی۔ اِس کے بعد وہ گھر لوٹ جاتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ فوج کی ضربی طاقت مفقود ہو چکی تھی۔ اس کا دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ دفاع پر اس قدر زور دینے سے فوج کا مہاجمی اور اقدامی جذبہ کچل دیا گیا تھا۔ اب فوج سے یہ امید نہ کی جا سکتی تھی کہ وہ آگے بڑھنے اور جنگ کو دشمن کی سرزمین تک لے جانے کی کوشش کرے گی۔

اِن دلائل میں بہت کچھ صداقت تھی اور ان کا جواب آسان نہ تھا۔ البتہ مہاجمی جذبے کی کمی فرانسیسی حکومت کے لیے پریشان کن نہیں تھی۔ پوری قوم اِس جذبے سے عاری ہوتی جا رہی تھی۔ انہیں تو صرف حملے سے حفاظت حاصل کرنے کی خواہش دامنگیر تھی۔ یہ خواہش اس وقت تک موجود رہی جب تک فرانسیسی فوج رائین لینڈ میں موجود رہی۔ جب بین قومی سمجھوتوں کی رو سے یہ فوج واپس بلانی پڑی تو فرانس کو محسوس ہوا کہ اب اس کے اور دشمن کے درمیان سے بہترین حفاظتی سد ہٹ چکی تھی۔

۳۔ مارشل پیتاں۔ ڈیو مانڈ مجلہ (۱۹۳۵) ص ۱۔۲۰

خطِ ماجینو کی تخلیق اسی "محافظ فوج" کے خیال سے پیدا ہوئی۔ ایک ایسا خیال جو باقی ممالک کی فوجوں میں ناپید تھا۔ اِس لیئے کہ مستقل سرحدی قلعوں کا نظریہ فرانس میں بہت پرانا تھا اور اس کا آغاز وابن سے ہوتا ہے۔ ۱۹۲۹ء کے عسکری بجٹ پر طویل بحثیں ہوئیں۔ انہیں بحثوں میں "شمالی سرحد کی قلعہ بندی" بھی شامل تھی۔ اس وقت ابھی "ماجینو" کا لفظ مستعمل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت پال پین لیو وزیرِ جنگ تھا اور ان دونوں خیالوں کا بانی وہی تھا۔ ماجینو کا تعلق اِس خیال سے صرف اتنا ہی ہے کہ جب "خطِ ماجینو" کے لیئے بالآخر رقم منظور کی گئی اس وقت وہ وزیرِ جنگ تھا۔

خطِ ماجینو کی ذہنیت کا ذکر نامکمل رہے گا اگر مارشل پیٹاں کے نام کے گرد ورڈون کا جو افسانوی ہالہ تیار کیا گیا تھا اسے شامل نہ کیا جائے۔ ورڈون وہ مقام تھا جہاں فرانس کو شکست سے بچایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ دفاع کے ذریعے ہوا تھا۔ اس کا دفاع ناقابلِ تسخیر ثابت ہوا تھا حالانکہ پیٹاں خود دفاع کے اصول کا قائل نہیں تھا۔ اس کے باوجود اسے دفاع کا زندہ مظہر بنا لیا گیا تھا۔[۴]

خطِ ماجینو کی ذہنیت نے رفتہ رفتہ فرانسیسی قوم سے قوتِ مردانگی زائل کر دی اور ہٹلر کے عروج کو ممکن بنا دیا۔ رائنلینڈ کا از سرِ نو مدفوع ہونا اور جرمنی کی دوسری جارحانہ کارروائیاں اسی ذہنیت کا نتیجہ تھیں۔ فطری بات تھی کہ فوج بھی ان خیالات سے متاثر ہوئی۔ اب فوج کے اندر بھی وہ صلاحیت نہ رہی تھی کہ وہ مہاجمی نظریات، اقدام یا دلیرانہ پالیسی کی تخلیق کر سکتی۔ جب دفاعی نظریے کو اس حد تک فروغ دیا جائے تو جمودی ذہنیت، سست رفتاری اور رسلیات کے اسلوب کا بے ڈھنگا پن ناگزیر بن جاتا ہے۔

اب فرانس کے عسکری نظریے کی اساس "فیری طاقت" کے پُر سحر لفظ پر مبنی ہو چکی تھی۔ در حقیقت یہ دفاع کا دوسرا نام تھا۔ "فیری طاقت" کے لیئے مختلف قسم کی رکاوٹوں کا آسرا ڈھونڈنا فطری بات تھی اور خطِ ماجینو اسی جستجو کا نتیجہ تھا۔

۴۔ جے۔ ایم۔ بارگیٹ۔ اپنے مضمون "مارشل پیٹاں کا افسانہ" میں اس خیال کو نہایت خوبی سے پیش کرتا ہے ملاحظہ ہو۔ ریویو ڈی پیرس۔ ۱۔ جنوری ۱۹۳۱ء۔ ص ۵۷۔ ۷۰

۱۹۱۴ء میں فرانسیسی فوج کے میدانی توپخانہ کے ساتھ وزنی توپخانہ موجود نہیں تھا۔ حالانکہ جرمن فوج کے ہر کالم میں وزنی توپخانہ میدانی توپخانے کی امداد کے لئے موجود ہوتا تھا۔ فیری طاقت کا پہلا سبق فرانسیسی افواج نے اس وقت سیکھا تھا جب جرمن وزنی توپخانے کے شدید فیری بند نے لاکھوں من سکہ فرانسیسی صفوں میں بکھیر کر عظیم اتلاف کرنا شروع کیا تھا جب ۱۹۱۶ء میں وردون کے مقام پر جرمنی نے از سر نو بہت بڑے پیمانے پر ہاجمہ شروع کیا تو فرانس کے اس نئے تیار کردہ وزنی توپخانے نے جرمن فوجوں کو منہ توڑ جواب دے کر فرانس کو بچا پایا۔ یہ دوسرا سبق تھا اور اسے فرانس نے ہمیشہ یاد رکھا۔

"فیری طاقت" معبود کا رتبہ حاصل کر چکی تھی[5] اور تو اور فوج کے ہوائی جہاز بھی توپ خانے کے متبادل سمجھے جانے لگے۔ اسی طرح ٹینک کا دائرہ عمل بھی "فیری طاقت" تک محدود کر دیا گیا[6]۔ یہ امید کی جاتی تھی کہ "فیری طاقت" دشمن کے دفاع کو مکمل طور پر تباہ کر دے گی اور اس کے بعد ہی فرانسیسی پیادہ حملے کے لئے آگے بڑھے گی۔ حرکت اور ناگہانیت کو فراموش کر دیا گیا۔

ڈی گال، فضائیہ کا ماہر رو گراں، جنرل ویلیپری، جنرل ڈویمیک اور پال رینا اور اس کے گروہ کے دوسرے ساتھی جوان سپاہیوں کی آرا کو پارلیمان میں پیش کیا کرتے۔ ان کی بحث بیکار جاتی اور وہ قومی ذہنیت کی سد سکندری کے خلاف کچھ نہ کر سکتے حملے کا نام لینا بھی گناہ سمجھا جانے لگا۔ دفاع کا ماہر شاوینو کہتا تھا کہ حملے کے لئے تین اور ایک کی اکثریت درکار تھی، بلکہ بعض حالات میں زیادہ بھی اور اسی مناسبت سے اتلاف بھی زیادہ ہونے کا امکان تھا[7]۔

جب دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو فرانس بحیثیت "قوم عظیم" ختم ہو چکا تھا۔ خط ماجینو کے نظریے کی وجہ سے وہ اب ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ جو عظیم الشان قوموں کے مضبوط کاندھوں پر ہوا کرتی ہیں۔

۵۔ ہیرسن "چارلس ڈی گال" (نیویارک ۱۹۴۱ء) ص ۔ ۲۱ ۔ ۲۳

۶۔ جنرل ایم بسکبارڈ نے سرکاری طور پر ٹینکوں کے تجربے کے متعلق کہا تھا۔ ملاحظہ ہو نیویارک سن ۔ ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء

۷۔ جنرل شاوینو کی کتاب دفاع پر ۔ ص ۱۳۱ ۔ ۱۳۲ ۔

(۲)

پہلی عالمی جنگ کے بعد برطانوی فوج کو ختم کر دیا گیا تھا اور محض ڈھانچہ سا قائم رہنے دیا گیا تھا۔ یوں بھی برطانیہ میں بحریہ کو ہمیشہ پہلی سروس کا درجہ دیا جاتا رہا ہے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد سے دوسرا درجہ فضائیہ کو دے دیا گیا تھا اور فوج کو آخری مقام عطا ہوا۔

یہ حالت فرانس کے عین مخالف تھی اور اس کی وجہ اساساً جغرافیائی تھی۔ برطانیہ نے اپنی پوری عسکری تاریخ میں پہلی بار جبری بھرتی اسی جنگ کے دوران شروع کی تھی۔ مگر جونہی جنگ ختم ہوئی جبری بھرتی موقوف کر دی گئی۔

فوج کو کم کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ عالمی جنگ کے بعد نوآبادیاتی فرائض کے سوا برطانوی فوج کو کہیں استعمال کرنے کے امکانات نہیں تھے۔ اس طرح کے اقدامات کے لیے چند پلٹنیں یا زیادہ سے زیادہ چند بریگیڈ کافی سمجھے جاتے تھے۔ صحرائی اور جنگلاتی خطوں میں پیادہ کے ہتھیاروں اور ہلکے میدانی توپخانے کے علاوہ کوئی وزنی ہتھیار استعمال بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ برطانوی رواج کے مطابق ملک کے اندر متعین فوج کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ سامراجی پولیس کے فرائض ادا کرنے والی نوآبادیاتی فوج کے رنگروٹوں کو تربیت دیتی رہے۔ اور یوں برطانوی سامراج کے استحکام کو کم نہ ہونے دے۔

جب جرمنی نے ہتھیار بندی کی رفتار تیز کر دی اور یورپ میں جنگ کے امکانات نظر آنے لگے۔ اس وقت بھی برطانوی فوج اپنے رواجی اسلوب کو خیرباد نہ کہہ سکی۔ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء کے قرطاسِ ابیض کے مطابق فوج اس قدر کم کی جا چکی تھی کہ عالمی جنگ سے قبل کی فوج سے بھی اکیس پلٹنیں کم تر تھیں۔

"شہنشاہِ معظم کی حکومت کا ارادہ ہے کہ پیادہ کی چار پلٹنیں کھڑی کرے۔ اس طرح امید ہے کہ ہماری سامراجی ذمہ داریوں کی وجہ سے جو پولیس کے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ان کی انجام دہی میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔"*

---

* ۔ دستاویزات اور رپورٹیں ۵۱۰۷ "دفاع سے متعلق رپورٹ" (لندن ۱۹۳۶ء) ص ۱۰

کارڈویل اسلوب کی طرف فوجی تنظیم کو لوٹانے سے ٹینک کور کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جنہوں نے ٹینک کی لڑائیاں لڑی تھیں انہیں ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا اور پرانے ٹینکوں پر نئے آدمی لگائے گئے۔ ٹینک کے نئے نمونے بنانے کے فرائض کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔

یہ حالات قریب قریب ویسے ہی ہیں جو فرانس میں پائے جاتے تھے۔ البتہ ہمیں کے عاشرے میں فرانس میں ایسا کوئی مصنف موجود نہیں تھا جو ٹینک کے نظریے کو فروغ دیتا۔ برطانیہ میں ایک نہایت ہی قابل اور ماہر موجود تھا جو اپنے گرد ایک نئے مکتبِ خیال کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ میجر جنرل جے۔ ایف۔ سی فلر تھا جو ۱۹۱۸ء میں رائل ٹینک کور کا چیف آف سٹاف ہوا کرتا تھا۔ اس نے متارکۂ جنگ کے بعد سے تن تنہا فوج میں مشینی رجحان کو عام کرنے کی تحریک شروع کر دی۔ اس کی سب سے بڑی کامیابی ۱۹۲۵ء میں واقع ہوئی۔ جب اس نے برطانیہ کے مشہور ترین عسکری مصنف کپتان بی۔ ایچ لڈل ہارٹ کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ کپتان لڈل ہارٹ جیسے آزاد خیال لوگوں میں اپنی تحریک پھیلانے میں جنرل فلر نے چنداں دقت محسوس نہ کی۔ بہت جلد ان لوگوں نے ان خیالات اور فوج کی خامیوں کی تشہیر شروع کر دی۔ اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جنرل ملن کے دور میں نیم دلی اور سست رفتاری سے چند اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔

برطانوی فضائیہ میں تیس کے عاشرے سے اوّلیں برسوں تک وہی ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے جو ٹینک کور میں موجود تھی۔ جو حال ٹینک کا تھا وہی ہوائی جہاز کا تھا۔ نئے ڈیزائن، تعمیر اور تنظیمِ عساکر کے سبھی اہم پہلو امن پسندی، ترکِ اسلحہ اور سیاسیات کی بھینٹ چڑھاتے جا رہے تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ فرانس اور برطانیہ میں ایک اہم فرق تھا۔ برطانیہ میں ہتھیاروں اور عسکری قوانین کو سیاسی اختلافات سے ہمیشہ خارج رکھا جاتا رہا ہے۔

برطانیہ میں ہتھیاروں کو جدید ترقیوں سے محروم رکھنے کی دوسری وجوہات تھیں کسی حد تک میکانیکیت میں کوتاہی کی وجہ یہی ذہنیت تھی جو فرانس میں موجود تھی[9]۔ اوّل تو تجارتی بحران نے برطانیہ کی مالیات کو تباہ کر دیا تھا۔ دوسرے لیبر حکومت کو یقین تھا کہ دنیا کا امن ترکِ اسلحہ کے

۹۔ ملاحظہ ہو۔ ایل کلائیڈ: قومی فوج۔

ذریعے حاصل ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے برطانوی فضائیہ کی معمولی ضروریات کی طرف سے بھی کوتاہی برتی۔ فوج کی حالت بھی چنداں بہتر نہ تھی۔

اسلحہ بندی کی از سرِ نو کوشش ۱۹۳۶ء میں شروع کی گئی۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ اوّل تو اس لئے کہ "لندن بحریہ ترکِ اسلحہ کانفرنس" کی بعض شرائط اسی سال سے نافذ ہو رہی تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ہٹلر نے معاہدۂ لوکارنو کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اور رائین لینڈ میں از سرِ نو عساکر کی تعیناتی شروع کر دی تھی۔ اس مرتبہ بھی برطانیہ نے پہلی توجہ بحریہ کی طرف دی۔ ایک خصوصی کمیشن مقرر کیا گیا جس کا فرض یہ تھا کہ بمبار طیارے کے مقابلے میں بیٹل شپ کے تنازع کے متعلق اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس خصوصی کمیشن نے یہ فیصلہ دیا کہ تمام شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ بحری پالیسی میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ "فیری طاقت" کی پرستش برطانوی بحریہ کے امیر البحر بھی اسی شدت سے کر رہے تھے جس طرح کہ فرانس کے سپہ سالار رود بارِ انگلستان کے اس پار وکھا رہے تھے۔"

جب ۱۹۳۱ء میں نو اسلحہ بندی شروع ہوئی تو بیٹل شپ کے بعد جس شے کی طرف توجہ دی گئی وہ فضائیہ تھی۔ اس کے برعکس ٹینک کو کسی طرح کی ترقی نہ کر سکی۔ صاف طور پر محسوس ہوتا تھا کہ فوج کے ارباب حل وعقد میکانیکیت کے متعلق فکرِ اسلوب کے سخت مخالف تھے۔ اس غیر معمولی ٹینک کمانڈر کو سبکدوش کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے کارآمد مشورے کی طرف مطلق توجہ نہیں دی جا رہی تھی۔ فوج سے علیحدہ ہوئے جب اسے پانچ سال ہو چکے تھے، اس نے اپنی کتاب ضوابطِ میدانِ جنگ جلد ۳ پر خطبات، یعنی مشین بردار قطار کے درمیان جنگ" شائع کی۔[۱۱] برطانیہ میں اس کتاب کے صرف پانچ سو نسخے چھاپے گئے البتہ روسی اور جرمن فوجوں میں یہ ہزاروں کی تعداد میں بانٹی گئی۔

آج تک اس کی صحیح وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ برطانوی فوج نے کیوں مشین برداری کو رد کر کے

۱۰۔ اس کمیشن کا فیصلہ فوجی دستاویز نمبر ۵۳۰۱ سنہ میں شائع کیا گیا تھا۔ اس پر یونائیٹڈ سروس نسٹی ٹیوٹ کے سہ ماہی مجلہ میں تفصیلی بحث کی گئی تھی۔ اس مجلہ کا آئندہ لفظ "روسی" سے حوالہ دیا جائیگا جلد ۸۲ (۱۹۳۷) ص ۴۰۹ - ۴۱۴

۱۱۔ لندن ۱۹۳۲ء

موٹر برداری کو قبول کیا اور ہلکے کُل رفل برداروں پر زیادہ زور دیا۔ ان کُل رفل برداروں کی ضربی طاقت بہت کم تھی مگر ان کے خیال میں اس کے بجائے ان کی حرکیت زیادہ قابلِ قبول تھی جرمن بکتر بند لشکر کے وزنی ٹینکوں کے مقابلے میں وہ محض دیا سلائی کی ڈبیا معلوم ہوتے تھے مگر جیسا کہ ان کے بہی خواہ کہتے تھے ان میں بھاگ نکلنے کی صلاحیت تھی۔ یوں ڈنکرک کا راستہ آسانی سے صاف کر دیا گیا تھا۔

سب سے اہم مسئلہ یہ نہیں تھا کہ فنیاتی ساز کس طرح کا ہو بلکہ وہ یورپ میں جنگ چھڑ جانے کی صورت میں یورپ بھیجی جانے والی فوج کی تعداد کا سوال تھا۔ جب ۱۹۳۶ء میں نو اسلحہ بندی کے متعلق مباحث گرم تھے۔ ان دنوں یونائیٹڈ سروس انسٹی ٹیوٹ نے اعلان کیا کہ انھوں نے برطانوی سمندر پار فوج کی تعداد کا مضمون سالانہ انعامی مقابلے کے لیے چنا ہے۔ یہ انعام کپتان جے سی سلیسر نے جیتا۔ اس کی رائے میں برطانوی سمندر پار فوج کی تعداد کم ہونی چاہیے۔ البتہ اسے تمام تر ماہر اور تربیت شدہ مشین بردار دستوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ مضمون نویس اور مدیر مجلہ دونوں نے اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی کہ برطانیہ کے عوام ٹڈی دل فوج کے سخت خلاف ہیں۔ یہ مختصر سی "سنہری تمغے" والی فوج تمام عسکری ماہروں اور مضامین لکھنے والوں نے پسند کی۔ اسے اس وقت کے برطانیہ کے تزویراتی رجحان کا آئینہ دار کہا جا سکتا ہے۔[۱۲]

"ٹائمز" کے ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ اکتوبر کے شماروں میں لڈل ہارٹ نے عسکری نامہ نگار کی حیثیت سے تین مضامین لکھے۔ ان مضامین میں اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ برطانیہ فوجی لحاظ سے آئندہ محدود ذمہ داری قبول کرے گا اور اس کے بجائے ناکہ بندی اور اقتصادی جنگ کی روایتی پالیسی پر عمل کرنا پسند کرے گا۔ جہاں تک براعظم یورپ کا تعلق تھا لڈل ہارٹ کے خیال میں دفاعی تزویرات سب سے بہتر تھی خصوصاً اس لیے کہ یہ برطانوی ذہنیت سے قریب تر تھی اور عملی طور پر اسے جارحی تزویرات پر فوقیت حاصل تھی۔ یہ تین مضامین بہت جلد بحث کا موضوع بن گئے اور سمندر پار تک ان کا اثر ہوا۔ فرانسیسی جنرل براکیر نے "ٹائمز" کو جواب روانہ کیا جس میں نہایت مدبرانہ مگر سخت الفاظ میں اس خیال کی مخالفت کی: "...... اگر جرمنی نے ہمارے

۱۲۔ "رُوسی" ۳۲ (۱۹۳۶ء) ص ۴۶۳۔۴۸۴

ملک پر حملہ کیا تو وہ کلی جنگ چھیڑ دے گا جس میں فرانس اور انگلستان کو اپنی تمام بری، بحری اور فضائی طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔[13]

برطانوی مصنفوں کی طرف سے احتجاج کی صدائیں بلند ہوئیں۔ فوجی سہ ماہی مجلہ نے اپنے اداریہ میں دفاعی نظریات کی فوراً تردید کی اور لڈل ہارٹ کے ہم خیال تنقید نگاروں کو دعوتِ سخن دی۔[14]

اس مکتبِ خیال کے قابل ترین لوگوں میں جنرل۔ ایچ۔ راون رابنسن بھی شامل تھا جسے فلر کے خیالات سے کلی اتفاق تھا۔ اس نے دو خیال پیش کیے۔ اول تو اس نے ہوائی جہاز کی پیش گوئی کی اور شاید اسی خیال سے ہانگ کانگ اور جبرالٹر کے اتصالی خطوط کی حفاظت پر زور دیا۔ وہ سابق توپچی تھا، اس لیے اس نے فیری طاقت کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے حرکیت کی اہمیت کو کم نہ کیا۔ یعنی ٹینک کی طرف داری کی۔ اس کے عملی ذہن نے لڈل ہارٹ کی دفاعی جنگ کے مشورے کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ نظریہ نہ تو عسکری کہلانے کا حقدار تھا اور نہ ہی یہ برطانوی تھا۔

اس دور میں برطانیہ کا بہترین تنقید نگار وی۔ ڈبلیو۔ جرمین تھا۔ دفاع اور حملے کے اس مباحثے سے قبل اس نے مختلف رسالوں میں کئی مضامین شائع کیے تھے۔ اس کی کتاب "جنگ میں مشین برداری"[15] کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ عالمی جنگ پر اور خصوصاً کیمبرے اور امیاں کی ٹینک کی لڑائیوں پر یہ بہترین ہے۔ اس نے "سائنسی مکتبِ خیال" کی یک طرفہ آرا پر افسوس ظاہر کیا اور جنرل کریگ، جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوج کا چیف آف جنرل سٹاف تھا، اس کے قول کو اپنا شعار ظاہر کیا۔ یہ خیال اس نے سپین کی خانہ جنگی کے دوران ظاہر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا "فیصلہ کن عامل اب بھی پیادہ ہے۔ نئے ہتھیار پیدل آدمی کو مدد دے سکتے ہیں اس کا عوض نہیں بن سکتے۔"

۱۳۔ سے ٹیمپس۔ ۴ جنوری ۱۹۳۸ء۔ فوجی سہ ماہی مجلہ میں نقل کیا گیا۔

۱۴۔ فوجی مجلہ۔ ۲۵ (۱۹۳۸ء) ۲۰۰-۲۰۲

۱۵۔ لندن ۱۹۳۶ء

عسکری مضامین پر لکھنے والوں میں سے جرمین ہی ایسا شخص تھا جس نے حالات کا صحیح جائزہ لیا۔" دس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا کہ برطانیہ کے عوام کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ وہ لڑائیاں لڑنے اور دشمن کو شکست دینے کے علاوہ باقی ہر بات پر اپنا عقیدہ مضبوط رکھیں۔" اس نے جبری بھرتی اور بڑی فوج کی تنظیم کا تقاضا آخر تک جاری رکھا۔

برطانوی ذہن کا صحیح ترجمان لڈل ہارٹ تھا۔ اس نے فلر کے نظریات کو ابھی خیرباد نہیں کہا تھا اور ٹینک کا قائل تھا۔ البتہ وہ برطانوی فوج کے نئے مدرع لشکروں کو فرانس میں استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا اور انہیں بائیں ملکوں اور مشرق وسطی میں تزویراتی محفوظات کے طور پر ملک کے اندر رکھنا چاہتا تھا۔ میونخ کے بعد اس نے اپنے اِس نظریئے میں تبدیلی کی جو اس نے ۱۹۳۷ء میں ٹائمز والے مضامین میں پیش کیا تھا اور کہا کہ سوائے فنیاتی فوجوں کے سمندر پار کچھ نہ روانہ کیا جائے۔ وضاحت پیش کرتے ہوئے اس نے کہا کہ فرانسیسی عزم کو قائم رکھنے کے لیے تین مدرع لشکر فرانس روانہ کر دیئے جائیں مگر یہ شرط طے ہونی چاہیئے کہ انہیں جارحانہ مہم میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔[16] ان لشکروں کو حرکی محفوظہ کے طور پر رکھا جائے تاکہ جوابی فضائیہ کے ساتھ رابطہ کر کے استعمال میں لائے جا سکیں اگر اس کا یہ خیال قبول کیا جاتا تو شاید وہ جرمن اقدامات میں حارج ہو سکتے اور مئی ۱۹۴۰ء میں فیصلہ کن نتائج پیدا کر سکتے البتہ جیسا کہ خود لڈل ہارٹ نے کہا ہے۔ برطانیہ کے پاس صرف ایک مدرع لشکر تھا اور وہ بھی فرانسیسیوں نے سام کے مقام پر ضائع کر دیا تھا۔[17]

ان خطرناک کوتاہیوں کی وجہ کیا تھی۔ اس کا جواب شاید لڈل ہارٹ کے شائع کردہ رسالے میں مل سکے۔ ۱۹۴۰ء میں اس نے اپنی بریت میں کہا تھا "مسٹر ہور بلیشا کے وزیر جنگ مقرر ہونے کے بعد یہ احکام جاری کیے گئے تھے کہ جن افسروں کا اس کے ساتھ ملنے کا امکان تھا۔ انہیں کہا جائے کہ وہ فوج کی تنظیم نو کے متعلق اس کے سامنے کسی قسم کی تجویز پیش نہ کریں اور نہ ہی مشین برداری کو بڑھوانے کی کوشش کریں۔[18]"

۱۶۔ "امپائر کا دفاع" پندرہ واڑہ ریویو۔ ۱۴۲ (۱۹۳۸) ص۔ ۲۰۔ ۳۱

۱۷۔ "حرکیاتی دفاع" از لڈل ہارٹ (لندن ۱۹۴۱ء) ص ۳۰۔ ۳۵

۱۸۔ ایضاً۔ ص۔ ۳۶

فوجی سہ ماہی مجلہ نے جب لڈل ہارٹ کی کتاب "حرکیاتی دفاع" پر تنقید کی تو اس بریت کو رد کیا اور تمام الزام لڈل ہارٹ پر عائد کیا کیونکہ وہی ایسا شخص تھا جو ہر وقت ہور بلیشا کے پہلو میں موجود رہتا تھا۔[19]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لڈل ہارٹ خود بھی ذہنی طور پر الجھن سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا تھا پولینڈ میں نازی برق تازی کی کامیابی کے بعد اور ایسے وقت جب حملے کی برتری ثابت ہو چکی تھی لڈل ہارٹ نے ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک مقالہ شائع کیا۔[20] اس میں بھی اس نے دفاع کی برتری کی بین بجانے سے احتراز نہ کیا۔ صرف اتنا کیا کہ اپنے نظریے کو مشروط بنا دیا اور کہا کہ "جہاں حرکیت کے لئے وسعت موجود نہ ہو" وہاں دفاع کو برتری حاصل ہے۔ اس نے اپنے بدبختانہ خیالات کا دامن اس بری طرح پکڑ رکھا تھا کہ اس مقالے میں اس نے حکومت کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ آئندہ عسکری جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ حملے کی طرف ہرگز رجوع نہ کرے گی۔ اس کے خیال میں اتحادی فوجوں کا غیر عملی رویہ صرف اسی طرح کے اعلان سے نکتہ چینی سے بچ سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا نظریہ جس میں دفاع کو اس قدر فوقیت دی گئی تھی اور اس قسم کی ذہنیت کے نتائج پوری جنگ پر برا اثر ڈالنے کے ذمہ دار ہوئے ہوں گے۔ اس کا نتیجہ بھی مخفی نہیں رہنا چاہئے تھا۔ ان کوتاہیوں کے دھبے دھونے کے لئے بے انداز خون پسینہ اور آنسو بہانے پڑے۔

جنگ کے شروع میں چھوٹی سی سمندر پار فوج فرانس روانہ کی گئی جسے تزویراتی محفوظہ کی شکل میں خطِ ماجینو سے بہت پیچھے رکھا گیا۔ لڈل ہارٹ کا مشورہ بھی یہی تھا جب ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء کو جرمن حملہ شروع ہوا تو یہ برطانوی فوج نہایت تیزی سے آگے بڑھی اور بیلجیم کے شگاف کو پر کرنے کی کوشش کی۔ آرڈینز کے جنگل کی طرف، جس کے بیچ میں سے آگے بڑھ کر جرمن دفاعی خط کو سیڈان کے مقام پر توڑنے کی کوشش کر رہے تھے مطلق توجہ نہ دی گئی۔ لڈل ہارٹ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ جنگل اتنا گھنا اور وہاں کی زمین اتنی غیر ہموار ہے کہ بڑے پیمانے پر وہاں اقدامات

۱۹- فوجی سہ ماہی مجلہ - ۴۱ - (۱۹۴۱) ص ۳۸۰

۲۰- اس کی کتاب "موجودہ جنگ" میں شامل ہے۔

ناممکن ہیں[۲۱] فرانسیسی نظریہ بھی یہی تھا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید بلجیم کے ماہر بھی ان کے ہم خیال تھے

برطانوی فوج میں صحیح قسم کے ساز و سامان کی بھی کمی تھی اور درست نظریات کی کمی میں تو کسی قسم کا شائبہ ہی نہیں تھا۔ محدود ذمہ داری اور دفاع پر شدت سے اصرار کی وجہ سے ڈنکرک کا راستہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی صاف ہو چکا تھا۔ البتہ اس غلط روی کا ذمہ دار صرف لڈل ہارٹ کو قرار دینا غلط ہو گا خصوصاً اس لئے کہ وہ ان نظریات کا بانی نہیں تھا۔ اس نے تو محض ان کو ملک کے سامنے پیش کیا تھا۔ چونکہ اس وقت اپنے ملک کے عسکری مشہرین میں اسے اولیت کا مقام حاصل تھا۔ اس لئے ذمہ داری کے لحاظ سے بھی اس کا نام سر فہرست نظر آتا ہے

ظاہر ہے کہ مغربی یورپ کے دو بڑے جمہوری ملکوں میں دفاعی نظریات کی موجودگی اس وجہ سے نہیں ہوئی تھی کہ چند بزدل سیاست دان یا تنگ نظر متخصص ان خیالات کو اپنے ملک کی پالیسی قرار دلوانا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جمہوریتوں کی آبادی اپنی تہذیب کی برتری کے زعم میں یا یوں کہئے کہ اس کے اثر کے تحت جنگ کی تباہ کاریوں سے متنفر ہو چکی تھی۔ مزید برآں پہلی عالمی جنگ میں مکمل فتح نے ان میں غلط قسم کی خود اعتمادی اور دفاع کی کامیابی میں محکم یقین پیدا کر دیا تھا۔ جنگ کے بعد یہ خیال کیا گیا کہ نئے انداز اور نئے ہتھیاروں سے دفاع کی کامیابی پہلے سے بھی زیادہ یقینی ہو جائے گی۔ مالی مشکلات، سماجی توازن کا بگڑنا اور امن پسندی کی رَو نے ماسوا چند مقبول نظریات کے باقی عسکری مسائل پر غور و فکر ناممکن بنا دیا تھا۔ اگر کسی قسم کی تبدیلیوں کا مشورہ پیش بھی کیا جاتا تو ان پر عمل کرنے کے لئے قوتِ ارادی کا فقدان بھی تو موجود تھا۔ جمہوری اداروں کا انحصار عوام کی مرضی پر ہوتا ہے۔ جب عوام کے اندر زورِ حرکت پیدا کرنا ہو تو وقت درکار ہوتا ہے اور زورِ حرکت پیدا ہو چکنے کے بعد اگر اس کا رُخ تبدیل کرنا پڑ جائے تو لامحالہ تاخیر

۲۱۔ "برطانیہ کا دفاع" (لندن ۱۹۳۹ء ص ۳۸۱ اور "دفاع کے طریقے" والا پورا باب)

ہو جایا کرتی ہے اور یہی تاخیر قوموں کی زندگی میں مہلک ثابت ہوتی ہے۔ جب جمہوریت کے خلاف چالاک اور مستقل مزاج دشمن میدان میں آجاتا ہے تو اس کی سب سے بڑی خامی یہی تاخیر اور کوتاہ نظری ہوا کرتی ہے ؏

سولھواں باب

جغ سیاسیات

ہاشوفر

ان ڈروینٹ وٹل سی

جغ سیاسیات روح عسکریت کی تخلیق اور جنگ کا آلۂ کار ہے۔ یہ بیک وقت جغرافیے اور سیاسیات کی شاخ ہے، گو اس کے بانی اور پروان چڑھانے والے عام طور پر جغرافیہ دان ہی ہوتے ہیں بعض اوقات اسے سیاسی جغرافیہ کی جوڑواں شاخ بھی کہا گیا ہے مگر یہ عمر میں اس سے بہت کم ہے۔ اس کی پیدائش کا زمانہ دونوں عالمی جنگوں کا درمیانی ہنگامہ خیز عرصہ ہے۔

(۱)

جغ سیاست کی ابتدا اور خصوصاً اس کے نام کی تخلیق سے بہت پہلے سے وسطی یورپ کی اقوام اور خصوصاً جرمنی کے لیے جغرافیہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ جدید سائنس کی حیثیت سے اس نے اپنی شکل وصورت جرمنی میں پائی جہاں وہ فلسفیانہ اور سائنسی فکر کی ایک شاخ کا مقام حاصل کر چکا تھا۔ اور جس کی ابتدا کو ایمانوئیل کانٹ کے افکار کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔[۱]

کہا جا سکتا ہے کہ باقی مضامین کی نسبت جغرافیہ اپنے گردوپیش سے بہت زیادہ رنگ لیتا ہے۔ اس لیئے فطری بات تھی کہ جرمن جغرافیہ دان جو اپنے ملک کی سیاسی کشمکش، اتحاد اور توسیع کے ہنگاموں کے درمیان اپنے کام میں منہمک رہتے تھے۔ سیاسی جغرافیے پر خاص طور سے توجہ دیتے۔

۱۔ "جغرافیہ کی نوعیت" (لنکاسٹر، پا۔ ۱۹۳۹ء) باب دوم

جب انیسویں صدی اختتام کو پہنچی جرمنی کا بحری طاقت میں بڑھتا ہوا شوق اس کے پرانے زمینی وسعت کے شوق کے ہم پلہ ہو گیا۔ اس وقت سب سے پہلے جغرافیہ دان فریڈرک ریٹزل نے سیاسی جغرافیہ کا مطالعہ سائنسی طریقوں پر شروع کیا۔ اس نے اپنی کتاب "سیاسی جغرافیہ"[2] میں جنگ کو سیاست اور جغرافیہ کا اہم پہلو قرار دیا۔ اس کی سائنسی طبیعت کا تقاضا تھا کہ وہ سیاسی واقعات کو ان کے جغرافیائی پس منظر میں دیکھتا۔ اس نئے زاویہ نگاہ میں اس نے کسی خاص قوم کے واقعات کو اپنے سامنے نہیں رکھا تھا۔

زندگی کے آخری ایام میں اس نے سائنسی جغرافیہ کی راہ چھوڑ کر عمومی جذبات کے تحت جرمنی کی بحری طاقت پر غور کرنا شروع کر دیا۔[3] یہ درست ہے کہ اس کی یہ تبدیلی سیاسی جغرافیے اور سیاسی وفاداری کا تصادم پیدا کرتی ہے مگر یہ امر ریٹزل کو جغ سیاستدان نہیں بناتا باوجودیکہ ریٹزل جغ سیاستدان نہیں تھا اس نے جغ سیاسیات کی غیر شعوری طور پر امداد ضرور کی اس لئے کہ جغ سیاستدانوں نے اپنے اسلوب کی تکمیل کے لئے اس کے نظریات سے بہت کچھ استفادہ کیا۔

ان نظریات میں شاید سب سے زیادہ پُر اثر اس کا یہ خیال تھا کہ ریاست کسی حد تک ایک زندہ شے ہے۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جغرافیائی اور سیاسی ساخت کو نباتاتی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جغ سیاستدان بعد میں سیاسی اور نباتاتی زندگی کے بنیادی فرق کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اپنے اسلوب کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی کہ ریاست ایک زندہ شے ہے۔

دوسرا بنیادی خیال جو ریٹزل کے ہاں موجود ہے وہ یہ نظریہ ہے کہ ہر سیاسی گروہ ایک "جگہ" سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ خیال بھی جغ سیاستدانوں نے خوب اپنایا اور اسے "جائے ماندن" یعنے زندہ رہنے کی جگہ کا نیا نام دیا مگر جس طرح انہوں نے اس خیال کو وسعت دی اس کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے یہاں بھی ایک مفروضہ قرار دیا یعنے ہر قوم کو حق ہے کہ اپنے رہنے کی جگہ پیدا کرے۔ حالانکہ جہاں تک ریٹزل کا تعلق تھا۔ اس نے ریاستوں کے مابین تعلقات

۲۔ (میونخ۔ برلن ۱۸۹۷ء طبع ثالث ۱۹۲۳ء)

۳۔ "Flottenfrage and Weltfrage" از کلیین سہر حقن (میونخ برلن ۱۹۰۶ء)

کو مخصوص جگہ میں رہنے والی وحدتوں کے خیال سے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

ریٹزل نے جغرافیائی افکار پر گہرا اثر کیا، صرف وسطی یورپ میں ہی نہیں بلکہ انگریزی زبان بولنے والی قوموں میں بھی۔[4] اسے متفقہ طور پر سیاسی جغرافیے کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اسے جغ سیاسیات کا پیش رو کہا جا سکتا ہے بانی نہیں کہا جا سکتا۔

جب ریٹزل اپنی تصنیف کو دہرا کر دوبارہ شائع کر رہا تھا اسی وقت انگریز جغرافیہ دان ایچ میکینڈر اپنے زمانے کی ریاستوں کی طاقت کی سیمابی کیفیت کا خیال پیش کر رہا تھا۔ اس نے ماہن کے نظریات کی تردید کی اور دلائل میں ان مخالف قوتوں کی مثالیں پیش کیں جو دنیا کے سمندروں میں برطانوی طاقت کے لیے خطرناک ثابت ہو رہی تھیں۔

جنگ کی وجہ سے سیاسی جغرافیہ دانوں کی معلومات عملی سیاسیات میں شامل کی جا رہی تھیں۔ ایک لحاظ سے اسی کو جغ سیاسیات کہا جا سکتا ہے۔ میکینڈر نے ۱۹۰۴ء میں "قلبی دنیا" کا جو نظریہ پیش کیا تھا۔ اسے جرمن جغ سیاستدان اپنے تصرف میں لے آئے۔ جو شکل اسے ان جرمن جغ سیاست دانوں نے دی وہ اس لحاظ سے دنیا کی تنظیم کا اہم اسلوب بن گیا۔

پہلی عالمی جنگ کے اوائل میں برطانوی جغرافیہ دان جیمس فیرگریو نے ایک کتاب شائع کی جسے "جغرافیہ اور دنیا کی طاقت" کا معنی خیز نام دیا۔[5] آخری باب میں مصنف "یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تغیر یا ترقی کے امکانات موجود ہیں یا نہیں۔[6]" سویڈن کے سیاسی سائنسدان ریوڈالف کجلن نے اسی زمانے میں اخذ معاصر طاقتوں کے حالات کا مطالعہ شائع کیا۔ دو ہی سال بعد کجلن نے اپنا سیاسی اسلوب شائع کیا جس میں وہ ریاست کو زندہ شے سے تعبیر کرتا ہے۔[7] مصنف سیاست کی پانچ قسمیں بتاتا ہے۔ جن میں ایک کو جغ سیاست کا نام دیتا ہے۔[8]

۴۔ ہارٹ شورن۔ ص۔ ۲۹۰-۲۹۷

۵۔ لندن ۱۹۱۵ء۔ نیویارک ۱۹۱۷ء۔ اضافہ کے ساتھ ۱۹۴۲ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔

۶۔ ۱۹۱۷ء کا ایڈیشن۔ ص ۳۳۰

۷۔ ریوڈالف کجلن "Staten Som Lifsform" (اسٹاک ہوم ۱۹۱۶) جرمنی میں ترجمہ کیا گیا۔

۸۔ ایضاً۔ ص ۴۳۔ جرمن ایڈیشن۔

جس طرح اس کی تعریف کی گئی ہے اس سے یہ قسم سیاسی جغرافیے کی مترادف ظاہر ہوتی ہے وہ ریاست پر اس طرح بحث کرتا ہے جیسے وہ کوئی زندہ شے ہے اور ریٹزل کے اصول کو یوں مدنظر رکھتا ہے جیسے وہ کوئی بنیادی اصول ہو یا قانون قدرت۔ اس نے جغ سیاسیات کو محض نام ہی نہیں دیا بلکہ "جگہ" کے تصور کو بھی پیش کیا جسے بعد میں نازی پالیسی میں اہم مقام حاصل ہؤا خصوصاً "آتارکی" کے عنوان کے تحت۔ جرمنی کے وہ جغرافیہ دان جو جرمنی کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں دیکھنا چاہتے تھے انہوں نے کجلن کے افکار اور اس کی اصطلاحات کو بیدریغ استعمال کیا۔

(۲)

عسکری معاملات میں دلچسپی جرمنی کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی مشرقی جرمنی کی ریاستوں کی ابتدا اس وقت ہوئی تھی جب غیر جرمن غول یوریشیا کے وسط سے نکل کر مغرب کی طرف دباؤ ڈال رہے تھے۔ صدیوں کی کشمکش اور جنگی ماحول نے اس خطے میں عسکری انداز کی ریاستوں کا وجود قائم کیا۔ یہی نہیں بلکہ یہاں کے باشندوں کے ذہن میں بھی عسکریت کو اولیت کا مقام حاصل ہوگیا۔ یہ حالت سب سے پہلے پرشیا میں ظاہر ہوئی تھی اور پھر باقی ماندہ جرمن ریاستوں کا رجحان بھی اسی طرف ہوگیا۔

تجارتی، صنعتی اور زراعتی انقلابات جنہوں نے یورپ کے اقتصادی اور سیاسی نظام کو جدید رنگ دیا وہ بویریا اور ایلب سے اس پار کے پرشیائی علاقے تک نہ پہنچ سکے۔ سوائے سلیشیا کے آخری کونے کے ان خطوں میں دھاتوں کا وجود نہیں تھا۔ بویریا کی طرح پرشیا بھی چاروں طرف سے دوسری ریاستوں سے گھرا ہؤا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مشرقی جرمنی کی ریاستوں نے بڑھتی ہوئی بحری تجارت کے اثرات کو محسوس نہ کیا۔

اس کے برعکس انیسویں صدی میں مغربی جرمنی کے خطوں میں سائنس کا "استعمال" صنعت، رسل و رسائل اور زراعت میں از حد فائدہ مند ثابت ہؤا۔ اس ترقی کا راستہ ان انقلابی تصورات نے صاف کیا تھا جو نپولین کی فتوحات کے ساتھ ساتھ مغربی جرمنی میں داخل

ہوئے تھے۔ اس کے برعکس پرشیا نے اِن خیالات کو دشمن کا پروپگنڈا کہہ کر نہایت سختی سے رد کیا تھا۔

یہ بات تعجب خیز ہے کہ سماجی نظام اور ذہنی ساخت میں پرشیا رجعت پسند ہونے کے باوجود نپولین سے بعد کے پچاس سال میں پورے جرمنی کا حکمران بننے میں کامیاب ہوگیا۔ البتہ اس کے نتیجے میں جو کشمکش پیدا ہوئی اس نے بالآخر سمجھوتے کی صورت اختیار کی۔ مغرب کو مصنوعات پر تحفظی محاصل، سمندر پار تجارت میں حکومت کی امداد اور بہت بڑا بحری بیڑہ دے دیا گیا۔ مشرق کو زراعت کا تحفظ، بہت بڑی فوج، اور حکمران طبقے کے جاگیرداروں کو حکومت میں حصہ عطا ہوا۔ ۱۸۷۱ء کے اتحاد اور پہلی عالمی جنگ کے درمیانی عرصے میں جرمنی نے دو منزلیں طے کیں۔ پہلے بیس سال تو سیاسی اور اقتصادی نظام کو محکم کرنے میں صرف ہوئے۔ بعد کی ربع صدی میں جرمنی نے جارحانہ ارادوں کا اظہار اور مشرق کی جانب توسیع کی خواہش ظاہر کی بلکہ بحرِ اوقیانوس اور دنیا کے باقی سمندروں میں بحری طاقت پیدا کرنے اور سمندر پار نو آبادیات حاصل کرنے کی کوشش میں یہ عرصہ صرف کیا۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد کچھ عرصہ تو جرمنی میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ یورپ کے نو کشیدہ نقشے میں ردوبدل پیدا کر سکے۔ اس کے باوجود جرمنی کے اندر جو طاقتور حلقے تھے وہ اپنی آرزو کے نقشوں کے خاکے تیار کرنے میں منہمک رہے۔ ۱۹۲۵ء میں ہنڈنبرگ کا صدر چن لیا جانا اس بات کی دلیل تھی کہ اب جرمنی کی قومی حکومت دوبارہ مشرقی پرشیا کے زمینداروں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ بوڑھا سپہ سالار عسکریت کا علمبردار تھا۔ ۱۹۱۹ء کے اختتام سے قبل ہی جنرل سٹاف پھر معرضِ وجود میں آچکا تھا اور معاہدۂ ورسائے کے خلاف اپنا کام کر رہا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں فوج کی جبری بھرتی کے ساتھ ساتھ جنرل سٹاف بھی سرکاری طور پر دوبارہ قائم کر دیا گیا۔

اب جنگ کے دوران آبادی کی اکثریت جنگ سے کسی نہ کسی صورت براہِ راست متعلق ہوتی ہے۔ اِسی لئے اب اسے کلی جنگ کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح اب جغرافیے کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ زمین کے نشیب و فراز سے پیدا کردہ تدبیراتی مسائل یا عسکری اقدامات کے تزویراتی منصوبوں میں مددگار ثابت ہو بلکہ اس کا میدان اب بہت بڑھ گیا ہے۔ اب اس کے دائرے

میں تمام ایسے ممالک کے قدرتی وسائل شامل ہیں جن سے جنگ چھڑ جانے کا امکان ہو۔ اس میں ان تمام کارخانوں کے قائم کرنے کے منصوبے شامل ہیں جنہیں جنگی سازوسامان تیار کرنا ہے بلکہ اب جغرافیہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جنگ جاری رکھنے کے لئے کون کون سی سائنسی ایجادات کی ضرورت ہوگی اور کن ایجادات کے ذریعے ملکی وسائل کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ جرمنی پہلا ملک تھا جسے یہ احساس ہوا کہ سیاسی تدبیرات جنگ کا اہم حصہ ہے اور مزید یہ کہ اس کی اساس جغرافیے پر قائم ہے۔ جُغ سیاسیات کو اسی لئے ترقی دی گئی کہ ہتھیار بند جرمنی کو جغرافیے کے توسط سے ہر ممکن مدد حاصل ہو سکے۔

(۳)

ہاشوفر کا زمانہ جرمنی کی تاریخ کے اہم ترین دَور کا زمانہ ہے۔ ہاشوفر کو جرمن جُغ سیاسیات کا بانی اور مرکزی شخصیت کہا جا سکتا ہے۔ اس کی پیدائش فرانسیسی جرمن جنگ کے وقت میونخ میں ہوئی۔ اس کا خاندان کئی پشتوں سے زمیندار تھا مگر آخری دو تین نسلیں شہر کے اوسط طبقہ کی زندگی اور ملازمت اختیار کر چکی تھیں۔ مقامی مدرسے سے ۱۸۸۸ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ فوج میں داخل ہو گیا جہاں اس نے بہت جلد قابلیت کے جوہر دکھائے۔ انسان کی زندگی میں یہی ایام شخصیت کو ڈھالتے ہیں۔ اس نے ان برسوں میں جغرافیے سے دلچسپی لینی شروع کی۔

۱۹۰۹ء میں اس نے مشرق کا سفر کیا۔ وہ لکھتا ہے: "جب میں طویل رخصت پر ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے سفر پر جا رہا تھا مجھے حکم ملا کہ دو سال کے لئے جاپان کی شاہی فوج کا مطالعہ کروں"۔ اس سفر کا خاصا حصہ جنوب مشرق پر مشتمل تھا۔ ۱۹۱۱ء کی گرمیوں میں وہ سائبیریا کے راستے وطن لوٹا۔ جرمنی پہنچنے پر اسے دوبارہ سٹاف کالج روانہ کیا گیا تاکہ اپنے غیر ملکی سفر کے تجربات پر تقاریر کرے۔ اس کے بعد وہ پلٹن میں تعینات ہوا اور پھر "طویل رخصت" پر چلا گیا۔ یہ رخصت ۱۹۱۲ء سے شروع ہو کر جنگ کے آغاز تک جاری رہی، جب اسے واپس بلا لیا گیا۔

رخصت کے دو برسوں میں اس نے جاپان پر دو کتابیں شائع کیں۔ پہلی کتاب کو "عظیم جاپان" کا نام دیا۔ دوسری کتاب میونخ یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے سامنے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کی گئی۔ ۱۹۱۴ء میں اسے جغرافیہ، طبقات الارض اور تاریخ میں یہ ڈگری عطا کی گئی۔

اس کی ان پہلی کتابوں میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جغرافیہ دان اور سپاہی کی دلچسپیاں ایک ہی نکتے پر مرکوز ہو رہی ہیں۔ یہ سیاح سپاہی جاپان کے جغرافیے پر سائنسی بحث کا آغاز ہرکلیٹس کے اس قول سے کرتا ہے: "جنگ ہر شے کا منبع ہے۔" جغرافیائی مسائل پر عسکری انداز سے غور کرنا تو اس نے آخر ایام تک ترک نہ کیا۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عسکری جغرافیہ ہاشوفر کی ایجاد ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علم کی یہ شاخ اتنی ہی پرانی ہے۔ جتنا کہ فوجوں کا وجود۔ جنگ کی تزویرات اور تدبیرات کو ہر موقع اور ہر علاقے میں طبعی حالات اور گرد و پیش کا تابع ہونا پڑتا ہے۔

(۴)

متارکۂ جنگ اور صلح کے معاہدوں کی رُو سے پہلی عالمی جنگ کے بعد جرمنی کی فوج کو گھٹا کر پولیس کے درجے تک لایا گیا تھا اور اس کے جنرل سٹاف کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اپنے کئی ساتھیوں کی طرح ہاشوفر بھی جب جنگ سے لوٹا تو وہ سپہ سالار بن چکا تھا مگر لوٹتے ہی گھر بھیج دیا گیا جیسا کہ معلوم ہے معاہدوں کے باوجود جرمن جنرل سٹاف غیر سرکاری طور پر جنرل سیکٹ کی قیادت میں قائم رہا۔

جن لوگوں نے جرمن فوج کو نئی زندگی دینے کی نمایاں کوشش کی۔ ان میں ہاشوفر کو خاص مقام حاصل ہے۔ بظاہر طور پر اس نے اپنی زندگی کا رُخ ایک دفعہ پھر فوج سے موڑ کر جغرافیے کی طرف کیا۔ ۱۹۱۹ء میں اُسے میونخ یونیورسٹی میں جغرافیے کا خطیب مقرر کیا گیا۔ اس نے اس موقع کو نہایت خوبی سے استعمال کیا اور جغ سیاسیات کو ایک مستقل ذہنی تصور اور ریاست کاری کے آلۂ کار کا مقام بخشا۔

ہاشوفر کے لئے اپنے وطن اور اپنی یونیورسٹی کو لوٹ آنا فطری بات تھی۔ البتہ اسے محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا کہ میونخ ہی ان تمام فتنوں کا مرکز بن جائے جن میں "بیرحال کا حادثہ" اور

نازی پارٹی کا قیام شامل تھے۔ برلن سے اس کی مسافت نے اسے ملک کی قائم شدہ حکومت کے خلاف سازشی مقام بننے میں مدد دی۔ اسی طرح جب حکومت یہ چاہتی کہ معاہدوں کے خلاف عسکری طاقت کو بڑھائے تو یہ غیر معروف سی جگہ کار آمد بن سکتی تھی۔

جنگ سے لوٹنے کے بعد ہاشوفر متعدد جغرافیہ دانوں، سائنسی سیاست کے ماہروں اور ادیبوں سے ملتا رہا۔ اور ان کی مدد سے جغ سیاسیات کی بنا ڈالی۔ دس سال کے بعد ان میں سے کئی اس تحریک سے علیحدہ ہو چکے تھے مگر ان کی جگہ ہاشوفر کے مریدوں اور شاگردوں نے پر کی۔ یہ سب نوجوان تھے اور اپنے پیر و مرشد کے احکام کی تعمیل بے چون و چرا کرتے تھے۔

اگر خارجی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ "جگہ" کے نظریے جو جغ سیاستدانوں نے پیش کئے ہیں۔ ان کی کل تعداد پانچ ہے جب الفاظ کے انبار کو ہٹایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی خیال کو مختلف طریقوں سے پیش کیا گیا ہے اور بعض اوقات یہ نظریات ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ان پانچ میں سے دو تو جغرافیائی نظریات کے عملی پہلو ہیں۔ دو ایسے ہیں جنہیں عالمی "تنظیم کے مشورے" کہا جا سکتا ہے اور پانچویں نظریئے کو زیادہ سے زیادہ ایک "سہولت" کا مقام دیا جا سکتا ہے۔

اٹارکی:۔ جس مفہوم میں جغ سیاستدانوں نے اٹارکی کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ کوئی قوم اقتصادی طور پر خود کفیل ہو۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر سیاسی وحدت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی ہر شے اپنی حدود کے اندر پیدا کرے۔

ظاہر ہے کہ کرۂ ارضی میں پوری دنیا کے علاوہ اور کوئی ایسا محدود خطہ نہیں ہو سکتا جو انسانی ضرورت کی ہر شے کا کفیل ہو سکے۔ جرمنی کے لئے اٹارکی میں کچھ عرصہ کامیابی حاصل کرنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ اپنی متفرق ضروریات کی تمام اشیاء بیرونی ممالک سے درآمد کر کے ان کے وسیع ذخائر جمع کر لیا کرتا تھا۔ ان ذخائر کے باوجود جرمنی کو بہت سی اشیاء پر پابندیاں لگانی پڑتی تھیں۔ اس قیمت پر اٹارکی نہایت گراں معلوم ہوتی ہے۔ بہرکیف جب ذخائر ختم ہو جاتے ہیں تو اٹارکی بھی کافور ہو جاتی ہے۔ اٹارکی کے قیام کی اصل وجہ یہ تھی کہ ملک کی آبادی کو اپنے اخراجات کم کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس طرح جو بچت حاصل ہو اسے دوسرے درآمد شدہ

سامان کے ساتھ ملا کر ریاست کے کسی اہم مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ جرمنی کا یہ مقصد جنگ کی تیاری کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس مقصد کا اعلان ۱۹۳۰ء کے عاشرے کے آخری برسوں میں کیا گیا۔ جب "روٹی نہ لیں گے۔ توپ لیں گے۔" قسم کے نعرے عام ہو گئے تھے۔

اگر تمام ریاستیں جرمنی کی طرح آتارکی کو اپنا نصب العین بنا لیں تو کامیابی ایک کو بھی نہ ہو سکے گی۔ یا تو انہیں دائمی جنگ جاری رکھنا پڑے گی یا دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنی زندگی کو ایسے خطوط پر لانا پڑے گا جن پر ملک کی پیداوار کے علاوہ انہیں کسی شے کی ضرورت نہ پڑے۔ صلح پرور اقتصادی لین دین جو عصرِ جدید میں قوموں کا شیوہ رہا ہے۔ اس کے لئے آتارکی کے تحت کوئی جگہ نہیں۔

جائے ماندن:۔ جس طور پر جنگ سیاستدانوں نے جائے ماندن (زندہ رہنے کی جگہ) کو پیش کیا ہے اس سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ ایک قوم کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی آبادی کے رہنے کے لئے کافی جگہ اپنے تسلط میں لے آئے۔ جگہ میں وہ تمام انسانی اور قدرتی وسائل بھی شامل ہیں، جو اس خطے میں موجود ہوں جس پر کوئی قوم اپنے زندہ رہنے کے لئے حق جتا رہی ہو۔

اس دعوے کی بنا نظریے اور حقیقت پر یکساں طور پر رکھی جاتی ہے۔ حقیقت سے یہاں یہ مراد ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف قوموں کی آبادی کے بڑھنے کی رفتار مختلف ہوتی ہے بعض قوموں کی آبادی دوسری قوموں کی نسبت زیادہ رفتار سے بڑھتی ہے۔ اس میں یہ نظریہ کارفرما ہے کہ ریاست ایک زندہ شے ہے اور نباتاتی اصولوں کے تابع رہتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جوان اور بڑھتی ہوئی قوم کے لئے وسعت پذیر ہونا ناگزیر ہے۔ جرمن جنگ سیاسیات میں صرف طاقتور قومیں بڑھنے کی قوت رکھتی ہیں۔ چھوٹی ریاستوں کا مقدر یہی ہے کہ وہ نابود ہو جائیں۔

"جائے ماندن" کے نظریئے کا عملی نقشہ تضاد اور غلط دلائل کا نمونہ ہے۔ اول تو یہ بات کہ باوجود ظاہری اور سطحی مشابہت کے ریاست کو کسی طرح زندہ شے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی دوسرے یہ کہ اوائل سے جن علاقوں پر جرمنی نے للچائی ہوئی نظریں رکھی ہیں اور جہاں اس نے اپنے "جائے ماندن" کے نظریئے کو عمل میں لانا چاہا ہے، مشرق کا علاقہ ہے۔ جس میں سلافی قومیں آباد ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اسی مشرق کے علاقے میں شرح تولید جرمنی سے بھی زیادہ

رہی ہے۔ اس لئے خود جرمنی کے نظریئے کے مطابق ان سلافی قوموں کا "جائے ماندن" حاصل کرنے کا حق جرمنی کی نسبت زیادہ ہے۔ جب قسمت نے فرانس کو جرمنی کے ہاتھوں شکست دلائی اس سے پہلے جرمنی نے حق "جائے ماندن" اس خطہ سے مغرب کی جانب کبھی ظاہر نہیں کیا تھا جو فرانسیسی اور جرمن زبان بولنے والوں کو جدا کرتا ہے۔ حالانکہ جرمنی کی سرحدوں سے ملنے والے ممالک میں فرانس ہی ایک ایسا ملک ہے جس کی شرح تولید کئی سال سے جرمنی کی نسبت کم رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جائے ماندن' کا نظریہ محض اس لئے ایجاد کیا گیا ہے کہ جرمنی کی پرانی توسیعی پالیسی کے لئے جواز پیدا کیا جائے۔ حالانکہ اس توسیع کی کوشش مغرب کے بجائے مشرق کی جانب کی جا رہی تھی۔

مربوط علاقے:۔ جوں جوں جرمن قوم پرستوں کی امیدیں بڑھتی گئیں۔ جرمنی کے جغرافیہ دانوں اور خصوصاً جیو سیاستدانوں نے ایسے حصوں پر دعوئے جانا شروع کر دیا جنہیں ان کی قوم فتح کرنا چاہتی تھی۔ جرمنی میں یوں بھی عرصہ سے عادت بن چکی تھی کہ جن خطوں میں جرمن زبان بولی جاتی تھی ان کو جرمنی میں شامل کرنے کا حق جتایا جائے۔ جرمن معاشری علاقہ" اور جرمن تجارتی علاقہ" نقشوں پر دکھایا گیا۔ جن کے متعلق پر زور الفاظ میں کہا گیا کہ یہ علاقے قدرتی طور پر جرمنی کا حصہ ہیں۔

البتہ جیو سیاستدانوں کے عزائم اس سے بھی بلند تر تھے اتار کی کے نصب العین کو پورا کرنے کے لئے وقتی طور پر انہوں نے دنیا کی تقسیم تین سیاسی حصوں میں کی بعض دفعہ وہ یہ تقسیم چار "مربوط علاقوں" میں بھی کرتے تھے۔ ان میں سے ہر علاقہ ایک سے زائد براعظموں پر پھیلایا گیا تھا۔ ان میں سے ہر علاقہ وسیع عرض بلد پر پھیلا ہوا ہے تاکہ مختلف قسم کی آب وہوا کے خطے شامل ہونے سے زرعی اور جنگلاتی پیداوار کی تقسیم برابر برابر رہے۔ چونکہ یہ علاقے سبھی وسیع تھے اس لئے امید کی گئی تھی کہ ان میں متفرق اقسام کی دھاتیں بھی پائی جائیں گی۔

اس نظریئے کی دلیل میں یہ خیال پیش کیا گیا تھا کہ آج کل کی دنیا میں تیز رسلیات اور مواصلات کی وجہ سے تمام چھوٹی ریاستوں کی آزادئ عمل سلب ہو چکی ہے۔ بلکہ بعض بڑی ریاستیں بھی آزاد وجود کے ناقابل ہیں۔ یہ نئے مربوط علاقے اس طرح سے تجویز کئے گئے تھے کہ ان کی رہبری اور

قیادت کے لئے ایک موجودہ طاقت ور سیاسی قوت موجود ہوگی۔ وہ علاقے یہ ہیں۔

۱۔ مربوط امریکہ۔ ان مربوط علاقوں میں مربوط امریکہ سب سے واضح ہے۔ یہ وسیع سمندروں کے ذریعے باقی زمینی علاقوں سے علیحدہ واقع ہے، ریاستہائے متحدہ اس مربوط علاقے کی رہنمائی کے لئے نامزد کی گئی تھیں۔ جغ سیاستدان، منرو اصول کے بہت مداح تھے اور اسے مربوط علاقوں کے تخیل میں پہلا مقام دیتے تھے۔

۲۔ مربوط ایشیا۔ اس میں براعظم ایشیا کا مشرقی حصہ، آسٹریلیا اور باقی جزائر شامل تھے جاپان اس علاقے کا رہنما تھا۔ اس مربوط علاقے کو جاپانی "عظیم مشرقی ایشیا کا باہمی خوشحال علاقہ" کہتے تھے۔ جرمنی کے علاوہ صرف جاپان کے جغرافیہ دان ہی جغ سیاسیات کی طرف شوق سے متوجہ ہوئے تھے۔

جرمن جغ سیاستدان اکثر مبہم الفاظ میں مگر بعض اوقات کھلم کھلا کہتے تھے کہ مربوط امریکہ اور مربوط ایشیا عارضی سا انتظام ہے جسے جرمنی نے محض اتنے عرصے کے لئے قائم رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ جب تک اس کا اپنا مربوط علاقہ منظم نہ ہو جائے بعد میں یہ علاقے بھی توسیع پذیر جرمنی میں مدغم ہو جائیں گے۔

۳۔ جو مربوط علاقہ جرمنی کے زیرِ تسلط آتا تھا۔ اس میں یورپ اور افریقہ شامل تھے۔ اس علاقے میں یورپ کی چھوٹی ریاستیں ہی شامل نہیں تھیں بلکہ فرانس اور اٹلی جیسے بڑے ممالک بھی شامل تھے۔ البتہ برطانیہ کا اپنی الگ تھلگ جائے وقوع اور اتحادِ شوروی کا اپنی وسعت کی وجہ سے باعث وقت ہونا امکانات میں تصور کیا گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان مربوط علاقوں کا بغیر جنگ کے وجود میں آنا ناممکن تھا، عرض بلد کے درمیانی خطوط میں جو ریاستیں تھیں ان میں بہت سی طاقتور بھی تھیں۔ اور وہ آویزش کے بغیر کبھی ہار نہ مانتیں۔ پھر ان مربوط علاقوں کی تنظیم میں جغرافیائی دقتیں بھی تھیں۔ قریب قریب ہر علاقے میں عرض بلد کے درمیانی خطوط والے علاقے اپنے سے جنوب والے علاقوں سے بلند کوہستانی سلسلوں کی وجہ سے منقطع ہیں۔ اور اگر انہیں خشکی کے راستے ملانے کی کوشش کی جاتی تو کامیابی کے امکانات کم تھے۔

البتہ ان تمام دقتوں کے باوجود مربوط علاقوں کا یہ تخیل کلیتہً واہمہ نہیں تھا۔ جرمنی اور جاپان دونوں نے جن علاقوں پر نظریں جما رکھی تھیں۔ ان میں سے انہوں نے اکثر علاقے ختم کر لئے تھے۔ انجام کار ان کی شکست صرف یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ نظریات عسیر الحصول تھے۔ البتہ انہیں وہم و گمان یا خواب پریشان کر کے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

زمینی طاقت بالمقابل بحری طاقت:۔ کرۂ ارضی کی تو تنظیمی کے لئے ان جرمن جغ سیاستدانوں نے مکینڈر سے ایک گونہ مختلف رائے قائم کی ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یوریشیا افریقہ کا وسیع زمینی علاقہ سب سے بڑا، سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ پُر دولت ہے۔ دنیا کی خشکی کا یہ جزیرہ باقی خشکی کے علاقوں سے سمندروں کی وجہ سے بالکل علیحدہ ہے۔ اس تمام خطے میں دریا عام طور پر یا تو منجمد شمالی میں غائب ہو جاتے ہیں اور یا پھر اندرونی سمندروں اور ریتیلے میدانوں میں ختم ہوتے ہیں کہیں بھی جہاز رانی کے قابل دریا کھلے سمندروں کے ساتھ الحاق قائم نہیں کرتے۔ یہ "قلبی دنیا" زمینی طاقت کے لئے مضبوط مستقر کا کام دے سکتی ہے اور اسے دنیا کی عظیم ترین طاقت بنا سکتی ہے۔

اس "قلبی دنیا" کے قریب اور اس کے مغرب، جنوب اور مشرق کی جانب ہلالی شکل میں دوسرے خطے ہیں۔ جن کی سمندر تک پہنچ ہے بکم و بیش ان خطوں کے سبھی ممالک بحری طاقت کے مالک ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے پہاڑوں، صحراؤں اور سمندروں کے ذریعے علیحدہ ہیں۔ اس وقت وہ بحری طاقت کی وجہ سے آزاد اور طاقتور ہیں مگر ان کے مفتوح ہونے کے امکانات ضرور ہیں اور وہ اس طرح کہ اگر "قلبی دنیا" کی کوئی ریاست طاقت حاصل کر لے اور کسی حد تک بحری طاقت بھی فراہم کر لے تو یہ بیرونی خطے اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

یہاں تک تو "قلبی دنیا" کا تخیل مکینڈر سے لیا گیا ہے۔ البتہ جرمن جغ سیاستدانوں نے جرمنی کی سیاسی توسیع کو ان دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ "قلبی دنیا" کی سرزمین قریب قریب شوروی روس کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ جرمنی بھی زمینی طاقتوں میں شامل ہے اور یوریشیا کے باقی حصے کی اکثریت پر قابض ہے۔ روس کے برعکس اسے سمندر تک پہنچ حاصل ہے اور سمندری طاقت بننے کی صلاحیت بھی اس میں موجود ہے۔ اگر وہ روس کے

ساتھ مل کر طاقت پکڑے تو پہلے "یہ قلبی دنیا" پر قابض ہو سکے گا۔ اس کے بعد اندرونی ہلال پر جس میں برطانوی اور جاپانی بحری طاقتیں شامل ہوں گی اور آخر چھوٹے براعظموں کا بیرونی ہلال اس کے قبضے میں ہو گا۔

دوسری عالمی جنگ جس میں چھ براعظموں کے باشندے شامل تھے۔ یہ دنیا کے جملہ سمندروں پر لڑی گئی اور اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ابھی دنیا کا سیاسی ڈھانچہ "قلبی دنیا" قسم کے نظریات قبول کرنے کے لیئے سازگار نہیں۔

سرحدیں۔ سیاسی ترتیب کے لیئے دنیا کا علاقائی نقشہ کسی قسم کا ہی کیوں نہ تجویز کیا گیا ہو اور فتوحات کے جواز میں کیسے ہی فلسفیانہ نظریات کیوں نہ پیش کیئے گئے ہوں ضروری ہے کہ مقصد حاصل کرنے کی غرض سے آگے بڑھنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہونا چاہیئے۔ جنگ سیاستدانوں نے جن الفاظ میں سیاسی سرحدوں کے معانی بیان کئے ہیں اُن سے یہ طریقہ حاصل ہو جاتا ہے اُن کے نزدیک کسی قوم کی نئی سرحدیں سستا لینے کے وقتی خطوط ہوتے ہیں۔ جونہی قوم آگے بڑھنے پر کمربستہ ہو جائے انہیں مسترد کر دیا جائے اور سرحدی خطوط اور آگے بڑھا دیئے جائیں جب بھی موقع و محل سازگار ہو تو ان نئی سرحدوں کو وجہ کارزار بنا لیا جائے۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ باقی تمام سیاسی بہانوں کی نسبت سرحد کو نہایت آسانی سے جنگ کی وجہ بنایا جا سکتا ہے۔ جنگ سیاستدانوں کا دعوٰے ہے کہ قوموں کا حق ہے کہ وہ "قدرتی سرحدوں" کا تقاضا کریں۔ یہ سرحدیں اُن کی موجودہ سرحدوں کے ماورا بھی ہو سکتی ہیں کیسی بھی سرحد کیوں نہ ہو اور کسی دشوار گزار رکاوٹ کے ساتھ ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ طاقت کے لحاظ سے دو غیر متوازن ریاستوں کے درمیان واقع ہے تو اس کے قائم رہنے کے امکانات کم ہوں گے۔ "جائے ماندن" کا لالچ اور ازار کی کی خواہش کمزور ریاستوں کو اپنے مضبوط پڑوسیوں کا آلۂ ترنبا دیتی ہے۔ بالخصوص ایسے موقعوں پر جب اس کمزور پڑوسی کے ہاں قیمتی ذخائر ہوں یا اس کا جغرافیائی مقام تزویراتی اہمیت کا حامل ہو۔

(۵)

"جگہ" کے نظریات جن پر جنگ سیاستدانوں نے اپنا اسلوب قائم کیا ہے اُن کی نگاہ میں

سائنسی بنیادی حقائق کا مقام رکھتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کے دلائل سائنسی نادیہ نگاہ سے صحیح ہیں۔ تب بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو حکومت ان پر عمل کرے گی اسے لامحالہ طور پر جنگ لڑنا پڑے گی۔ یوں بھی جُغ سیاسیات اوائل سے ہی جنگ کے ساتھ متعلق رہی ہے۔ اس کی نشو و نما عسکریت پسند ملک میں ہوئی اور اسے سینچنے والے بھی عسکری افراد تھے۔

جنگ کی تیاری کے لیئے اس کی خدمات دو قسم کی ہیں۔ اس نے دنیا کے مختلف خطوں کے متعلق اطلاعات کو فراہم کرنے اور ترتیب وار یکجا کرنے کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ اس نے اپنے اخذ کردہ نتائج کو براہِ راست عسکری مفاد کے لیئے پیش کیا۔ دوسری طرف اس نے جرمنی اور دوسرے ملکوں کے عوام کو یہی نتائج پراپگنڈا کی شکل میں دیئے۔ ایک لحاظ سے جُغ سیاستدان اس بات کے بھی ذمہ دار تھے کہ انہوں نے حقائق کی جستجو اس طریقے پر کی کہ اپنی حکومت کو سیاسی تزویرات کا ایک خاص رُخ قائم کرنے پر مجبور کیا۔ کُلّی جنگ نے جُغ سیاسیات کو تمام نظریات اور فنون میں مرکزی مقام بخش دیا ہے۔

جُغ سیاستدانوں نے جرمن قوم کی عسکری ذہنیت کو صحیح ثابت کر دیا تھا۔ "جگہ" کے نظریات اس رنگ میں پیش کیئے گئے تھے کہ جرمن حکومت کو یقین ہو گیا تھا کہ جنگ کے بغیر ان کے لیئے اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ اِس امر کو جُغ سیاستدان بھی سمجھتے تھے مگر اپنی تجویز کو صحیح ثابت کرنے کے لیئے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جنگ ناگزیر ہی نہیں بلکہ انسانی معاشرے کا طبعی جز ہے اور وہ اس فطری عمل یعنی جنگ کو جاری رکھنے کا آسان ترین طریقہ پیش کرتے ہیں۔

اِن تمام باتوں نے جرمن قوم کے عقیدۂ "فوق النسل" کو مزید تقویت پہنچائی۔ اور اس "فوق النسل" نے فرضِ حکومت اور فتوحات کو بلند مقام بخشا عجیب بات ہے کہ اِس سائنسی دَور میں اندھی عقیدت سہارے کے لیئے بھی سائنس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جرمن قومی عصبیت کو سہارا دینے کے لیئے جُغ سیاستدانوں نے عقلی جواز کے ستون کھڑے کر رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جُغ سیاسیات کو محض عوام نے ہی نہیں بلکہ حکومت نے بھی تسلیم کر لیا۔

رڈولف ہیس جو دوسری عالمی جنگ کے شروع میں نازی حکومت کا تیسرا طاقتور ترین شخص تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران ہاشوفر کا اڈیکانگ رہ چکا تھا اور جُغ سیاستدانوں میں

اس کا نہایت ہی تابع قسم کا شاگرد جب "بہرحال" حادثے کے بعد ہٹلر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس وقت ہاشوفر اس سے اکثر ملنے جایا کرتا تھا۔" میری کشمکش" کے نمایاں حصے ظاہر کرتے ہیں کہ ہٹلر پر جُغ سیاسیات کے بعض نظریات اور مجوزہ طریق کار نے ازحد اثر کیا تھا۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایام صلح ہوں یا جنگ دنیا کے جغرافیے کی معلومات صحیح پالیسی قائم کرنے میں ازحد مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ البتہ جن تنگ نظر معانی میں ہاشوفر نے جُغ سیاسیات کو پیش کیا ہے ان کا انجام صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ جنگ ہے۔ اس پر عمل کرنے والی قوم چاہے کوئی ہو یہ نسخہ ایسا ہے کہ اس کا استعمال سیاسی طاقت اور جارحیت کی راہ پر لا کھڑا کرتا ہے اور بسا اوقات نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔

پانچواں حصّہ

بحری اور فضائی جنگ

سترھواں باب

ماہن

بحری طاقت کا مبشر

از۔ مارگرٹ ٹٹل سپراؤٹ

دنیا میں کوئی واحد شخص نہیں جس نے براہِ راست اور اتنی شدت سے بحری طاقت کے نظریئے اور بحری تزویرات پر اتنا اثر ڈالا ہو جتنا کہ الفرڈ تھائیر ماہن نے ڈالا ہے۔ اس نے امریکہ کی بحری پالیسی کی صحیح خطوط کی طرف رہنمائی کی۔ انگلستان کے سامنے نظریاتی ثبوت پیش کیئے تاکہ وہ اپنی بحری طاقت کو قائم رکھنے کے قصد کو کم نہ ہونے دے اور اس کی تحریروں نے جرمنی کو اپنی بحری طاقت بڑھانے کی ترغیب دلائی۔ اس کی تحریروں نے کسی نہ کسی صورت فرانس، اٹلی، روس، جاپان اور دوسری چھوٹی توپوں کے بحری افکار پر بھی اثر ڈالا۔

اس کی شہرہ آفاق کتاب "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر از ۱۶۶۰ء تا ۱۷۸۳ء" جب ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اسے قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار بیٹھی تھی۔ اس کے بعد کے عاشرے میں لاتعداد بین قومی واقعات رونما ہوئے جن کا تعلق بحریہ کی تاریخ سے براہِ راست تھا۔ علاوہ بریں اس دور میں بحریہ کے فنِ تعمیر اور اس کی فنیاتی ترقیاں صنعتی انقلاب کے آخری ایام سے مستفید ہو رہی تھیں۔

اس کے باوجود بحریہ کے افکار اس کی فنیاتی ترقیوں سے بہت پیچھے تھے۔ یہ خامی ریاستہائے متحدہ میں خاص طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ امریکی مفکر ابھی ساحلی دفاع اور تجارتی چھاپہ ماری کے فرسودہ نظریات کے مخمصے سے نجات حاصل نہیں کر سکے تھے سپین کی جنگ کے موقع پر عام طور پر یہ تصور کیا جاتا تھا کہ بحریہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ امریکہ کے ساحلوں کا دفاع کرے۔ البتہ یہ رجعت پسندی

اس قدر اہم معاملات میں زیادہ عرصے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ تبدیلی کے امکانات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ امریکہ اپنی بحریہ کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے پروگرام کا فیصلہ کر چکا تھا اور ملک میں ایک نئی روح بیدار ہو چکی تھی کہ بحریہ ملک کا طاقتور ہتھیار ہے۔ اس لئے اسے قومی پالیسی کے تعین کے لئے استعمال نہ کرنا غلطی ہے۔ اس خیال کو کامیاب بنانے کے لئے ماہن کی تعلیم اور اس کی تحریروں نے نئی بحری تدبیرات کے قیام کی بنیاد قائم کی۔

(ا)

۱۸۸۴ء میں امیر البحر سٹیفن لوسی نے جو جزیرہ روڈ میں نیوپورٹ کے مقام پر نئے قائم کردہ بحری کالج کا صدر تھا۔ کپتان ماہن کو بحری تاریخ اور تدبیرات پر خطیب کی اسامی قبول کرنے کی دعوت دی۔ یوں اسے وہ مقام حاصل ہوا جس کی مدد سے وہ دنیا میں بلند نام ہوا۔[۱]

الفرڈ تھایر ماہن کا والد ڈینس ہارٹ ماہن ریاستہائے متحدہ کی جامعہ عسکری میں پروفیسر تھا۔ اس نے فن جنگ میں نہایت دلچسپی لی تھی اور عسکری مہندسی پر بہتات سے لکھا تھا۔ چھوٹا ماہن نیویارک کے کولمبیا کالج میں داخل ہوا۔ مگر بعد میں والد کی مرضی کے خلاف اناپولس کی جامعہ بحریہ میں چلا گیا۔ یہاں سے وہ ۱۸۵۹ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ خانہ جنگی کے دوران دو سال تک یونین کی بحریہ کے ساتھ خدمت انجام دینے کے بعد اسے ایشیائی سمندروں کے دو سالہ گشت کے ساتھ بھیجا گیا۔ اس خدمت کے دوران اس نے پہلے پہل بحری تاریخ کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ شغل آخر عمر تک اس نے قائم رکھا۔

۱۸۷۸ء میں ماہن نے اپنا پہلا مضمون شائع کیا۔ اس کا عنوان "افسروں اور جوانوں کے لئے بحری تعلیم" تھا۔ ریاستہائے متحدہ کی بحری انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اس مضمون کو تیسرا انعام دیا گیا۔ جب نیپئر کی کتاب "جزیرہ نما کی جنگ" شائع ہوئی تو ماہن نے اس میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں عسکری واقعات کو منطقی نظر سے پیش کیا گیا تھا اور علت و معلول کو نگاہ میں رکھا گیا تھا۔ اس نے اپنی پہلی کتاب میں اس بات کو خود بھی مدنظر رکھا۔ یہ کتاب "خلیج اور

۱؎ کپتان ڈبلیو۔ ڈی۔ پولسٹن: "کپتان الفرڈ تھایر ماہن کی زندگی اور اس کی تصانیف" (نیویارک ۱۹۳۹ء) گیارھواں باب

اندرونی سمندر" ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔[2] انہیں ایام میں ریاستہائے متحدہ کے بین قومی مقام کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ماہن نے مجوزہ نہر پر جو آبنائے پاناما سے نکالی جاتی تھی۔ غور کرنا شروع کیا۔ ۱۸۸۶ء میں جب وہ نکلاؤ کے مقام کے بالمقابل متعین تھا اسے جامعہ عسکری میں خطاب کرنے کے لئے دعوت ملی۔

بعد کے دو سال ماہن نے نئے مطالعہ میں صرف کئے۔ اس نے سترھویں اور اٹھارہویں صدیوں کی عسکری تاریخ کا بغور مطالعہ شروع کیا۔ ان صدیوں کے واقعات اس قابل تھے کہ قوموں کے عروج وزوال کے اسباب ان سے اخذ کئے جاسکیں۔ یہ واقعات "زمینی اور بحری جنگ کے درمیان مشابہت" کی مثالیں بھی پیش کرسکتے تھے اور ماہن کو امید تھی کہ وہ اس طرح بحری تدبیرات کا نظریہ اخذ کرسکے گا۔ جامعۂ عسکری کی تقاریر کے لئے اس نے "یورپ کی تاریخ اور بحری طاقت کا اثر" کا مضمون چنا۔ یوں اس نے تین کتابوں کی تیاری کی اور انہیں مکمل کیا۔ "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر از ۱۶۶۰ء تا ۱۷۸۳ء" جو ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔ "بحری طاقت کا انقلاب فرانس اور فرانسیسی امپائر پر اثر از ۱۷۹۳ء تا ۱۸۱۲ء"۔ یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ "۱۸۱۲ء کی جنگ کے پس منظر میں بحری طاقت"۔ یہ کتاب ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ ان گراں بہا کتابوں کے علاوہ ماہن کئی مضامین اور بحری تزویرات وتدبیرات سے متعلق مختلف کتابیں شائع کرتا رہا۔

اس نے بحری طاقت کا ایسا مسحور کن فلسفہ ایجاد کیا جسے بحری حلقوں کے علاوہ بھی مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ حتیٰ کہ وہ دنیا کی مختلف حکومتوں کے پروگرام کی رہنمائی کرنے لگا۔ علاوہ ازیں اس نے بحری تزویرات کا نیا نظریہ پیش کیا۔ مزید برآں اس کا شمار بحری تدبیرات کے بہترین نقادوں میں ہوتا ہے۔

اس کے خیال میں بحری تزویرات اور طاقت کا انحصار بعض بنیادی باتوں پر ہے جن کا تعلق قدرت کے عطیات پر ہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کا جغرافیائی مقام۔ براعظمی طاقت کی نسبت جزیرے میں بسنے والی قوم زیادہ آسانی سے سمندر پر قابو پاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی بیڑوں کے

۲۔ ایضاً۔ ص۔ ۵۹، ۶۵

۳۔ "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر" ص ۸، ۲۰، ۲۳، ۲۸، ۸۸-۹۸

قوانین، سمندر پار مستقر اور قومی پالیسی سے بھی بحری طاقت اثر لیتی ہے۔ اس کے باوجود "بحری تزویرات کے اصول قائم و دائم ہیں" اور امن ہو یا جنگ ان کا عمل یکساں طور پر رہتا ہے۔ ماہن سے پہلے بحری مصنف بحریہ کو فوج کے ایک شعبے سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ ماہن نے ان کے خیالات کو رد کیا اور بحری تزویرات اور تدبیرات کے درمیان جو فرق ہے اسے وضاحت سے پیش کیا۔ ماہن کو یقین ہوگیا تھا کہ اگر برطانیہ کی طرح ریاستہائے متحدہ بھی اپنی بحری طاقت کو قومی پالیسی کا آلۂ کار بنا لیں تو قوم کی عزت، وقعت اور طاقت میں از حد اضافہ ہوگا۔[۵]

(۲)

ماہن کا اساسی مفروضہ یہ تھا کہ قومی ترقی، خوشحالی اور حیاتت کے لئے بحری طاقت کا ہونا از حد ضروری ہے۔ یہاں سے وہ بحری طاقت کے عناصر کی طرف رجوع کرتا ہے اور چھ بنیادی عوامل پیش کرتا ہے جو بحری طاقت کی نشو و نما پر اثر پذیر ہوتے رہتے ہیں جغرافیائی مقام، طبعی ساخت، علاقائی وسعت، آبادی، قومی سیرت اور حکومت کے ادارے۔[۶]

بحری طاقت میں عامل کی حیثیت سے جغرافیائی مقام کی اہمیت برطانیہ کا جزیرہ ہونا ثابت کرتا ہے خصوصاً جب اس کا مقابلہ برطانیہ کے سترھویں صدی کے دشمنوں یعنے فرانس اور ہالینڈ کے ساتھ کیا جائے۔ برطانیہ کی حیاتت جزیرہ ہونے کی وجہ سے محفوظ تھی۔ اس لئے اسے بڑی فوج کے قیام کی ضرورت نہ تھی۔ یوں وہ بے وجہ کروڑوں روپے صرف کرنے سے بچ جاتا تھا۔ علاوہ ازیں برطانوی بیڑہ اپنی بندرگاہوں سے نکل کر جس طرف اور جس مقام پر چاہتا مجتمع ہو کر ملکی دفاع اور دشمن کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کے دوہرے فرائض کو بیک وقت پورا کر سکتا تھا۔

کسی ملک کی طبعی ساخت آبادی کو یا تو بحری طاقت حاصل کرنے کی طرف رجوع کرتی ہے یا اسے اس سے دور لے جاتی ہے۔ ولندیزی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سمندر کی طرف راجح ہوئے۔ البتہ چونکہ ان کی زندگی کا تمام تر انحصار سمندر تھا اس لئے یہ ان کی کمزوری کا باعث ہوا

۵۔ ایضاً۔ پہلا باب۔ خصوصاً ص ۲۔ اور ص ص ۲۸۷۔ ۲۸۸

۶۔ ایضاً پہلا باب۔

دوسری طرف فرانس کی سرزمین کے زرخیز ہونے کی وجہ سے فرانس کی آبادی کو سمندر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہر وہ ملک جس میں ساحل سمندر موجود ہے اس کے لئے سمندر سرحدوں کا کام دیتا ہے۔ قومی طاقت کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ کوئی ملک اپنی سمندری سرحدوں کو بڑھانے کی طرف کس قدر توجہ دیتا ہے۔

علاقائی وسعت نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے خصوصاً ایسے موقعوں پر جب اس کی سرزمین آبادی کا بوجھ برداشت نہ کر سکے یا طاقت کے دوسرے عناصر کا اس کے اندر فقدان ہو۔ بحری طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے آبادی کی تعداد اور ان کی خصوصیتوں کا دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بحری جنگ میں "قائم رہنے کی طاقت" کا اندازہ کسی ملک کے تجارتی بیڑے کے حجم سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ جنگ میں ملک کے اندر ایسے تمام فنون جاننے والوں کے محفوظات موجود ہوں جن کا جاننا جہازوں کے چلانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

سمندروں کی طرف رجوع کرنے والی قوموں کی کامیابی میں "قومی سیرت" کا عامل نہایت اہم ہے۔ اگر ملک کی آبادی میں تجارت کا شوق عام ہے تو وہ ایام امن میں وسیع تجارت قائم کر سکے گی اور بحری طاقت کے لئے سمندری تجارت بنیادی باتوں میں شامل ہے۔ وسیع سمندری تجارت اور عظیم الشان تجارتی بیڑے کے ارتباط سے ہی برطانیہ دنیا میں چوٹی کی بحری طاقت بننے میں کامیاب ہو سکا۔ تجارتی مشاغل کے ساتھ ساتھ نو آبادیات کا قائم کرنا بھی اہم مسائل میں شامل ہے۔ جب نو آبادیات کا تعلق وطن کے ساتھ قائم ہو تو منڈیوں کے قیام کے علاوہ یہ نو آبادیات "تجارت اور جہازرانی کی افزائش گاہوں" کا کام انجام دیتی ہیں۔

حکومت کے اداروں کی نوعیت بحری طاقت حاصل کرنے کے لحاظ سے ازحد اہم ہے نمایاں ترین کامیابیاں" اس حالت میں حاصل ہوئی ہیں جب حکومت نے قومی پالیسی کو اس مدبرانہ انداز سے چلایا ہے کہ اس کے سمندری مفادات پیش منظر میں رہے ہیں۔ جیمز اوّل کے زمانے سے برطانیہ کی پالیسی یہ رہی ہے کہ ملک کی نو آبادیاتی، تجارتی اور بحری برتری قائم رہے ماہن نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اس کے دور کی جمہوری حکومت شاید یہ پالیسی قائم نہ رکھ سکے۔ اس کا خیال تھا کہ جمہوری طرزِ حکومت میں یہ قابلیت نہ تھی کہ وہ مسلسل بحری طاقت کے اخراجات

کو برداشت کر سکے اور ان کے چلانے والے اتنی دور اندیشی نہیں دکھا سکتے تھے جو عسکری تباہی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ حکومت کی ذہانت، قابلیت اور مستقل مزاجی ایسے عوامل ہیں جو بحری طاقت کے قیام میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔ بحریہ کا فروغ حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہی بحری اداروں کی قابلیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ بحری تنظیم کا معیار جس پر دورانِ جنگ بحریہ کی توسیع کا انحصار ہوتا ہے حکومت ہی سنبھال سکتی ہے۔ بحریہ کے جوانوں کا جذب و شوق اور دورانِ جنگ اس پوری مشین کی کامیابی کا دارومدار بھی حکومت پر ہوتا ہے۔ مزید برآں کسی قوم کی بحری طاقت اس کی حکومت کے تزویراتی نظریات پر بھی منحصر ہوتی ہے۔ حکومت کا فیصلہ کہ آیا وہ بحری مستقر قائم کرے گی یا نہیں اور اگر قائم کرے گی تو کن مقامات پر کرے گی یہ سب باتیں اس قوم کی بحری طاقت پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ مناسب زمینی مستقر کے بغیر کسی قوم کے جہاز "اُن خشکی کے پرندوں کی مانند ہوتے ہیں جو ساحل سے دُور تک کی پرواز کے قابل نہیں ہوتے۔"[۷]

(۳)

ماہن کو شبہ تھا کہ برطانیہ ہمیشہ کے لئے دنیا کی زبردست ترین بحری طاقت نہ رہ سکے گا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس مقام کو قائم رکھنے کی اساس اب بھی "وسیع تجارت، بہت بڑی مشینی صنعت اور دنیا کے مختلف حصوں میں نوآبادیات کا وجود ہے۔" مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جمہوری حکومت میں اس قدر پیش بینی کا مادہ اور رضامندی کا عنصر موجود ہوگا یا نہیں کہ وہ اپنی صیانت قائم رکھنے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کرتی رہے۔[۸] جن باتوں نے بیسویں صدی میں بحری طاقت کے توازن کو بدل دیا وہ ایسی تھیں کہ ان پر برطانیہ کا اختیار کچھ نہ تھا۔ نئی بحری طاقتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ یورپ میں بحری طاقت کے مقابلے میں زبردست زمینی طاقتوں کا وجود پیدا ہو چکا تھا اور چند ایسی فنی ایجادات بھی معرضِ وجود میں آ چکی تھیں جن کی وجہ سے بحری ناکہ بندی کا اثر سابق کی طرح نہ رہا تھا۔[۹]

۷۔ ایضاً۔ ص ۶۷۔ اور "بحری تزویرات" ص ۱۴۰

۸۔ سپراؤٹ۔ "بحری طاقت کی نئی اشکال" دوسرا باب

جاپان کا بحری طاقت بن کر ابھرنا برطانیہ کے لئے یورپ اور مشرقِ بعید میں تزویراتی نقطۂ نگاہ سے نقصان دہ ثابت ہوا۔ تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہیں مگر اس مرتبہ انگریزوں نے اپنی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں پیدا کیا۔ سنہ ۱۸۸۰ء اور سنہ ۱۸۹۰ء کے عاشروں میں برطانوی جہازسازی کے ادارے یکے بعد دیگرے جاپان کو جنگی جہاز بنا بنا کر دیتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ برطانیہ کے بحری افسر عارضاً جاپان روانہ کئے جاتے تھے کہ جاپانی بحریہ کے افسروں کو انتظامی امور اور بحری فنون سے آشنا کریں۔

اس دوران میں نیم کرۂ غربی میں ترقی جاری تھی۔ خانہ جنگی سے پہلے ریاستہائے متحدہ کے پاس بحریہ بھی تھی اور بحری پالیسی بھی موجود تھی۔ البتہ ان کا اثر بین قومی سیاست پر کچھ نہ تھا۔ خانہ جنگی کے بعد تھوڑی سی ترقی حاصل کرنے کے بعد امریکی بحریہ میں جمود پیدا ہو گیا۔ دوبارہ اس طرف توجہ سنہ ۱۸۸۰ء کے عاشرے کے اوائل میں دی جانے لگی۔ دیگر اثرات کے علاوہ ماہن کی تحریروں نے بھی امریکی بحریہ کی ترقی کی رفتار میں تیزی پیدا کی۔ سنہ ۱۸۹۰ء تک ریاستہائے متحدہ کی بحریہ تجارت پر چھاپہ مارنے والے چند جہازوں سے بڑھ کر بہترین قسم کے بیٹل شپ کا بڑھتا ہوا بیڑہ بن چکی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اگر برطانیہ اپنے سمندر پار سکواڈرنوں میں مستقل طور پر اضافہ کرتا رہتا تب کہیں جا کر اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ امریکی اور مشرقِ بعید کے سمندروں میں اپنی سابق برتری کا دھندلا سا خاکہ قائم رکھ سکتا تھا۔

اُدھر یورپ میں سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد جرمن بحریہ اس سرعت سے بڑھ رہی تھی کہ برطانیہ کی تاریخی برتری معرضِ خطر میں پڑ چکی تھی۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ آج آسانی سے ذہن میں آ سکتا ہے البتہ اس وقت ان کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ برطانیہ نے انتہائی مشکل سے اپنی بحری برتری قائم رکھی اور یورپ آنے والے تمام راستوں پر اپنا تسلط قائم رکھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جن قوا نے برطانیہ کی برتری مخدوش کر دی ان کی رفتار تیز کرنے میں ماہن کا بھی ہاتھ تھا جس طرح اس نے تاریخ کی ترجمانی کی تھی اور جن الفاظ میں اس نے بحری قوت کے ذریعے قومی بلندی اور ملوکیت کا رشتہ قائم کیا تھا وہ اس قدر پر اثر تھے کہ یورپ، مشرقِ بعید

اور امریکہ میں وسعت اور ترقی حاصل کرنے کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ جوں جوں دوسرے ممالک کی بحریہ بڑھتی جاتی تھیں اسی مناسبت سے برطانیہ کی بحری برتری کا توازن کم ہوتا جاتا تھا۔ دوسری طرف سائنسی اور فنیاتی ایجادات بحری طاقت کی اہمیت کو کم کر رہی تھیں۔ انہیں میں یورپ کے براعظم پر ریل اور سڑک کی رسلیاتی ترقی شامل تھی۔ ان میں تروپراتی اشیار کے صنعتی متبادلات بھی شامل تھے۔ جن کی وجہ سے سمندر پار کی درآمدات میں کمی واقع ہوتی جا رہی تھی۔

۱۹۰۷ء میں ماہن نے ایک مضمون میں تسلیم کیا کہ "بحری رسلیات کے بہت سے متبادلات پیدا ہو چکے تھے۔ مگر وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ آئندہ بحری رسلیات کی اہمیت کم ہو جائے گی اس لئے کہ "آسانی اور کم خرچ کی وجہ سے بحری رسلیات ہمیشہ اپنی برتری قائم رکھیں گی" حالانکہ ۱۹۰۷ء میں مشینی رسلیات ابھی اپنے ابتدائی دور میں تھیں۔ اس کے باوجود مستقبل کا نقشہ نظر آرہا تھا۔ باقی فنیاتی مسائل کی طرح اس میں بھی ماہن نے اپنی رجعت پسندی نہ چھوڑی۔ زمینی طاقت کی اس نئی حرکیت نے بحری طاقت سے اس کے "اندرونی مواصلی خطوط" کے فوائد چھین لئے تھے یہی نہیں بلکہ بحری طاقت کے زمینی مستقروں کی صیانت کو بھی خطرہ لاحق کر دیا تھا، جن کے بغیر بحری طاقت کا وجود ناممکن تھا۔

(۴)

امریکی بحریہ کے افسر کی حیثیت سے ماہن نے ریاستہائے متحدہ کے بحری طاقت حاصل کرنے کی اہمیت کو خاص طور پر پیش کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ یہ طاقت حاصل کرنے کے لئے کون سے اقدامات ضروری تھے۔ البتہ جب اس نے اپنی کتاب "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر" لکھی اس وقت وہ ملکی وسعت کے پروگرام کو قبول کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ حالانکہ یہ بات اس کے نظریات ہی میں مضمر تھی۔

امریکہ کی بندرگاہوں کے دفاع کے متعلق اس نے لکھا "نظریاتی لحاظ سے سبھی متفق نظر آتے ہیں۔ البتہ عملی لحاظ سے مکمل اختلافات موجود ہیں۔" یعنے یہ کہ اس فرض کی سبکدوشی کے لئے بحریہ کی ضرورت مسلم تھی البتہ عملی طور پر اس طرف بہت کم توجہ دی جاتی رہی تھی۔ امریکہ غیر جانب دار

جہازوں کے ذریعے اپنی تجارت کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ جنگ کے دوران غیر جانبدار جہازوں کو آنے جانے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی۔ لہٰذا ایامِ امن سے ہی اپنی تجارت غیر جانبدار جہازوں کے حوالے کر دینی چاہیئے۔ مگر ماہن خیال کے مطابق یہ اصول قابلِ عمل نہیں تھا جب غیر جانبدار جہاز اپنا سامان لے کر کسی محصور بندرگاہ کا رُخ کریں گے تو انہیں محاصرہ کرنے والے ہرگز اُس بندرگاہ کے قریب نہ جانے دیں گے۔ ایسی حالت میں ریاستہائے متحدہ کو محاصرہ توڑنے کے لئے طاقتور بحریہ کی ضرورت پیش آئے گی۔

ماہن پر یہ صاف طور سے عیاں تھا کہ بحری طاقت کے لیے جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ریاستہائے متحدہ میں برطانیہ کی نسبت کم ہیں۔ طبعی ساخت کے لحاظ سے ریاستہائے متحدہ میں فائدہ اور نقصان دونوں قسم کے عناصر موجود تھے۔ اچھی بندرگاہیں اور ان کی تعداد یقیناً کار آمد ہوتی ہے۔ البتہ اگر ان کے دفاع کی طاقت موجود نہ ہو تو وہ کمزوری کا باعث بن جاتی ہیں "ملک کی وسعت، خوبصورتی اور زرخیزی" کی حالت جس طرح فرانس میں لوگوں کو سمندر سے دُور رکھنے کا باعث بنی تھی۔ ماہن کے خیال میں یہاں بھی یہی صورتِ حال پیدا ہونے کے امکان تھے۔

تجارت اور سامان برداری کے معاملے میں ماہن کے خیال میں ریاستہائے متحدہ کو لاثانی مقام حاصل تھا۔ مشرق و مغرب کی پرانی دنیا کے مقابل ہونے کی وجہ سے "ہمارے ساحل" ان سمندروں کے ساتھ ملحق ہیں۔ جو ایک یا دوسرے کی سرحدوں تک پہنچتے ہیں۔" البتہ صرف امریکہ ہی دونوں طرف کے سمندروں سے ملحق ہے۔ اِس مقام کی وجہ سے دفاع میں بھی آسانی تھی۔ دوسرے طاقتور ممالک کے بحری مستقر یہاں سے اتنے دور ہیں؟ کہ محض ان کی دُوری امریکہ کے خلاف کارروائی کو مشکل بنا دیتی ہے۔

ماہن کے خیال کے مطابق ریاستہائے متحدہ کے لوگ ہالینڈ کے باشندوں کی طرح تھے جب تک خطرہ ان کے قریب نہ آجائے وہ روپیہ خرچ کرنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ اس کے خیال میں امریکہ کی ملاح آبادی کی تعداد ضرورت سے بہت کم تھی۔ اِس طبقے کی آبادی کی اساس صرف وسیع تجارت پر ہو سکتی ہے۔" ایسی تجارت جو امریکی علَم کے تحت جاری ہو۔

جمہوریہ ہونے کی وجہ سے ماہن کے خیال کے مطابق ریاستہائے متحدہ کا نقصان میں رہنے کا احتمال تھا۔ جمہوریتوں میں پیش بینی کا مادہ کم ہوتا ہے۔ اور وہ ایام امن میں عسکری اخراجات کی مقدار زیادہ کرنے سے جھجکتی رہتی ہیں[9]۔ ریاستہائے متحدہ کے قبضے میں نوآبادیات بھی نہ تھیں۔ اس کمی کی وجہ سے بھی تجارت کو آسانی سے فروغ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں امریکہ کے پاس نوآبادیات کے علاوہ بحری مستقر بھی نہیں تھے۔ ماہن کی رائے میں ریاستہائے متحدہ کے پاس اس وقت بحری طاقت کے تین ضروری عناصر میں سے صرف اوّل الذکر موجود تھا۔ یعنے ملک کے اندرونی صنعتی پیداوار تجارتی بیڑہ اور نوآبادیات۔ باوجودیکہ امریکی بحریہ کمزور تھی اور بحری طاقت کے بنیادی عناصر کے لحاظ سے ریاستہائے متحدہ کا مقابلہ برطانیہ کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بایں ہمہ ماہن کا خیال تھا کہ ریاستہائے متحدہ اگر دنیا کی طاقتور ترین بحری قوت بننے میں کامیاب نہ بھی ہو تو اس کے لیے پہلی صف میں آنا مشکل نہ تھا۔ امریکہ کا مرکزی مقام، حملے سے مقابلۃً آسان تحفظ اور صنعتی فروغ باقی خوبیوں کی کمی کو پورا کر سکتے تھے۔

جس طرح فنیاتی ترقیاں رفتہ رفتہ بحری طاقت کو مشروط بنا رہی تھیں۔ اسی طرح ان کا اثر بنیادی عناصر پر بھی پڑ رہا تھا۔ جن کو اب تک ماہن اتنی اہمیت دیتا رہا۔ ماہن کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھاپ نے جزیرائی مقامات کی صیانت پر اثر ڈالا تھا۔ البتہ وہ یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہ سکا کہ جرمن آبدوز کشتیاں کس طرح برطانیہ کی جزائی ناکہ بندی میں کامیاب ہوئیں اور ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کو قریب قریب ہار ماننے پر مجبور کر دیا۔ وہ ۱۹۴۰ء کی ہوائی بمباری کو بھی نہ دیکھ سکا جس نے صنعت اور بندرگاہوں کو معرضِ خطر میں ڈال دیا۔ یہی دو چیزیں تھیں۔ جن پر برطانیہ کی بحری طاقت کا دارومدار تھا۔

مزید برآں اب بیٹل شپ بھی ان ہتھیاروں کے حملے کا شکار بن چکا تھا۔ ان نئے ہتھیاروں نے بحری بیڑوں کے دائرۂ عمل کو اور بھی محدود کر دیا تھا۔ ماہن نے بار بار اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بحری مستقروں کے بغیر بحری طاقت استوار کرنا ناممکن ہے۔ البتہ وہ اس قدر دور بینی کے ناقابل تھا کہ یہ دیکھ سکے کہ فضائیہ کی مدد سے یہ نئے ہتھیار بحری مستقروں پر حملہ کر کے بحری طاقت

۹۔ "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر" ص ۶۷۔

کی جڑوں کو کھوکھلا کر سکیں گے۔ جو بحری مستقر ولدار نہیں ہوتے اور جن کے لیے ساز و سامان فراہم نہیں ہو سکتا۔ انہیں فضائی حملوں کے خلاف سمندر کے راستے بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہانگ کانگ اور سنگاپور کا شمار ان ہی میں ہوتا ہے۔ بحری طاقت پر اثر انداز ہونے والی اکثر تبدیلیاں ریاستہائے متحدہ کے حق میں ثابت ہوئی ہیں۔ اس تحت میں ماہن کے بنیادی عناصر کسی حد تک مشروط ہو گئے ہیں۔ مگر یہ صاف طور پر واضح ہے کہ اساسی طور پر اس کے افکار اب بھی صحیح ہیں۔ جغرافیائی مقام، طبعی ساخت (جس میں قدرتی وسائل اور آب و ہوا شامل ہیں) قومی سیرت اور حکومت، یہ سب آج بھی قوموں کی بحری طاقت کے بنیادی عناصر میں شامل ہیں۔"

(۵)

اگر ماہن کا پہلا مقصد یہ تھا کہ قوموں کے مقدر پر بحری طاقت کا اثر معلوم کرے تو اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ بحری جنگوں کی تاریخ سے ایسے بنیادی اصول اخذ کرے جن پر بحری تزویرات کی بنیاد ڈالی جا سکے اور جنہیں ژامینی کے اصول جنگ کے بالمقابل رکھا جا سکے۔ ماہن نے بارہا تسلیم کیا ہے کہ وہ اس سوئز مصنف کا ممنون ہے۔ اس نے ژامینی کی تحریروں کی مدد سے یہ سیکھا کہ بحری تاریخ "زندہ اصولوں" کا عملی مظہر ہے۔ ژامینی نے اسے یہ بھی بتایا کہ "تدبیراتی اور عسکری عوامل" میں چنداں فرق نہ تھا۔ اسی ماخذ نے اسے مہمول اور لڑائیوں کا تنقیدی تجزیہ کرنا سکھایا۔ بالآخر جو اصول ماہن نے وضع کیے وہ دنیا کی تمام بحری طاقتوں کی پالیسی اور بحری تزویرات کی اساس قرار پائے۔

ماہن اس نتیجے پر پہنچا کہ خشکی کی طرح سمندر پر بھی مرکزی مقام مہاجمی اور دفاعی فائدے کا حامل ہوتا ہے۔ ماہن کے خیال کے مطابق کسی مقام کی تزویراتی اہمیت صرف اس مناسبت پر منحصر نہیں ہوتی جو اس مقام کو تزویراتی خطوط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس کا انحصار اس کی داخلی قوت، اس کے وسائل اور اس کے اردگرد کے علاقے کے وسائل پر بھی ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ کسی مقام کی عسکری اہمیت اس کے گرد قلعہ بندی کے ذریعے بڑھائی جا سکتی ہے۔ البتہ اگر اس کی تمام ضروریات دور دراز سے لانی پڑیں تو اس کی اہمیت اس مقام کی نسبت کم ہو جائے گی۔

"جس کے وسائل اچھے ہیں، اور جو دوستانہ ملک کے ساتھ ملحق ہے"[10] مثال کے طور پر جبرالٹر کے مقام کی اس لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔

ماہن کے اسلوب کے مطابق "مواصلات" کی اصطلاح سے مراد "حرکت کے وہ خطوط ہیں جو بحری بیڑے اور اس کے مقامِ رسلیات کے درمیان واقع ہوں۔ وہ لکھتا ہے "عسکری تزویرات ہوں یا سیاسی ان میں سب سے اہم انفرادی عامل مواصلات ہے۔" اور "بحری طاقت کی برتری کا راز اس میں ہے کہ ان پر قابو پالیا جائے۔" ایسا مرکزی مقام جس سے مواصلات کا تحفظ ہو سکے زیادہ سے زیادہ فائدے کا موجب ہوتا ہے۔

ماہن اس بات پر زور دیتا ہے کہ طاقت کا اجتماع بحری اور خشکی کی جنگ میں یکساں طور پر اہم ترین اصول ہے۔ مرکزی مقام کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاقت کے اجتماع میں آسانی ہی نہیں بلکہ کسی حد تک ترغیب بھی ہوتی ہے۔ اگر کوئی بیڑہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کے خلاف دو دشمن ہوں تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ ایک دشمن کو شکست دے اور پھر دوسرے کو ڈھونڈ نکالے ماہن کو یقین تھا کہ "گزشتہ ادوار کی جنگوں میں فتح و شکست اس بنا پر ہوتی تھی کہ ان کو لڑتے وقت اصولِ جنگ مدِ نظر رکھے گئے تھے یا نہیں۔" اس کے خیال میں یہ کلیہ خشکی اور بحری دونوں قسم کی جنگوں پر عائد ہوتا ہے"[11]

برطانوی اور فرانسیسی بحری جنگ کے نظریات میں جو فرق تھا اس کی وجہ ماہن کے خیال کے مطابق یہ تھی کہ ان دونوں "کی بحری جنگ کے مقاصد میں اختلاف تھا۔ اگر مقصد یہ ہو کہ ساحل کے ایک یا زائد مقامات کا تحفظ کیا جائے تو پھر بحریہ کی حقیقت فوج کے ایک شعبے کی سی رہ جاتی ہے۔ ... یہ فرانس کا نظریہ کہا جا سکتا تھا تاریخ شاہد ہے کہ فرانسیسی بحری جنگ "مقاماتی جنگ" کے ماوراء کچھ نہ تھی اور بیڑے کی تمام کارروائیوں کو مقامات کے دفاع یا حملہ کے تابع کر دیا جاتا تھا۔"[12] ماہن کہتا ہے کہ اس کے برعکس بحری قوار کا اگر اصل مقصد یہ ہو کہ اسے دشمن کی بحریہ پر

۱۰۔ بحری تزویرات۔ ص۔ ۱۳۰۔ ح ۱۶۳

۱۱۔ بحری طاقت کا تاریخ پر اثر۔ ص ۹

۱۲۔ ایضاً ۲۸۸۔ ۲۸۹، ۵۳۳، ۵۳۸ ح

حاوی ہو جاتا ہے اور یوں سمندر کو اپنے تصرف میں لانا ہے تو پھر دشمن کے بیڑے اور اس کے جہاز ہر موقع پر قابلِ حملہ تصور کئے جائیں گے۔" یہ برطانیہ کا نظریہ رہا ہے۔

چونکہ فرانس میں بحریہ کو فوج کا ایک شعبہ تصور کیا جاتا رہا ہے اسی لئے فرانس زیادہ تر کروزر اور تجارت پر چھاپہ مار اقدامات کی طرف متوجہ رہا ہے۔ اس طرح کے اقدامات صرف کم خرچ ہی نہیں تھے بلکہ وہ برطانوی دولت اور طاقت کے عیاں ترین ہدف یعنے اس کی تجارت پر حملہ کرنے کا موقع دیتے تھے۔ امریکہ کی طرح فرانس میں بھی بحری قزاقی کی ہردلعزیزی نے حکومت کو اس طرز کی جنگ کی طرف راجع کیا۔

ماہن کے تزویراتی نظریات کا ماحصل یہ تھا کہ بہرنوع سمندر پر اپنا اقتدار قائم کیا جائے۔ اس کے خیال میں اس کا امکان صرف اسی صورت تھا کہ اتنی طاقتور قمار کا اجتماع عمل میں لایا جائے جو دشمن کی بحریہ اور تجارتی بیڑے کو سمندر سے نکالنے میں کامیاب ہو سکیں۔ وہ لکھتا ہے "اگر بحری بیڑے کا عظیم مقصد یہ نہ ہو کہ دشمن کا تعاقب کیا جائے یا اس سے فرار حاصل کیا جائے بلکہ یہ ہو کہ "سمندر پر قابو پایا جائے" تو ظاہر ہے کہ ایسے بیڑے کی اہم ترین خصوصیت تیز رفتاری نہیں قرار دی جا سکتی بلکہ "مہاجمی عمل کی قوت" ہو گی کسی جگہ "پہلے پہنچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تاوقتیکہ جب دشمن وہاں پہنچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی قوت برتر نہ ہو۔" ماہن کے خیال میں یہ اصول خشکی کی نسبت سمندر پر زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ رفتار فائدہ مند ضرور تھی مگر بارود کے فائدے اس سے زیادہ تھے۔

اگر کسی قوم کی بحریہ بدقسمتی سے کمتر واقع ہوئی ہو تو ماہن اسے مشورہ دیتا ہے کہ اس کے لئے بہترین ترتیب یہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے تئیں ناقابلِ تسخیر بندرگاہ میں بند کر دے تاکہ دشمن کو مسلسل اس کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہنا پڑے اور یوں اس کے بہت سے قمار بیکار ثابت ہوں۔ ماہن نے "موجود بیڑے"* کے نظریئے پر اپنے مضمون "سپین کی جنگ کے سبق" (۱۹۱۸) میں

---

* "موجود بیڑے" کی اصطلاح عساکر میں "موجود قوت" کے طور پر رائج ہے۔ موجود بیڑے سے مراد وہ بیڑہ ہے جو طاقت کے لحاظ سے اتنا کارآمد نہ ہو اور اسے جنگ میں استعمال نہ کیا جائے اور اس طرح امید کی جائے کہ اس کی محض موجودگی دشمن کے بعض دستوں کو مجتمع قوا میں شامل ہونے سے روکے رکھے گی۔ (مترجم)

سیر حاصل بحث کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس طرح کے بیڑے کی اہمیت کو "بے وجہ بڑھا دیا گیا ہے۔ برتر قوت آخر کار کمتر قوت کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گی۔[۱۳]

ماہن نے ایک اور خیال پیش کیا ہے۔ اس کی رائے میں امریکہ کا یہ کہنا کہ اس کی بحریہ "صرف دفاع کے لئے" بھی غلط فہمی پیدا کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں دفاع کے سیاسی معنے عسکری معنوں سے مختلف ہیں۔ اگر "سیاسی معنوں میں یہ کہا جائے کہ بحریہ کا مقصد صرف دفاع ملک ہے" تو ماہن کے خیال میں اس سے یہ مراد ہے کہ "یہ بحریہ اس وقت تک استعمال میں نہیں لائی جائیگی جب تک ہمیں جنگ پر مجبور نہیں کیا جاتا۔" اس کے برعکس اگر عسکری معنوں میں یہ کہا جائے یہ بحریہ صرف دفاع کے لئے مخصوص ہے تو اس سے یہ مطلب نکالا جائے گا کہ یہ بحریہ دشمن کے حملے کا انتظار کرے گی اور دشمن کے مفاد پر حملہ آور نہ ہو گی۔ یہی نہیں بلکہ عسکری معنوں میں دفاع کے لفظ کے استعمال سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اس قدر بے عملی کا ثبوت دیا جائے گا کہ دشمن اپنے حملے اور مقام کا تعین بھی اپنی خواہش کے مطابق کر سکے گا۔[۱۴]

عسکری تیاری کے لئے ضروری ہے، کہ ماہن نے تزویراتی مہاجے اور سیاسی مہاجے میں جو فرق بیان کیا ہے اُسے وقتِ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ماہن نہایت زوردار الفاظ میں کہتا ہے کہ "بحریہ ساحلی دفاع کی ذمہ دار نہیں ہے۔ یہاں دفاع کو ان معانی میں لیا گیا ہے جو عام طور پر استعمال ہوتے ہیں اور جس سے یہ مراد ہو گی کہ وہ بندرگاہوں کی دفاع پر مامور ہے۔" ساحلوں کی "ساکن دفاع" فوج کا کام ہے۔

"اگر محض دفاع کے مقاصد پورا کرنے والی بحریہ کے بجائے اتنی طاقتور بحریہ تیار کی جائے جس کے خلاف دشمن اپنے جہازوں کی بہت بڑی تعداد بحر اوقیانوس کے اس پار بھیجنے پر مجبور ہو جائے تو اسے یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ اس میں اتنے زیادہ جہاز بھیجنے کی اہلیت بھی ہے یا نہیں۔" ابھی ماہن ان نظریات کو تحریر میں لا رہا تھا کہ پُرمغز لوگ یہ سوچنے میں مصروف ہو گئے کہ فنیاتی ترقیوں کا اثر ماہن کے نظریات پر کس قسم کا ہو گا۔ ۱۸۹۵ء میں رائل یونائیٹڈ سروس انسٹی ٹیوٹ

۱۳۔ اسپین کی جنگ کے سبق۔ ص ۵۔

۱۴۔ ہارپر کے ماہانہ مجلہ میں "بحری رسائی میں غلط فہمیاں۔ جلد ۹۰ (جون ۱۸۹۵ء) ص ۴۴-۷۵۔

نے ماہن سے دریافت کیا کہ اس کے خیال میں قریبی ناکہ بندی جس پر پرانی بحری تزویرات کا انحصار تھا۔ آیا اس بھاپ، فولاد اور رتار پیڈو کے زمانے میں اسے جاری رکھنے کے امکانات تھے یا نہیں۔ ماہن نے اثبات میں جواب دیا۔ ان نئے حالات نے "سوال کا دائرہ وسیع کر دیا تھا۔ اس کی نوعیت نہیں بدلی تھی[۱۵]۔"

بڑے جہازوں کا حقیقی خطرہ آبدوز اور ہوائی جہاز کے حملے کی طرف سے پیدا ہوا۔ دشمن کے ہوائی جہاز جو خشکی پر مبنی ہوں ان کے حملے بڑے جہازوں کو تنگ سمندروں میں ازحد زد پذیر بنا دیتے ہیں اور ایسے مقامات پر ان کے اقدامات مختصر عرصے کے لئے محدود ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے بھی انہیں مضبوط ہوائی حفاظت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ کھلے سمندروں میں جنگی بیڑے کے پاس ایک ایک اور آبدوز شکن ہتھیار کافی مقدار میں موجود ہونے چاہئیں۔

(۶)

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ماہن کی طرح کا اثر عالمی واقعات پر چھوڑ جاتے ہیں۔ جب ۱۹۱۴ء میں اس کا انتقال ہوا تو قریب قریب دنیا کے تمام بحری بیڑے اس کا اثر لے چکے تھے۔

امریکی بحری پالیسی پر ماہن کا اثر اس کی کتاب "بحری طاقت کا تاریخ پر اثر" (۱۸۹۰) سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس نے پہلے پہل ۱۸۸۶ء میں جامعہ عسکری میں تقریریں کیں۔ اس لئے ۱۸۹۰ء سے قبل ہی بحریہ کے بہت سے افسر اور جوان جن میں تھیوڈور روزولٹ بھی شامل تھا، اس کے خیالات سے واقف ہو چکے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وزیر بحریہ بی۔ الیف۔ ٹریسی نے بھی اس کی تقریریں سنی ہوں یا ان کے متعلق سنا ہو۔ اس لئے کہ اس کی ۱۸۸۹ء کی سالانہ رپورٹ میں ماہن کے خیالات کا عکس پایا جاتا ہے۔ ٹریسی کی رپورٹ کے تھوڑے عرصہ بعد ایک اور انقلابی دستاویز تیار ہوئی۔ یہ پالیسی بورڈ کی رپورٹ تھی۔ بورڈ نے رائے دی کہ بیٹل شپ تھوڑی تعداد میں تیار کئے جائیں۔ جن کا دائرہ عمل وسیع نہ ہو اور ساحلی دفاع کر سکیں اور زیادہ تعداد میں ایسے بیٹل شپ تیار

۱۵۔ موجودہ غلط فہمیاں۔ ص ۴۵۔

ہوں۔ جن کا دائرۂ عمل وسیع ہو اور جو مہاجمی اقدامات کے قابل ہوں[16]۔ نومبر ۱۸۹۳ء میں وزیر بحریہ ہربرٹ، جو ماہن کی دوسری کتاب "بحری طاقت کا انقلاب فرانس اور فرانسیسی ایمپائر پر اثر" سے متاثر ہو چکا تھا، اس نے اپنے پیش رووں سے بھی زیادہ محکم الفاظ میں بڑے جہازوں کے نظریے کی تائید کی۔ سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس زمانے میں ماہن کی ہر جگہ عزت شروع ہونے لگی۔ ۱۸۹۵ء تک اس کا نام اور اس کی تحریریں ہر جگہ عزت سے دیکھی جانے لگیں۔ ۱۸۹۷ء میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ امریکی بحریہ بہت سی یورپی ممالک کی بحریہ سے کمتر ہونے کے باوجود اس قابل ہو جائے گی کہ براعظم امریکہ کے تمام سمندری راستوں پر قابو پا لے گی[17]۔

جنگِ سپین امریکی بحری طاقت اور امریکی بحری افکار کی ترقی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس جنگ میں ماہن کے تمام تزویراتی نظریئے درست ثابت ہوئے۔ اس جنگ کا واضح ترین پہلو یہ تھا کہ امریکی عوام بحری تزویرات کے اصولوں سے قطعی لاعلم تھے۔ امریکی عوام اور بالخصوص روزنامے تقاضوں پر تقاضے کرتے تھے کہ ہر شہر کے تحفظ کے لئے جنگی جہاز مہیا کئے جائیں حقیقت میں امریکہ کے ساحلوں سے دور امریکی بحریہ جو لڑائیاں لڑ رہی تھی وہ امریکہ کو دن بدن محفوظ بنا رہی تھیں اور یوں ساحلی دفاع کے نظریات غلط ثابت ہو رہے تھے۔ ایک طرف تو سپین کی جنگ نے ماہن کے نظریات کو درست ثابت کیا اور دوسری طرف امریکہ ماہن کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے توسیعی پالیسی پر کاربند ہو گیا۔ حالانکہ ریاستہائے متحدہ نے ماہن کے بحری طاقت کے فلسفے کے وسیع پہلوؤں پر پوری طرح عمل نہ کیا۔ پھر بھی بحری تزویرات کے متعلق اس کے نظریات اور بحری برتری کی ضرورت کو امریکی بحریہ اور ملک نے قبول کر لیا۔ ماہن اور تھیوڈور روزولٹ کی واقفیت بڑھ کر گہری دوستی تک پہنچ گئی۔ بحریہ کے نائب سیکرٹری کی حیثیت سے سپین کی جنگ کی تیاری میں روزولٹ کا خاصا ہاتھ رہا۔ جب ۱۹۰۱ء میں روزولٹ بیت الابیض پہنچا تو ماہن کا بحری طاقت کا فلسفہ بھی وہاں تک پہنچ گیا[18]۔ جب وہ صدر بنا تو وہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ آبنائے پاناما کو کاٹ کر نہر تیار

۱۶۔ سپراؤٹ "امریکی بحری طاقت کا عروج" ص ۲۰۷-۲۰۹

۱۷۔ ایضاً۔ ص ۲۱۷-۲۲۲

۱۸۔ سپراؤٹ۔ پندرھواں باب

کروادیگا۔ اس نہر کے لئے ماہن عرصے سے پروپیگنڈا کرتا رہا تھا۔ ماہن نے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ یہ نہر ایسی صورت میں ریاستہائے متحدہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے کہ اس کے راستوں پر ریاستہائے متحدہ کا اپنا قابو ہو۔ اس وجہ سے روزولٹ نے ساتھ ہی ساتھ بحریہ کی توسیع کا پروگرام بھی شروع کر دیا۔ ہر سال وہ بحریہ میں اضافہ کرتا اور آخر ۱۹۰۵ء تک اس نے بہت کچھ کامیابی حاصل کرلی۔ دس، درجہ اوّل کے بیٹل شپ، چار، مدرع کروزر اور سترہ دوسرے مختلف انواع کے جہازوں کے لئے کانگرس نے اجازت دی تھی۔ اپنی صدارت کے بعد کے برسوں میں اس نے مزید چار بیٹل شپ اور بیس ڈسٹرائر تیار کروانے کی اجازت حاصل کرلی۔ اگر ماہن ایک سال اور یعنی ۱۹۱۵ء کے دسمبر تک زندہ رہتا تو وہ صدر روزولٹ کا کانگرس سے خطاب سن لیتا جس میں اس نے "ایسی بحریہ کی اجازت مانگی تھی جو دنیا کی طاقتور ترین بحریہ کا مقابلہ کر سکے"۔ ۱۹۱۶ء کے بحری قانون کی رو سے ریاستہائے متحدہ کی بحریہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ دنیا کی "کسی بحریہ سے کمتر نہ ہو۔"[۲۰]

(ط)

"انگلستان میں ماہن بہت جلد ہر دلعزیز ہو گیا"۔ ۱۸۸۰ء کے عاشرے میں ملوکیت کی ایک نئی رو برطانیہ میں پھیل چکی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب یورپ کے دیگر ممالک بھی برطانیہ کے مقابلے میں آگئے تھے اور برطانیہ کے لئے اپنے مقام پر قائم رہنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ بڑی مخالفت بحری نو اسلحہ بندی کا باعث بنی۔ برطانیہ اپنی بحریہ کو اشد ضرورت تصور کرتا تھا۔ مگر دوسرے یورپی ممالک جن کے جغرافیائی مقام جزیرائی نہیں تھے اگر وہ بحریہ استوار کرتے تو برطانیہ اسے محض عیاشی تصور کرتا تھا بلکہ برطانیہ کے خیال میں یہ فضول خرچی محض "اس لئے کی جا رہی تھی کہ بالآخر برطانیہ کی بحری طاقت کا مقابلہ کیا جائے۔"[۲۰] ۱۸۸۹ء میں حکومت نے پارلیمان کے سامنے بحری توسیع کا منصوبہ پیش کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ برطانیہ کی بحریہ یورپ کے دو بڑے ممالک کی متحدہ

۱۹۔ سپراؤٹ۔ امریکی بحری پالیسی۔ سولھواں اور اٹھارھواں باب

۲۰۔ اے۔ جے۔ مارڈر۔ برطانوی بحری طاقت کی تحقیق (۱۹۴۰ء) دوسرا باب ص ۱۰-۱۱-۱۳

بحریہ کے برابر ہونی چاہیے۔ اس منصوبے کو "دو طاقتی منصوبہ" کہا گیا۔ ماہن کی کتاب نہایت موزوں وقت پر شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دلائل نے برطانوی سیاستدانوں کو قائل کر دیا کہ ان کے لئے بحریہ کی توسیع نہایت ضروری تھی۔ ماہن نے برطانوی طاقت کا تجزیہ اس خوبی سے کیا تھا کہ عام قاری بھی اسے سمجھ سکتا تھا۔

ماہن ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۵ء کے عرصہ میں امریکی جہازوں کے "رسمی سفر" کے دوران کئی بار انگلستان آیا گیا۔ اور اس کی غیر معمولی قدر و منزلت کی گئی"۔ اسے وزیر اعظم اور ملکہ نے کھانے پر مدعو کیا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں نے اعزازی ڈگریاں عطا کیں اور وہ پہلا اجنبی تھا جسے رائل نیوی کلب نے معزز مہمان کے طور پر مدعو کیا۔" برطانیہ کی بحریہ، وہاں کی حکومت، یونیورسٹیاں غرضیکہ عوام تک اسے خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ وہ واحد اجنبی تھا جس نے "انہیں ان کے ملکی معاملات میں بیش بہا مشورہ دیا تھا۔"

یورپ میں ماہن کا اثر صرف برطانیہ تک محدود نہ تھا۔ ۱۸۹۰ء میں یورپ میں بحری طاقت کے لحاظ سے فرانس دوسرے مقام پر تھا۔ وہاں ماہن کی کتاب کا ترجمہ کیا گیا اور بحری حلقوں میں اس کا مطالعہ نہایت شوق سے کیا گیا۔ کپتان ڈیریس جو فرانس کی جامعہ بحریہ میں تزویرات اور تدبیرات کا استاد رہ چکا تھا اس کتاب سے از حد متاثر ہوا اور خاص طور پر فرانس کی بحری پالیسی کی تنقید سے اتفاق کیا۔ اس نے خود بھی ایک کتاب لکھی جو اسی دور سے متعلق تھی۔ جو ماہن کی کتاب میں زیر بحث رہا تھا اور فرانس کی بحری تزویرات کے متعلق انہیں خطوط پر نکتہ چینی کی جو ماہن نے پیش کئے تھے۔[21] فرانسیسی جامعہ بحریہ کے ایک اور استاد امیر البحر راؤل کیسٹے کی رائے میں ماہن اگر اور کچھ بھی نہ کہتا تو اس کے دو نظریئے "اسے دوامی شہرت دینے کے لئے کافی تھے۔" اولاً سمندر پر قابو پانے کی مستقل اہمیت اور دوم منظم قوت کی ضرورت۔ اس کے باوجود ماہن کے خیالات کو فرانس میں وہ عام شہرت حاصل نہ ہوئی جو انہیں برطانیہ، جرمنی اور ریاستہائے متحدہ میں ملی تھی۔

ریاستہائے متحدہ کے بعد اگر کہیں ماہن کے خیالات نے عملی طور پر تبدیلی پیدا کی تو جرمن

۲۱۔ پولسٹن۔ "ماہن" ص ۱۰۷-۳۲۶

پالیسی پر تھی۔ شہنشاہ ولیم دوم نے حال ہی میں بوڑھے بسمارک کو اس لئے برطرف کیا تھا کہ وہ جرمنی کے براعظمی طاقت بنے رہنے پہ مُصر تھا۔ البتہ قوم اپنے نوجوان بادشاہ کی قیادت میں سمندر پار کی توسیع کا پروگرام مرتب کر رہی تھی۔ "انجمن بحریہ" اور بعد میں "بحری لیگ" نے بحری طاقت کو بڑھانے کے لئے پراپیگنڈا شروع کر دیا تھا۔ اس تحریک کے رہنماؤں نے ماہن کی کتاب کی اہمیت محسوس کرنے میں دیر نہ کی اور فوراً اس کا ترجمہ کر کے اس کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

فرانس اور برطانیہ کے برعکس جرمنی میں بحری روایات کا فقدان تھا۔ اس لئے جرمن افسروں نے ماہن کے پیش کردہ بحری تزویرات کا نظریہ قبول کرنے میں دریغ نہ کیا۔ ماہن کا پیش کردہ تصور، کہ بحری طاقت کی اساس نوآبادیات، سمندر پار تجارت اور بحری قوا پر منحصر تھی جرمن ذہن نے نہایت آسانی سے قبول کیا اور وہ آناً فاناً نوآبادیات اور غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے میں منہمک ہو گئے۔

جرمن بحریہ کی پالیسی کا روحِ رواں الفریڈ فان ٹرپٹز تھا۔ ۱۸۹۷ء سے لے کر پہلی عالمی جنگ تک ٹرپٹز ہی جرمن بحریہ کی انتظامی اور تصوراتی تنظیم کا ذمہ دار تھا۔ وہ ماہن کی تحریروں سے شناسا تھا اور اس نے ہمیشہ ان کی تعریف کی۔ ٹرپٹز کی رائے میں صرف عالمی طاقت یعنے ایسی طاقت جس کے مفاد کرہ ارضی پر پھیلے ہوئے ہوں عظیم طاقت کہلا سکتی ہے۔ اس لئے خشکی پر محدود طاقت کے لئے یہ درجہ حاصل کرنا مشکل ہے اور اس کے لئے بحری قوت کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ٹرپٹز جب وزیر بحریہ مقرر ہوا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے پیشرو کے پروگرام کو بالکل بدل دیا اور جرمن بحریہ میں کروزروں کی تعداد بڑھانے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی بیٹل شپ بیڑہ تیار کرنے کی تجویز پیش کی۔ ٹرپٹز نے بحری قوت اور بیٹل شپ کو ہم معنی سمجھا۔ یہ خیال شاید ماہن کی تحریروں کو سرسری طور پر دیکھنے سے پیدا ہوا ہو۔ اس لئے کہ یہ خیال ماہن کے نظریات کے مطابق ہرگز نہ تھا۔ ٹرپٹز نے بحریہ کی "سیاسی اہمیت" پر بھی خاص زور دیا۔ اس کے خیال میں بحریہ کی موجودگی ریاست کی معاہداتی قدر و منزلت میں اضافے کا باعث تھی۔ اسے امید تھی کہ برطانیہ کو جب یہ خدشہ پیدا ہو جائیگا

کہ جرمن بحریہ سے جنگ کرنے میں شائد وہ سمندروں پر قابو نہ رکھ سکے تو وہ جرمنی سے دوستی کرنے پر رضامند ہو جائے گا اور اسے مراعات دینا بہتر سمجھے گا۔ ہوا یہ کہ نہ تو برطانیہ نے جرمنی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور نہ ہی اس کی بحریہ کے خوف سے لڑائی سے گریز کیا۔ جب جنگ چھڑی تو جرمن بیٹل شپ جرمن سمندروں میں مقید ہو گئے اور اتحادیوں نے ایک بار پھر سمندروں کی کمان عملی طور پر اپنے ہاتھ میں لے لی۔

جنگ کے بعد جرمنی کے بحری ماہروں نے یہ محسوس کیا کہ جنگ کے دوران میں جرمن بحریہ کے کار آمد نہ ہونے کی وجہ غلط تزویراتی نظریات تھے۔ اب ان کا رجحان بالکل مخالف سمت ہو گیا اور دوسری عالمی جنگ سے قبل وہ "غزواتی جنگ" کے قائل ہو گئے۔ اس طرز جنگ کے لئے انہوں نے آبدوز، ہوائی جہاز اور چھاپہ مار جہازوں کا استعمال کیا۔ مگر حقیقت میں یہ طرز جنگ وہی تھی جو فرانسیسی بحری تزویر کار مدتوں سے لڑتے آئے تھے۔[۲۲]

عسکری افکار پر ماہن کے نظریات کے اثر کا ذکر مکمل نہ ہو گا۔ اگر جرمن جغ سیاستدانوں کے نظریات کی نشوونما کا ذکر نہ کیا جائے۔[۲۳] جرمن جغ سیاستدانوں نے بحری قوت کی تاریخ کا مطالعہ صرف اس غرض سے کیا کہ وہ ثابت کر سکیں کہ جزیرائی طاقتوں کے دن اب ختم ہونے کو آئے تھے اور آئندہ خشکی کی طاقتیں برتری حاصل کریں گی۔ "تزویراتی جغرافیہ میں جو تبدیلیاں ریل اور دوسری مشینوں کی وجہ سے آگئی تھیں۔ انہیں ہاشوفر اور اس کے شاگردوں نے بحری قوت کے طرفداروں سے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا۔ انہوں نے سنگاپور اور ہانگ کانگ کی کمزوری کی طرف پہلے سے اشارہ کر دیا تھا۔ لڑائی نے بعد میں ان کا یہ خیال درست ثابت کر دیا۔

جرمن جغ سیاستدانوں نے اکثر ماہن کی تعریف کی ہے۔ ہاشوفر کے خیال میں ماہن جغ سیاسیات کا عظیم المرتبت مفکر تھا: "ایسا پیرو دور بین جس نے ریاستہائے متحدہ کو بلندی و عظمت کی راہ دکھائی"۔ اور جس نے امریکہ کے ریاست کاروں کو "عالمی طاقت کے معنوں میں سوچنا سکھایا اور وسیع مملکت کے خواب دکھائے"۔[۲۴]

۲۲۔ روز نکی "جرمن بحری جنگ کے نظریات" برلسیی کا سالانہ بحری مجلہ۔ ۱۹۴۰۔ ص ۸۸۔ ۱۰۱

۲۳۔ ملاحظہ ہو سولہواں باب۔

۲۴۔ سٹرانز ہوپ۔ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶

اٹھارھواں باب

بحری قوّت کے برِاعظمی نظریات

از۔ تھیوڈور۔ راپ

باوجودیکہ امیر البحر ماہن کے نظریات کو برطانوی اور ریاستہائے متحدہ کے بحری حلقوں میں مقبولیت ہوئی اور جرمن بحری افکار پر بھی ان کا اثر ہوا اس کی تحریریں براعظم یورپ کے مختلف تزویراتی مکتبوں کے نظریات کو مکمل طور پر ختم نہ کر سکیں۔ براعظم کے علمائے نظری نے عام طور پر ماہن کے نظریات کی تعریف کی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس نے ان کے اہم مسائل پر چنداں قلم نہیں اٹھایا تھا۔ یعنے اس نے انہیں کمتر طاقت سے برطانوی بحری طاقت کو تباہ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا تھا۔ ماہن کی تحریریں بنیادی طور پر براعظم کے انشائی مکتبِ خیال یعنے "جیون اِیکول" کا جواب نہیں جس کا آغاز ۱۸۸۰ء کے قریب ہوا تھا۔ جیون ایکول کا مقصد تجارت کو تباہ کرنا تھا۔ اس کا پس منظر برطانیہ کے خلاف وہ پرانی کشمکش تھی جس کے دوران فرانس نے اٹھارھویں صدی میں "غزواتی جنگ" کی طرف رجوع کیا تھا۔ البتہ ان کے اساسی خیالات ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۱ء کی طویل جنگ سے لئے گئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب صنعتی دور کے ہتھیار پرکھے جا رہے تھے۔ جب ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء کی جنگ میں فرانس کو ایسے ملک نے شکست دی جس کی بحریہ محض برائے نام تھی تو بحری علمائے نظری کا رویہ قدرتی طور پر دفاعی ہو گیا۔ اس سے جرمنی اور فرانس دونوں ملکوں میں اس پرانے خیال کی تصدیق سمجھی گئی کہ بحری طاقت کا تعلق تجارت اور نوآبادیات سے ہے۔ اور یورپ کے بین قومی معاملات میں بحریہ کا اثر زیادہ سے زیادہ ثانوی قسم کا ہو سکتا ہے۔

جب تک جنگوں کی تیاری ۱۸۶۶ء یا ۱۸۷۰ء کی جنگ کے طول کو نگاہ میں رکھ کر کی جاتی رہی اس وقت تک بحریہ کا دخل عسکری افکار میں قدرتی طور پر ثانوی قسم کا رہا۔ براعظمی تزویرات

میں بحریہ کے دخل کا امکان برائے نام تھا۔ کم مدت کی جنگ میں نہ تو فرانس اور نہ ہی جرمنی کو ناکہ بندی سے نقصان ہو سکتا تھا۔ انیسویں صدی کے بحری اقدامات قریب قریب سبھی ساحلی جھڑپوں کی قسم کے تھے اور اس عہد کے تزویر کار منظم بیڑوں کے اقدامات کو مکمل طور پر بھول گئے تھے۔ ان دنوں یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ عظیم بحری لڑائیوں کے دن ختم ہو چکے تھے اور کمتر بیڑے کے لئے ممکن تھا کہ وہ "موجود بیڑے" کی شکل میں قائم رہے۔ ۱۸۸۰ء کے عاشرے کے جرمن بیڑے کا تزویراتی مقصد محض اتنا تھا کہ وہ ساحل کا دفاع کرے۔ جرمن بادبانی کروزر جو جرمنی کے سمندر پار مفاد کا تحفظ کر رہے تھے نہ تو لڑائی کر سکتے تھے اور نہ ہی جدید دشمن سے بھاگ نکلنے کے قابل تھے۔

۱۸۸۰ء کے عاشرے کی جنگوں سے جو سبق حاصل ہوئے تھے ان پر عمل کرنے کے لئے اس کے بعد کے معاشرے میں تیز رفتار تارپیڈو کشتی ایجاد ہوئی جسے آج کل کے تباہ کن جہاز کا پیشرو کہا جا سکتا ہے۔ یہ ہتھیار بر اعظمی بحریوں کی مالی مشکلات کا بھی جواب تھا اور ایجاد ہوتے ہی اسے حرکی ساحلی جنگ کے لئے نایاب سمجھ کر قبول کر لیا گیا۔

اس دور میں اٹلی کے بحری نظریات بھی اسی رَو کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے وزنی بیٹل شپ اس مقصد کے لئے تھے کہ سمندر کی جانب سے ساحل کا دفاع کریں اور فرانس کی بمباری یا نزولی اقدامات کو منتشر کر سکیں۔ ان کے ہلکے مدرع تیز جہازوں کا مقصد فرانس کے وزنی جہازوں سے بحیرۂ روم کی کمان حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو محض حرکی "موجود بیڑے" کی شکل میں تھے، تاکہ فرانس کا بیڑہ آزادی سے سمندر کی کمان حاصل نہ کر سکے۔

گو ۱۹۰۰ء کے بعد سے ریاستہائے متحدہ نے دنیا بھر میں سفارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے اس کے باوجود جہاں تک بحری دفاع کا تعلق ہے وہ امریکی نیم کرۂ ارضی تک محدود تھا۔ اسی طرح جاپانیوں نے مقامی طور پر مشرقی ایشیا کے سمندروں کی کمان حاصل کر لی تھی۔ یوں رفتہ رفتہ برطانیہ کی بحری برتری دنیا کے مختلف حصوں سے زائل ہو چکی تھی۔ حالانکہ تعجب اس بات پر ہے کہ اوائل میں امریکہ، فرانس اور جاپان ہی برطانیہ کے اتحادیوں میں شامل تھے۔ روسی جاپانی جنگ کے زمانے میں بھی بعض فرانسیسی مفکروں کی رائے تھی کہ ہند چینی کو جاپان کے حملے سے

بچانا مشکل تھا۔ اسی زمانے سے برطانیہ نے بھی ہانگ کانگ کو زیادہ اہمیت دینا چھوڑ دی۔

بہر کیف یہ تمام خیالات دفاعی تھے۔ برطانوی بحری طاقت پر دباؤ ڈالنے کا سوال ابھی باقی تھا تاکہ سمندری تجارت اور نوآبادیات کی جو اجارہ داری اس نے قائم کر رکھی تھی اور جسے برطانیہ اب بھی وسعت دے رہا تھا۔ اسے ختم کیا جا سکے۔ فرانس نے برطانیہ پر حملہ آور ہونے کے صد سالہ خواب ترک نہیں کئے تھے۔ بھاپ نے رود بار انگلستان کے سفر کو کم کر دیا تھا۔ دوسری طرف برطانیہ اب فرانس کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کے قابل نہ رہا تھا۔ حالانکہ ۱۸۹۰ء کے معاشرے میں یہ سوال تیس سال قبل کے زمانے کی نسبت کم ہو چکا تھا۔ لیکن چین پر جاپان کے حملے نے یہ سوال تازہ کر دیا۔ فرانسیسی تزویر کاروں کا یہ خیال تھا کہ اگر برطانیہ کا حملہ کامیاب نہ بھی ہو سکا تو کم از کم اتنا تو ہو گا کہ برطانوی مبارز فوج کا بیشتر حصہ برطانیہ کے دفاع کے لئے ملک کے اندر ہی رکھنا پڑے گا اور اس طرح فرانسیسی نوآبادیات پر برطانیہ کا دباؤ کم ہو جائے گا۔

امیر البحر آوبے کو اس طرح کے حملے کے منصوبوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کی نگاہ میں برطانوی تجارتی بیڑوں کے خلاف "غزواتی جنگ" کا احیا، بہترین حربہ تھا۔ اب وہ ایسی وجوہات پیدا ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے امید تھی کہ پہلے کی طرح ناکامی کا خدشہ نہیں ہے۔ تاریخ میں پہلی بار انگلستان کے اقتصادی نظام کا انحصار خام اشیاء اور خوراک کی درآمدات پر تھا۔ جدید ایجادات کی وجہ سے اب انگلستان چھاپہ مار جہازوں کو ان کے مستقروں تک محدود نہ رکھ سکے گا۔ یہ امر امریکی خانہ جنگی میں ثابت ہو چکا تھا بعض معمولی ترمیمات کے ساتھ یہ دو عوامل اب بھی جدید تجارتی جنگ میں مدِ نظر رکھے جاتے ہیں۔ آوبے کے ہمعصر برطانیہ کے لئے اپنے سمندر پار رسلیاتی خطوط کے تحفظ کے مسئلے کو اہمیت دینے میں حق بجانب تھے۔

امریکی جہازوں کو خانہ جنگی میں جو عظیم نقصانات ہوئے تھے وہ مالکان جہاز کی وحشت کا نتیجہ تھے۔ خیال تھا کہ ایسی ہی وحشت زدگی شاید برطانیہ کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دے۔ "جیون ایکول" کے مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ برطانیہ میں اس طرح کی اقتصادی ابتری پیدا کی جائے آوبے کی پیش بینی یہ تھی کہ تارپیڈو کشتیاں بھی بحیرۂ روم اور رودبارِ انگلستان میں تجارتی جہازوں کا شکار کر سکیں گی۔

ماہن کی تحریروں کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ "جیون ایکول" نظریات کو ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۰ء تک کی لڑائیوں کے تجربات کی بنا پر غلط ثابت کرے۔ دُوررس مصنفوں کی طرح اس کی تحریروں نے مختلف ملکوں میں مختلف اثر پیدا کئے۔ امریکہ اور جرمنی میں اس کا شمار سمندری تجارت اور ملوکیت کے علمبرداروں میں ہوا۔ فرانس میں اس نے ژامینی اور کلازوٹز کی عسکری اصولوں کو دوبارہ زندہ کیا "جیون ایکول" نے انہیں فراموش کر دیا تھا۔ اِس مکتبِ خیال کا نظریہ "بے غیرتی سے کمزور پر حملہ کرو اور اسی بے غیرتی سے طاقتور سے فرار کرو۔" اگر قائم رہتا تو انجام کار عسکری روح پر مردنی چھا جاتی۔ اس کے برعکس ماہن نے ڈچ سمندری لڑاکوں کی مثال پیش کی جو مہاجمانہ دفاع کی طرف اشارہ کرتی تھی اور کہا کہ کمزور کے لئے یہ سب سے بہتر پالیسی تھی "جیون ایکول" کا یہ تصور غلط تھا کہ فنیاتی تبدیلیاں فوجی اور بحری تزویرات کے اصولوں کو بھی بدل دیتی ہیں۔

جب بسمارک نے برطانوی بحری طاقت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو اس کا طریقہ زیادہ تر سیاسی تھا۔ یہ طریق کار عام طور پر بحری مفکروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہا ہے۔ خیال رہے کہ بسمارک کا طریقہ اسی وقت کامیاب ہو سکتا تھا جب برطانیہ زیادہ اہم مسائل میں دوسرے محاذوں پر خطروں کو محسوس کرتا اور اس کا یہ سیاسی دباؤ تھوڑا بہت اثر پیدا کرتا۔ بسمارک نے نو آبادیات کے لئے جو چھوٹے چھوٹے تقاضے کئے تھے ان کا مقابلہ اسے ایشیا، اور بحیرۂ روم میں برطانیہ کو فرانس اور روس کی جانب سے پیدا ہونے والے خطرات سے کرنا تھا۔ یہ پالیسی اسی وقت تک کامیاب ہو سکتی تھی جب تک کہ انگلستان، فرانس اور روس کو سمندری تجارت اور نو آبادیات میں اپنے حریف سمجھتا جونہی انگلستان کی رائے میں جرمنی حریف تصور ہونے لگا یہ پالیسی بیکار ہو گئی۔

جب ولیم کے تقاضوں نے انگلستان کو روس اور فرانس کے ساتھ نو آبادیاتی سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا تب بھی جرمن بحریہ نے اپنے خاص پروگرام پر عمل کرنا بند نہ کیا جس کی غرض و غائت صرف یہ تھی کہ سیاسی فائدے حاصل کئے جائیں۔ یوں تو جرمن بحریہ قریب تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی کمزوری کمانِ اعلیٰ کی جانب سے تھی۔ مثلاً ۱۹۱۴ء میں ولیم اس کے فرائض میں کچھ بھی شامل نہ کر سکا اور اسے صلح کے معاہدوں کے وقت استعمال میں لانے کے لئے محفوظہ کے طور پر بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ حالانکہ جرمن فوج کا داہنا بازو شلیفن منصوبے میں کلیدی مقام رکھتا تھا۔ جرمن بحریہ نے

اس بازو پر برطانوی فوج کے زوال میں مداخلت کرنے کی کوشش تک نہ کی۔ دنیا کے دوسرے عظیم ترین بیڑے نے چار سال تک جرمن ساحل کے دفاع کے علاوہ کچھ نہ کیا۔ اس نے یہ فرض کما حقہٗ ادا کیا۔ جس طرح فرانسیسی بیڑے نے ۱۸۷۰ء میں ادا کیا تھا۔ بالآخر وہ لا انتہا ساز و سامان جو اس لئے تیار کیا گیا تھا کہ برطانیہ سے نوآبادیاتی مراعات حاصل کی جائیں اس کی حیثیت لوہے کے ٹکڑوں سے زیادہ ثابت نہ ہوئی۔

۱۸۸۰ء کے عاشرے تک "غزواتی جنگ" کو جرمنی میں زیادہ حامی میسر نہ آسکے تھے۔ کسی حد تک اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزی تجارت کی راہیں جرمنی کے ساحل سے دور تھیں اور جرمنی کے قبضے میں سمندر پار مستقر نہیں تھے۔ اس وجہ سے تجارت تباہ کرنے والی آبدوز کے استعمال میں تاخیر واقع ہوئی۔ جب آبدوز کا استعمال شروع بھی ہوا تو بطور اختراع کے آخر تک اس مسئلے کا جواب نہیں دیا جا سکا کہ اگر جرمنی کھلے سمندروں کے طاقتور بیڑے کے بجائے "جیون ایکول" قسم کا بیڑہ تیار کرتا تو آیا اس سے برطانیہ کی برہمی میں کمی واقع ہوتی یا نہ ہوتی۔

۱۹۱۴ء تک ماہن یورپ کے براعظم پر بھی اتنا ہی ہر دلعزیز ہو چکا تھا جتنا کہ وہ انگلستان امریکہ اور جاپان میں تھا۔ اب جرمنی کو ضرورت تھی کہ اس کی بحریہ ماہن کے نظریات کو ذوق و شوق سے قبول کرتی۔ اس لئے کہ اٹلی، رومانیا اور فرانس کے بیڑے انگلستان کے حلیفوں میں قریب قریب شامل ہو چکے تھے۔

فرانس میں "جیون ایکول" کا اثر اس قدر کم ہو چکا تھا کہ اب اسے عسکری اقلیتی فرقے سے زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی اور فرانسیسی بحری پالیسی پر اس کا اثر مفقود ہو چکا تھا۔ عسکری اصولوں سے روگردانی ان کی تباہی کا باعث بنی تھی۔ روس و جاپان کی لڑائی میں فرانس کے حلیف کی شکست سے یہ مراد لی گئی تھی کہ ماہن کے نظریات درست اور قابل قدر تھے۔ البتہ جاپان کی تزدیرات میں جو خامیاں تھیں۔ ماہن کے علاوہ بہت کم مصنفوں نے ان پر گہری نظر ڈالنے کی کوشش کی۔ سرنگ اور تارپیڈو کے حامیوں کو سخت ناکامی ہوئی اور وہ ان کی امیدوں کو پورا نہ کر سکے۔ البتہ انہیں بحری ہتھیاروں میں شامل ضرور کر دیا گیا۔ روس نے جاپان کی تجارت پر جو حملے کئے تھے وہ ناکام رہے تھے۔ روس کے بیڑے کی بے عملی اور "موجود بیڑے" پر بھروسا اتنا ہی بیکار ثابت

ہوا جتنا کہ بعد میں جرمن بیڑے کا خیال غلط ثابت ہوا۔ آبدوز کی صحیح خصوصیتوں کی پیش بینی نہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ "جین ایکول" کو اس عرصے میں کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

پہلی عالمی جنگ سے قبل کے دور کے بہترین انشائی مفکر دو انگریز تھے۔ فریڈ۔ ٹی۔ جین اور جولین کاربیٹ[1]۔ بعض دوسرے انگریز مصنفوں کی طرح انہوں نے بھی "جیون ایکول" اصولوں کو اہمیت دی[2]۔ جین اور کاربیٹ دونوں نے تارپیڈو کشتی کی اہمیت پر زور دیا جس نے بعد میں تباہ کن جہاز کی شکل اختیار کی اور جس نے برتر بیڑے کے اقدامات میں رکاوٹ ڈالی۔ یہ دونوں آدمی اس کے ہم خیال تھے کہ نئی طرز کے جہازوں کی وجہ سے قریبی ناکہ بندی اب شاید ناممکن ہو گئی تھی۔ کاربیٹ کے بغور مطالعہ نے ماہن کی نسبت بہتر تصویر کشی پیش کی اور ان کی وجہ سے متحدہ فوجی اور بحری کارروائیوں کی طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ جرمن "جیون ایکول" کا مطالعہ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ان نظریات کو اس لئے رد کر دیا کہ ان سے کمزوری ٹپکتی تھی اور اُن کا خیال تھا کہ برتر قوت اسی جگہ جائے گی جہاں کمتر بحریہ کی خواہش ہو گی۔

سنہ ۱۹۱۴ اور سنہ ۱۹۱۸ء کی جنگ کے بعد برطانوی بحری نظریات کا دائرہ تدبیرات تک محدود رہا ہے۔ مثلاً جرمن "عظیم بیڑے" کا تارپیڈو حملے سے خوفزدہ ہونا اور برطانوی اعلےٰ کمان کا آبدوزی خطرے کے فوری علاج سے قاصر رہنا۔ امریکی علماء نظری نے بھی برطانوی خطوط پر غور و فکر جاری رکھا۔ برطانوی مفکروں کی طرح انہوں نے بھی ماہن اور کاربیٹ کو درست تسلیم کیا۔ ان کا دشمن کے ساحل کا نظریہ اب تارپیڈو اور سرنگ کی قدر و منزلت کے ساتھ مل جل سا گیا ہے۔ حال میں خشکی پر قائم ہوائی جہازوں کی طرف بھی رجحان ہو گیا ہے۔ فرانس کی طرح برطانیہ بھی سنہ ۱۹۲۹ء سے پہلے ان خطرات کی طرف سے بے پروا نظر آتا تھا جو ان کے امپائر کو لاحق نظر آتا تھا جس پیمانے پر ان کے خلاف سنہ ۱۹۱۴ء میں تارپیڈو استعمال کیا گیا۔ وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ تھے۔

توقع کے مطابق جرمنوں نے اپنے کھلے سمندروں کے بیڑے کی ناکامی کی وجوہات معلوم

۱۔ جین کی بہترین تصنیف "بہترین طاقت کے مفکر" (لندن سنہ ۱۹۰۶ء) کاربیٹ کی کتاب "بحری تزویرات کے چند اصول" (لندن سنہ ۱۹۱۱ء)

۲۔ ان دوسرے مصنفوں میں، ریر البحر پی۔ ایم۔ کولمب شامل ہے۔

کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مباحث نے وہی خطوط اختیار کیے جن پر فرانسیسی مفکر ۱۸۸۰ء کے عاشرے میں توجہ کر چکے تھے۔ بعد از وقت بہت سے جرمن مفکروں نے قیصر کی بحری پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی۔ ہٹلر کی تصنیف "میری جدوجہد" کے نظریات نے بہت دیر بعد یہ تسلیم کیا کہ مشرق کی جانب توسیع کے لیے شہنشاہی بحریہ کو فروغ دینا بنیادی غلطی تھی۔ اب یہ محسوس ہونے لگا کہ ٹرپٹز کا نظریہ غلط تھا جس میں اس نے یہ پیش کیا تھا کہ بحریہ کی طاقت سمندر پار تجارت کی مناسبت کے مطابق ہونی چاہیے۔ یہ خیال تھا بھی غلط فضائیہ کی تعداد مقرر کرتے وقت ہوائی تجارت کی مقدار کو نگاہ میں رکھنا ازحد غلط ہوگا۔

بعض جرمنوں نے "جیون ایکول" کے خیالات کو اپنانے کی کوشش کی ہے مگر وہ اس نظریے میں کسی طرح کا قابل قدر اضافہ نہیں کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایڈمرل ویگنر کی تجویز کہ ناروے کے راستے شمال سے برطانوی جہاز رانی کو تباہ کیا جائے اس قابل تھی کہ اس سے کارآمد نتائج برآمد ہوتے۔[۲] بعض جرمن مصنف اس خیال کے تھے کہ آبدوز کے حملوں کی بجائے سطحی چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ سودمند ثابت ہوگا مگر جنگ کے دوران جرمن پاکٹ بیٹل شپ اور روزنی کروزر اپنے چھاپوں کے ذریعے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے ناروے کے ساحل کے بالمقابل قافلوں کے خلاف اقدامات بھی انہیں جہازوں کے خلاف کسی قدر کامیابی ہوئی۔ ان کے حملوں سے ماہرین کے نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ کمتر بیڑا اگر فعال مہاجمی دفاع کی طرف رجوع کرے تو دشمن کو کافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر پہلی عالمی جنگ کے بعد ایسی تصانیف جن میں انشائیت کا مادہ موجود تھا فرانس اور اٹلی میں جرمنی کی نسبت زیادہ پیش کی گئیں۔ بحیرۂ روم قدرتی طور پر پورے بیڑے کی رواجی چال کاری کی نسبت کارِ خصوصی قوار کی برق رفتار جھڑپوں کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ جنوبی بحرالکاہل کی طرح بحیرۂ روم میں فرانس اور اٹلی کو یہ امید تھی کہ وہ سمندر کو ضروری اشیاء کے نقل و حمل کے لیے استعمال کر سکیں گے۔ ان میں سے ایک کو بھی یہ امید نہ تھی کہ پورے سمندر کی مکمل کمان حاصل کر سکیں گے۔ اس دورانی لڑائی کے لیے دونوں ملکوں نے خشکی پر قائم ہوائی جہازوں

۲- عالمی جنگ کی تدبیرات (برلن ۱۹۲۹ء)

توپوں کی بڑی مقدار سے مسلح کرو زر اور وزنی بیٹل شپ تیار کر رکھے تھے۔ ہوائی جہاز بردار اور ہوائی کشتیاں اس علاقے کے لیے غیر موزوں تھے۔ ۱۸۸۰ء کے دور کا اطالوی بیڑہ صحیح معنوں میں ۱۹۳۰ء کے دور کے بیڑے کا پیشرو تھا۔ اس کا مقصد اب بھی یہی تھا کہ اپنے سے برتر بیڑے کو بحیرہ روم استعمال نہ کرنے دے۔ اسی لیے ۱۹۴۳ء تک بھی اطالوی بیڑہ اس سے زیادہ پرہمت اقدامات کے قابل نہ ہو سکا تھا مگر برطانوی عسکری اور تجارتی قافلوں کے لیے مسلسل خطرے کا باعث بنا رہا تھا۔ خشکی پر قائم ہوائی جہازوں کی مدد سے اس نے اتنا عرصہ اٹلی کی زد پذیر سرزمین کو نزولی اقدامات کے خلاف بچائے رکھا۔ ساٹھ سال قبل کے اطالوی تزویر کاروں نے اس سے زیادہ کامیابی کا خیال ہرگز نہ کیا ہوگا۔

موجودہ دور کے براعظمی تزویر کاروں میں فرانسیسی امیر البحر راؤل کیسٹے سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ عمر بھر کی تصنیف و تالیف کے بعد اس نے بحری تزویرات پر پانچ جلدوں میں اپنی بہترین تصنیف پیش کی[۴]۔ کیسٹے کو شاید ماہن اور "جیون ایکول" کے نظریات کا بہترین مرقع کہا جا سکتا ہے۔ بحری طاقت کی خصوصیات کے بیان میں اور جن عسکری اصولوں پر اس کی اساس ضروری ہے۔ ان کے ذکر کے دوران وہ "جیون ایکول" کی غلطیوں سے پہلو بچا جاتا ہے۔ اسے سمندر کی کمان کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے اور وہ تسلیم کرتا ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش سے منظم قوت کو استعمال کیا جائے۔ عسکری سائنس کے لوازمات کے متعلق اسے ماہن سے پورا کاملاً اتفاق ہے مگر جدید بحری تزویرات کا تجزیہ کرتے وقت وہ "جیون ایکول" کے خیالات کا حامی ہے۔ آذبے اور ڈوہی کی طرح اس کے خیال میں جنگ لڑنے کے مادی وسائل تزویرات کو بدل دیتے ہیں۔ آذبے کی طرح اس کو یقین ہے کہ انگلستان کی حالت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے اور بحری طاقت مستقبل میں اتنی اہم نہ رہے گی جتنی وہ بادبانی جہازوں کے دور میں تھی۔ جیین کے قول کے مطابق اب بحری طاقت کا انحصار خشکی کے مستقروں پر ہوتا جا رہا ہے۔

کیسٹے نے پہلی جلدوں میں یہ پیش کیا کہ ہند چینی کا جاپان کے خلاف دفاع ناممکن ہو چکا ہے

۴۔ تزویراتی نظریات (طبع دوم۔ پیرس ۱۹۳۶ء)

طاقتور بحری قوتوں کا اپنی دور دراز مقبوضات کے دفاع کے ناقابل ہونا بحری طاقت پر نئی پابندی ہے۔ کیسٹے اور دوسرے فرانسیسی تزویرہ کار آخر تک جرمن آبدوزوں کو انگلستان کے لئے زبردست ترین خطرہ تصور کرتے رہے"۔ جیون ایکول" کے غزواتی جنگ کے نظریئے اس وقت تک فرانسیسی بحریہ میں مقبول تھے۔ آبدوز کروزر "سرکوف" کی تعمیر اس رجحان کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ کیسٹے بھی جرمنوں کی طرح اس خیال سے بہت متاثر ہوا تھا کہ اب بری طاقت بحری طاقت کے دباؤ سے دن بدن چھٹکارا حاصل کر رہی تھی۔ مثلاً روس اور چین کے وسیع علاقوں پر بحری طاقت اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کی ایک جلد میں محض بری طاقت اور بحری طاقت کا موازنہ کیا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا ذہن سٹالن کے دور اور چنگیز خاں کے دور کو ہم رنگ سمجھتا ہے۔

انیسواں باب

ڈوہی مچل سیورسکی

فضائی جنگ کے نظریات

از۔ ایڈورڈ۔ وارنر

فضائی طاقت کا ذکر آتے ہی ذہن اڑان اور ہوائی جہاز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے! البتہ جب اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے تو مختلف قسم کے ہوائی جہاز اور ان کی خصوصیتیں زیر بحث آتی ہیں۔ ڈوہی اور دوسرے مفکروں نے فضائی طاقت کے استعمال پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان کے مباحث ازحد کارآمد ہیں۔

فضائی طاقت کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز اپنی رفتار اور بلندیوں پر پہنچنے کی قابلیت کی وجہ سے بری و بحری سطح پر جو مکان و مکین اور اس کے ہتھیار ہوں انہیں تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور خود کسی کارگر نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔

اگر اس نظریئے کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر عسکری اداروں میں فضائیہ کی غیر معمولی ذمہ داری خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ سوال صرف اس کے طریق استعمال کا رہ جاتا ہے۔

فضائیہ کی برتری کے طرفدار ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ سے پہلے جو کچھ کہتے تھے اس کی وقعت پیشین گوئی سے زیادہ نہ تھی۔ جولائی ۱۹۲۱ء میں ریاستہائے متحدہ کی فضائیہ نے تجرباتی مشقوں میں دیرینہ جرمن جہاز آسٹ فریز لینڈ کو غرق کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بلندی سے پھینکے ہوئے گولے نے اتنے بڑے جہاز کو سمندر کی تہ میں بھیج دیا تھا۔

آبدوز کی طرح ہوائی جہاز کے مسائل میں سنجیدگی سے غور کرنے والوں نے محسوس کیا کہ افسانوی دنیا ان پر سبقت لے جا چکی تھی۔ ان مصنفوں کے ہاں عسکری سائنس کے لحاظ سے کوئی

خاص بات نہیں ملتی البتہ فضائی برتری کے نتائج کی انھوں نے نہایت خوبی سے پیش بینی کی تھی ایچ۔ جی۔ ویلز ہوائی حملے کی تصویر کشی خوب کرتا ہے۔

"ایوانِ شہر، عدالتیں اور ڈاک خانہ (نیویارک کا) سیاہ ملبے کا انبار بن چکے تھے۔ دشمن کے ہوائی حملے کا ابھی یہ پہلا ہی دن تھا۔"[1]

اوائل کے عسکری مصنف بھی اپنے ذہن کو اتنی ہی ڈھیل دیتے تھے۔ پہلی عالمی جنگ سے قبل ایک مصنف لکھتا ہے:۔

"ایک شہر کے باشندوں کو جنگ کے اعلان کے بعد نگاہ میں لائیے۔ ان کا جوش و خروش کتنا عظیم الشان ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر تصور کیجئے کہ اس جوش و خروش کے درمیان کچھ انجانی سی چیزیں آسمان پر نظر آتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ پیشتر اس کے کہ ان کے منہ سے ہوائی جہاز کا لفظ ادا ہو ایوانِ پارلیمان کی دھجیاں اڑ چکی ہوں گی۔"[2] یہ تحریر پہلی عالمی جنگ سے پانچ سال قبل کی ہے اور رائٹ برادران کی پہلی اڑان سے چند ہی سال بعد۔ اگر اس زمانے کے ہوائی جہازوں کی خامیوں کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ پیشین گوئی نہایت جرأت مندانہ نظر آتی ہے۔

(۱)

جب فضائی برتری کی تبلیغ ان لوگوں نے شروع کی جو خود جنگ میں شرکت کر چکے تھے تو اس کی اہمیت واقعتہً بڑھنے لگی۔ ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ میں دو آدمی یکساں قسم کی زندگی گزار کر لوٹے اور سالہا سال بعد تک فضائیہ کی توسیع کی کوششوں میں منہمک رہے گیولیو ڈوہی اور ولیم مچل کی زندگی متوازی خطوط پر جا رہی تھی۔ دونوں فوج میں اس وقت شامل ہوئے تھے جب رائٹ برادران نے ابھی اپنی پہلی اڑان نہیں کی تھی۔ دونوں نے اپنے عہد کی عسکری قیادت پر کڑی نکتہ چینی کی اور دونوں کو عسکری عدالت نے سزائیں دیں۔

گیولیو ڈوہی کی پیدائش ۱۸۶۹ء میں ہوئی۔ اس نے ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔ وہ لفٹیننٹ کے عہدے پر اطالوی فوج کے توپخانے میں داخل ہوا اور بہت جلد مشینی رسلیات کا حامی بن

۱۔ ایچ۔ جی۔ ویلز "فضا میں جنگ" (لندن ۱۹۰۸ء) ص ۱۹۷۔ ۲۰۰

۲۔ آر۔ پی۔ ہَرن۔ "فضائی جنگ" (لندن ۱۹۰۹ء) ص ۱۳۶۔ ۱۳۷

گیا۔ اس نے مدھم حرارت کا گیسوں پر اثر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ فضائی طاقت پر اس کی پہلی کتاب ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۱۵ء میں کلی جنگ کا نقشہ اس کے ذہن میں پیدا ہو چکا تھا بلکہ پوری قوم کو فضا سے تباہ کرنے کے منصوبوں پر غور کر رہا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں حکومت اور عسکری قیادت کی نکتہ چینی کی وجہ سے اس کو عسکری عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ عسکری عدالت نے اسے ایک سال قید کی سزا دی۔ ۱۹۱۸ء میں اسے واپس بلا لیا گیا اور سزا معاف کر دی گئی بلکہ اسے مرکزی فضائی شعبے کا ناظم مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں اُسے جنرل کا عہدہ عطا کیا گیا۔ ادبیطالوی دور کے آتے ہی اُسے فضائیہ کا کمشنر مقرر کیا گیا۔ مگر بہت جلد بعد اس نے ملازمت سے علیحدہ ہو کر تصانیف کے ذریعے عوام کو اس اہم مسئلے سے روشناس کرنا شروع کیا۔

ولیم مچل۔ ڈوہی سے دس سال بعد پیدا ہوا اور چھ سال بعد انتقال کیا۔ وہ ۱۸۹۸ء میں پیادہ پٹن میں بھرتی ہوا۔ مگر بہت جلد اسے سگنل کور میں کمیشن عطا کیا گیا۔ اس نے مشینی رسلیات اور ریڈیو کی طرف خاص طور پر توجہ دی گو ۱۹۱۷ء میں جب ریاستہائے متحدہ نے عالمی جنگ میں شرکت کی تو اس نے اپنی توجہ فضائیہ کے نئے شعبے کی طرف منتقل کی۔ جنگ کے بعد اس نے تمام یورپی ممالک کا دورہ کیا اور وہاں فضائیہ کی ترقی کے انتظامات کا مطالعہ کیا۔ اس دورے کے بعد اسے فضائیہ کی کمان سونپی گئی اور بریگیڈیر جنرل کا عہدہ عطا کیا گیا۔ فضائیہ کو فوج سے جدا کرنے کی کوشش کے دوران اس نے کمانِ اعلیٰ کے خلاف چند نامناسب کلمات استعمال کئے۔ اس کی وجہ سے ۱۹۲۵ء کے موسم خزاں میں اسے عسکری عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس نے پانچ سال کے لیے اس کا عہدہ لے لیا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ فوج سے مستعفی ہو گیا اور باقی ماندہ زندگی تحریر و تقریر میں صرف کی جس میں اس نے فضائیہ کو مستقل شعبہ قرار دینے کی تلقین کی۔

(۲)

ڈوہی کی توجہ پہلے پہل ۱۹۰۹ء میں فضائیہ کی طرف منتقل ہوئی۔ اس زمانے میں وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ ہوائی جہاز کی آمد سے مستقبل کی تزویرات کا رخ ہی بدل گیا تھا۔ البتہ اس نے اپنی افکار کو پختگی سے ۱۹۲۱ء میں پیش کیا۔[۳] وہ عسکری مجلات میں اکثر مضامین شائع کرتا رہتا تھا۔

۳۔ فضائی دنیا۔ (دوم ۱۹۲۱ء)

اس کے بعض مضامین افسانوی رنگ میں بھی ہیں مگر نظریات میں افسانویت کے بجائے حقیقت پیش کی گئی ہے۔[۴]

اس کی تحریروں کے تراجم اس کے مرنے کے بعد ہی دوسری زبانوں میں کئے گئے اور نہایت مقبول ہوئے۔ اس کے نظریات کا لب لباب یہ ہے۔

۱۔ ہوائی جہاز مہاجمہ کا ایسا حربہ ہے جس کے خلاف کامیاب دفاع کی پیش بینی نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ آبادی کے مرکزوں کی بمباری سے شہری آبادی کے عزائم تباہ کئے جائیں گے۔ ان بنیادوں پر اس نے اپنے نظریات کو مکمل کیا جن کے اساسی عناصر یہ ہیں۔

ا۔ "قومی دفاع کا خاطر خواہ انتظام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بس فضائی کمان حاصل کر لی جائے۔"[۵]

ب۔ فضائی حملے کا اولیں ہدف عسکری تنصیبات نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ صنعت اور آبادی کے مراکز جو فوجی مقامات سے فاصلے پر ہوں۔

ج۔ دشمن کی فضائیہ کو فضا کی لڑائی میں تباہ نہ کیا جائے بلکہ اس کی زمینی تنصیبات، کارخانوں اور جن مقامات سے اس کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ ان کی تباہی سے اسے ختم کرنا چاہئے۔

د۔ زمینی قوار کی ذمہ داری دفاعی ہونی چاہئے تاکہ وہ محاذ کو قائم رکھ سکیں اور خشکی پر دشمن کی پیش قدمی کو روک سکیں۔ بالخصوص ان کی یہ کوشش ہو کہ دشمن مواصلاتی خطوط، صنعتی مراکز اور فضائیہ کے اداروں پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس دوران میں اپنی فضائیہ دشمن کی طاقت کو شل کرنے اور اس کی آبادی کے عزائم کو تباہ کرنے کی کوشش میں منہمک رہے۔

ھ۔ دشمن کے بمباروں کے خلاف خصوصی قسم کے لڑاکا ہوائی جہاز تیار رہنے چاہئیں۔ بنیادی طور پر ہوائی جہاز کی ساخت اس طرح کی ہونی چاہئے کہ وہ بمباری کے علاوہ اپنا بچاؤ بھی کر سکے اور اگر ضرورت پڑے تو صرف فضائی لڑائی کے لئے استعمال کیا جائے۔

اس استنتاج کی پہلی شق پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو ملک اپنے مخالف کے خلاف اپنی

۴۔ "۱۹-۱۹ء کی جنگ" فضائی مجلہ (مارچ ۱۹۳۰ء) ص ۴۰۹-۵۰۲

۵۔ فضائی کمان۔ ص ۲۸

مرضی کے مطابق ہوائی کارروائی جاری رکھ سکے اس کی کامیابی میں شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ البتہ جس درجہ کی فضائی کمان کا تخیل ڈوہی نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا۔ اس کو حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اس کا دوسرا مفروضہ بعد میں عام طور پر درست تسلیم کرلیا گیا۔ یہ خیال نیا نہیں تھا۔ ۱۹۱۴ء سے قبل کی کتابوں میں بھی صنعتی مرکزوں کی تباہی کا ذکر موجود ہے۔

مگر ڈوہی پہلا شخص ہے جس نے صنعتی مرکزوں کی بمباری کو اپنے نظریئے میں مرکزی مقام دیا۔ البتہ اس کا خیال کہ فضائی بمباری شہری آبادی کے عزم کو تباہ کر دیگی۔ درست ثابت نہیں ہوا۔ منطقی طور پر وہ نوبت پہنچ سکتی ہے۔ جہاں کسی ملک کی پوری آبادی کی قوت برداشت ختم ہو جائے۔ مگر عملی طور پر دنیا نے ابھی وہ حد قائم نہیں کی جب ملک کی آبادی الامان کہتی ہوئی شکست تسلیم کرلے۔

ڈوہی نے شہری آبادی اور صنعتی مرکزوں کی تباہی کے سوال کا نہایت باریکی سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کے خیال میں: "۵۰۰ گز کے قطر کے لئے ۲۰ ٹن بم کافی ہوں گے۔" اس حساب سے ایک مربع میل علاقے کو تباہ کرنے کے لئے ۲۵۰ ٹن بم درکار ہوں گے۔ آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ ایک ہزار بمباروں کے بیڑے کی مدد سے اس رقبے کے پچاس علاقے ایک دن میں تباہ کئے جاسکیں گے۔ سنہ ۱۹۴۰ء بسنہ ۱۹۴۱ء کے تجربات نے اس کے ان تخمینوں کو بری طرح غلط ثابت کیا۔

ایٹمی بم کے نتائج کے متعلق ڈوہی کے خیالات درست نکلے۔ البتہ گیس بم کے خطرات ابھی تک صحیح ثابت نہیں ہو سکے۔ وہ ہتھیاروں پر پابندیاں لگانے کا قائل نہیں تھا۔ "شخصی مفاد کے تحفظ کے فطری جذبے کے تحت رسم ورواج اور انسانی قدریں اپنی وقعت کھو دیتی ہیں۔ (ایسے موقعوں پر) صرف ایک ہی اصول قابلِ توجہ رہ جاتا ہے یعنے تباہی سے بچنے کے لئے دوسرے کو تباہ کر دیا جائے۔[6]"

حالانکہ ڈوہی فنکار اور سائنس دان تھا اس کے باوجود ہوائی مہندسی کے مسائل میں اس کی دسترس بہت محدود تھی اور اس نے ہوائی جہازوں کی ساخت کے اخراجات کا اندازہ بہت

۶۔ فضا کی کمان۔ ص ۳۰۹

کم لگایا۔ اس کا یہ نظریہ کہ ہوائی جہاز کی ساخت ایسی ہو کہ اس سے لڑاکا اور بمبار دونوں کام لئے جائیں۔ عملی طور پر اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ اس نے ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ وہ لڑاکا ہوائی جہاز کو بیکار نہیں سمجھتا تھا۔ البتہ اس کا مقصد یہ تھا کہ صرف ایک ہی کام لینے کے لئے جو ہوائی جہاز تیار کئے جائیں ان سے اخراجات بے وجہ بڑھ جاتے ہیں۔

ڈوہی کے علاوہ اور بھی تجربہ کار افسر تھے جو لڑاکا ہوائی جہاز کے چنداں مداح نہ تھے۔ ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء میں جس آسانی سے امریکی بمبار لڑاکا ہوائی جہازوں کے جال سے نکل کر واپس اپنے مستقر کو لوٹنے میں کامیاب ہوتے رہے۔ اس سے ڈوہی کے خیالات کی تائید ہوتی ہے۔

ڈوہی اس تعدد کارکردگی میں ایک قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ عسکری اور تجارتی استعمال کے ہوائی جہاز کی ساخت میں فرق قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "عسکری اور سول ارباب تنظیم کی متفقہ رائے سے یہ ممکن ہے کہ سول ہوائی جہازوں کو فوجی کاموں کے لئے استعمال کیا جا سکے۔" البتہ وہ مانتا ہے کہ ایسے جہازوں میں دونوں خصوصیتیں کماحقہٗ پیدا نہیں کی جا سکتیں۔ مگر اس کی رائے میں اس طرح ملک کے وسائل کا بہترین استعمال کیا جا سکتا ہے۔ "جنگ کے لئے جم غفیر کی ضرورت ہوتی ہے اور جم غفیر اوسط پر محمول ہوا کرتا ہے۔ فضائیہ کو بھی ایسے جہازوں کی ضرورت ہوتی ہے جن میں اوسط خاصیتیں موجود ہوں۔

ڈوہی کے خیال میں فتحمند فضائیہ کے پہلے دن کے اقدامات میں اس کے ہوائی جہازوں کا تیسرا حصہ ضائع ہو جائیگا۔ ڈوہی محفوظات کا قائل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں تمام فضائی قوت پہلے دن استعمال کر دینی چاہئے۔ اپنی قوت کا کچھ حصہ باقی رکھ لینے سے دفاعی ذہنیت کا پتا چلتا ہے جسے وہ از حد گراں بہا سمجھتا تھا۔ اس نے دفاعی انتظامات کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ جیسے ان میں ترقی کے امکانات ہی نہیں تھے۔ ریڈیو کے ذریعے حملہ آور ہوائی جہازوں کا پتا لگانا اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ وہ لڑاکا ہوائی جہازوں سے بمباروں کو گرا لینا اتفاقی امر سمجھتا تھا۔ ایک ایک کے استعمال کو بھی اس نے چنداں وقعت نہیں دی "ہوائی جہازوں کے خلاف توپوں کا استعمال بارود کا ضائع کرنا ہے۔"

اس کی سب سے بڑی غلطی ہوائی جہازوں میں رفتار کی اہمیت کو قبول نہ کرنا تھا۔ اس نے اپنی نگاہ کو صرف قوت پر قائم رکھا۔ وہ رفتار کا کہیں کہیں ذکر کرتا ہے مگر اس بات پر قائم رہتا ہے کہ باقی خصوصیتوں کے مقابلے میں اس کی اہمیت کم ہے۔ "چاہے بمبار ہوں یا لڑاکا ہوائی جہاز نہیں درمیانی رفتار سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔"

اس نے بحری، بری اور فضائی قوار کی تنظیمات کو متحد کرنے کی تلقین کی ہے ۔ ۱۹۱۸ء کے جلد بعد اس نے "کلی جنگ" کا ذکر شروع کر دیا تھا جس میں یہ تینوں بیڑے متحد ہو کر ایک ہی مقصد کے لئے استعمال کئے جاتے۔ وہ کہتا ہے۔ "بری، بحری اور فضائی جنگ کے نظریات موجود ہیں۔ موجود ہی نہیں بلکہ سنوارے جا رہے ہیں اور انہیں ترقی دی جا رہی ہے۔ البتہ" جنگ کے نظریات مفقود ہیں۔" اس نے قومی دفاع کو ایک ہی وزارت کے توسط سے منظم کرنے کا مشورہ دیا جس میں اُسے کامیابی ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں روم میں یہ وزارت قائم کر دی گئی۔

ڈوہی کی تحریریں ازحد مقبول ہوئیں۔ اس کے خیالات کی تائید بعد کے مصنفین نے بھی کی اور دوسری عالمی جنگ کے تجربات نے بھی انہیں صحیح ثابت کر دیا۔ ان تجربات نے بعض مسائل میں اسے غلط بھی ثابت کیا۔ البتہ مجموعی طور پر موجودہ رجحانات اس کے پیش کردہ خطوط پر جاری ہیں مارشل بیٹاں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اسے مستقبل میں فضائیہ کا پیغمبر مانا جائیگا۔

(۳)

جنرل مچل اور ڈوہی ہمعصر تھے۔ دونوں کے درمیان بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ البتہ ڈوہی کی شہرت کچھ تو اتفاقی تھی اور کچھ اس کے خیالات کی وضاحت کی وجہ سے تھی۔ علاوہ ازیں امریکہ کی نسبت یورپ کے عوام دفاعی معاملات سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

مچل کی تحریریں اور تقریریں سخت مخالفت کا باعث بنیں۔ جوں جوں اس کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی وہ اپنے کام میں زیادہ منہمک ہوتا جاتا تھا۔ چونکہ اسے اپنے خیالات کی صحت کا یقین تھا اس لئے وہ ہر اختلاف کو احمقانہ رجعت پسندی، خود غرضی یا بے ایمانی پر محمول کرتا تھا فضائی نظریات میں اس کا شوق طالب علموں کا سا تھا: "مجھے یا جنرل بیٹیکو کوئی حق نہیں کہ

عساکر کے ایک یا دوسرے شعبے کی برتری کا فیصلہ کرے۔ یہ کسی انسان کی خواہش کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ واقعات اور حقیقت ہی اس پر فیصلہ دے سکتی ہے۔۔۔۔"

ڈوہی کی طرح مچل کا نظریہ بھی یہ تھا کہ دشمن کے اقتصادی اور صنعتی مرکزوں پر حملہ بہترین نتائج پیدا کرے گا۔ شہری آبادی کے عزم کی کمزوری میں بھی وہ اس کا ہم خیال تھا۔ مچل نے ۱۹۱۸ء کے بعد کی تحریروں میں فضائی اور بری قوا کے باہم مل کر اقدامات کرنے پر بہت زور دیا مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی نگاہ میں بری فوجوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اور اسی مناسبت سے فضائی قوا کی قابلیت میں اس کا اعتماد بڑھتا گیا۔ اس نے دشمن کی بری فوجوں کو فضائی حملوں سے تباہ کرنے کے خیال کو البتہ قائم رکھا۔ اس بارے میں اسے ڈوہی سے اختلاف تھا جو دشمن کی بری فوجوں کو قابل اعتنا نہ سمجھتا تھا اور دشمن کے مادی وسائل اور شہری آبادی کے عزم کو تباہ کرنے پر ہی اکتفا کرنا چاہتا تھا۔ اس فرق کی اساس کچھ تو قومیت پر مبنی تھا اور کچھ جغرافیائی اختلافات کی بنا پر مچل کا عقیدہ بن گیا تھا کہ فضائیہ کے سامنے سطحِ آب پر کوئی بحری قوت قائم نہیں رہ سکتی۔ "اگر یہ (دو ہزار پونڈ کا) بم کسی جہاز کے قریب پڑیگا تو اس کا زیر آب زلزلی اثر اتنا زیادہ ہوگا۔ کہ وہ جہاز کے پیندے کو دوہرا کر کے جہاز کو غرق کر دیگا"۔ درست کہ جنگ کے دوران بہت سے جہاز ہوائی عمل سے غرق ہوئے مگر اتنی آسانی سے اس کام کی تکمیل نہ ہو سکی جتنا مچل کا خیال تھا۔

جنگ کے دوران ہواباز رہنے کی وجہ سے جنرل مچل کو فضائی تدبیرات کا تجربہ اور علم ڈوہی سے بہت زیادہ تھا۔ اس نے اپنی تمام قابلیت نئے تدبیراتی طریقے معلوم کرنے میں صرف کر دی اس کی دُور رس تجاویز میں سے نہایت ہی کارآمد تجویز چھتری بردار دستوں کے متعلق تھی جنہیں وہ دشمن کی صفوں کے پیچھے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ یہ تجویز اس نے ۱۹۱۸ء میں پیش کی۔

اس نے ڈوہی کی طرح ایسے ہوائی جہاز کی رائے پیش نہیں کی جس سے ہر طرح کے کام کیے جاسکیں۔ رلیٹا کا ہوائی جہاز اس کی نگاہ میں نہایت کارآمد تھا، خصوصاً ان موقعوں پر جہاں فریقین کے ہوائی جہازوں کا ایک دوسرے کے بالمقابل ہوجانے کا امکان تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

۷۔ ولیم مچل: "سوئے آسمان" (فیلاڈلفیا اور لندن ۱۹۳۰ء) ص ۲۶۷

"یورپی جنگ میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فضائی حملے کے خلاف بہترین دفاع کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دشمن کی فضائیہ کو فضائی لڑائی میں مار بھگایا جائے۔ ۸"

ڈوہی اور مچل کے نظریات میں اختلاف جغرافیائی وجوہات کی بنا پر تھا۔ ڈوہی نے جو کچھ لکھا وہ اطالوی ہونے کی حیثیت سے لکھا اس کے نظریات کی کسوٹی اٹلی کے مسائل تھے۔ اٹلی ایسا ملک تھا جس کے دشمن فضائی دائرۂ عمل کے اندر رہتے اور جہاں کی کوہستانی سرحد کو دشمن تیز رفتاری سے عبور نہیں کر سکتا تھا۔

"قدرتی طور پر میرے ذہن میں سب سے پہلے میرے اپنے مسائل ہوں گے اور میں ان حالات کو نگاہ میں رکھ کر رائے پیش کر دوں گا جو اٹلی کو ممکن دشمنوں کی طرف سے پیش آ سکتے ہیں میں مانتا ہوں کہ جو نظریات میں پیش کرتا ہوں ان کے پس منظر میں یہ احساس موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ نظریات دوسرے ملکوں کے حالات پر عائد نہیں کرنے چاہئیں۔ اگر میں جاپان اور امریکہ کے درمیان جنگ پر غور کر رہا ہوتا تو بھی ان نتائج پر شاید نہ پہنچتا۔ . . . . ۹"

مچل کے خیال میں یورپ اور امریکہ کے درمیان منجمد شمالی کے اوپر سے ہو کر فضائی راستہ بہترین تھا۔ اپنی فوجی زندگی کے اوائل میں ہی اس نے الاسکا کے متعلق یہ رائے قائم کر لی تھی کہ اس کو بحر الکاہل کی تزویرات میں آئندہ خاصی اہمیت حاصل ہوا کرے گی۔ ہوائی جہاز اور اس کی روز افزوں ترقی نے اس کے اس خیال کو اور بھی تقویت دی۔ جب وہ فضائیہ کا نائب کمانڈر تھا تو اس نے تین ہوائی جہاز دنیا کے گرد روانہ کئے جنہوں نے بحر الکاہل اور اوقیانوس کو ان جزیروں کے راستے عبور کیا جن کے متعلق مچل کا خیال تھا کہ وہ امریکہ کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں ورنہ امریکہ کے تحفظ کو ان سے خطرہ ہو سکتا تھا۔ گرین لینڈ اور آئس لینڈ سے ہو کر گزرنے والا راستہ جسے اس نے اہم قرار دیا تھا آج استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں جاپان کا الیوشین جزائر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جانا اس کے خیالات کی تائید کرتا تھا البتہ جاپان نے ان اقدامات میں بحری بیڑے کا استعمال فضائیہ کی نسبت زیادہ کیا تھا۔

۸۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۹۶

۹۔ "فضا کی کمان۔" ص ۲۵۲۔ ۲۵۳

اس کی بہت سی پیش گوئیاں درست ثابت ہو چکی ہیں۔ باقی ماندہ بھی شاید مستقبل میں صحیح اتریں مگر کئی فنیاتی ترقیاں جو اس کے خیال میں فوراً وجود میں آنے والی تھیں آج اس کی تحریروں کے پچیس سال گزرنے کے بعد بھی عملی صورت اختیار نہیں کر سکیں۔ جنرل مچل کا ذہن ایجادگن قسم کا تھا۔ اسے رکاوٹوں سے نفرت تھی اور جو شے بھی اس کی راہ میں حائل ہوتی وہ اسے ہٹا کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا۔ ترقی کی سمت کا اسے علم ہوتا تھا۔ البتہ بعض اوقات وہ رفتار کے تعین میں غلطی کر بیٹھتا اور اسی وجہ سے کئی بار اس کے حامی اس کی مخالفت پر مجبور ہو جاتے۔

(۴)

الیگزنڈر۔ڈی۔ سیورسکی پہلی عالمی جنگ میں فضائیہ کا ہوا باز تھا۔ بعد میں وہ موجد اور طرز کار بنا اور اپنے تیار کردہ جہازوں کا اڑان کے دوران تجربہ کیا کرتا تھا۔ اس نے فضائی طاقت اس کے استعمال اور ترقی کے متعلق اپنے خیالات اپنی تصنیف "فضائی طاقت کے توسط سے فتح"[۱۰] میں پیش کئے ہیں۔ اس کے خیالات عام طور پر مچل سے مطابقت کرتے ہیں جسے وہ اپنا استاد مانتا ہے۔ اپنی کتاب کا انتساب بھی اس نے جنرل مچل کے نام کیا ہے۔ وہ مچل کے نظریات کو موجودہ دور تک لے آتا ہے اور دوسری عالمی جنگ میں جرمن فضائیہ کی برطانیہ کے خلاف ناکامی کی وجوہات پیش کرتا ہے۔

جو بات اسے دوسرے مصنفین پر سبقت دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیورسکی بار بار وسیع دائرہ عمل پر زور دیتا ہے اور پیشتر کے تمام تخمینوں سے اپنے امکانی دائرے کو بڑھا کر پیش کرتا ہے۔ وہ اس حد تک آگے بڑھ گیا ہے کہ اس کے خیال میں فضائیہ کو زمینی تنظیم سے بالکل آزاد ہونا چاہئے۔ اس کے خیال میں وہ وقت دور نہیں جب دور زمین اڑان ممکن ہو جائے گی اور یوں فضائیہ کو جگہ جگہ پر مستقر بنانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ مچل نے اس سے سترہ سال قبل لکھا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ پانچ سال کے عرصے کے اندر دور زمین پچیس ہزار میل کی اڑان ناگزیر ہو جائیگی"[۱۱]

۱۰۔ نیویارک ۔ ۱۹۴۲

۱۱۔ ایضاً ۔ ص ۱۴

ممکن ہے وہ درست ہو البتہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طرز کاری کی رفتار اور فنیاتی ترقیوں کی موجودہ رفتار کو از حد تیز کرنا پڑے گا۔ ہوائی جہاز کے لئے بغیر رُکے دورِ زمین گردش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہوائی جہاز کے وزن کا پچھتر فیصد ایندھن پر محمول ہو۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ ہواباز، انجن، عسکری ساز اور باقی تمام چیزوں کا وزن پچیس فیصد رہ جائیگا۔

ان تمام رکاوٹوں کے باوجود سیورسکی کو یقین ہے کہ ہوائی جہاز کے دائرہ عمل میں اضافہ ہو سکے گا۔ وہ بار بار تنبیہ کرتا ہے کہ جو ملک اس پہلو سے کوتاہی برتے گا اُس کا حشر اچھا نہ ہوگا۔

دائرہ عمل میں کمی ہٹلر کی تباہی کا باعث تھی"[۱۲]

چونکہ سیورسکی کو یقین تھا کہ خشکی پر قائم ہوائی جہاز بہت دور دراز تک بھیجے جا سکیں گے اس لئے وہ طیارہ بردار جہاز کو بیکار کہہ کے ختم کرنا چاہتا ہے۔

اگر اخراجات مانع نہ ہوں تو دنیا کی ہر فضائیہ کے افسر یہ چاہیں گے کہ "خشکی پر قائم" ہوائی جہاز ہی استعمال کئے جائیں اور پیش مستقر تیار کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ البتہ گزشتہ چالیس سال سے جس طرح ہوائی جہاز میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کا ہوائی جہاز نہایت مہنگا پڑے گا۔ اگر چھ ہزار یا آٹھ ہزار میل تک کے دائرہ عمل کا ہوائی جہاز تیار بھی کیا جا سکے تو بھی قریب کے مستقر سے اس کے استعمال پر کم خرچ آئے گا۔ بشرطیکہ اس کا ایندھن مقامی ذرائع سے فراہم ہو سکے۔

سیورسکی کی کتاب کا بیشتر حصہ پیش بینی پر محمول ہے۔ جب وہ صیغہ مستقبل استعمال کرتا ہے اس وقت بھی اس پر خوش فہمی کا الزام لگایا جا سکتا ہے اِس لئے کہ جس رفتار سے وہ ہوائی سائنس کی ترقی کی امید کر رہا ہے وہ عملی طور پر ممکن نہیں۔ جب وہ مستقبل کی جنگ کی نقشہ کشی کرتا ہے تو اپنے پیشروؤں کی غلطیاں دہراتا ہے۔

"کرۂ ارض کے کونے کونے سے دونوں سمندروں کے اُس پار سے' بڑے بڑے دیو قامت بمبار اپنے اپنے لڑاکا ہوائی جہازوں کے سلسلے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ پر بڑھے آرہے ہیں ان دمدموں کے پرے کے پرے چلے آرہے ہیں۔ ہر ایک پچاس ٹن وزن کا خطرناک ترین رنگی

۱۲- ایضاً ص ۱۳۶

مادہ اٹھائے ہوئے ہے۔۔۔[۱۳]

درست کہ اس قسم کی پیش گوئیاں اکثر کی گئی ہیں مگر محض اس وجہ سے ایسی پیش گوئیوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آج تک وہ درست ثابت نہیں ہوئی ہیں تو یہ کوئی وزنی دلیل نہیں کہ آئندہ بھی ان کا صحیح ثابت ہونا بعید از قیاس ہے۔ اگر مستقبل میں بھی قوموں نے اپنے اختلافات جنگ کے ذریعے رفع کئے اور ہوائی جہاز کی ساخت اور استعمال میں ترقی کی رفتار یہی رہی تو زود یا بدیر یہ پیش گوئیاں درست ثابت ہو کر رہیں گی عسکری افراد کو ان کی تکمیل کے لئے تیار رہنا پڑے گا۔ ان کا توڑ اُس وقت تیار نہیں ہو سکے گا اور اگر ہوگا تو بعد از خرابیٔ بسیار۔ ضروری ہے کہ ان کا جواب ابھی سے سوچ رکھا جائے اور ان کے مقابلے کے لئے منصوبے تیار کر لئے جائیں۔

[۱۳] ایضاً۔ ص۔ ۸۰۷

بیسواں باب

فضائی نظریات کا ارتقار

از۔ برنارڈ۔ بروڈی

عسکری تزویرات انسانی علوم میں سب سے پرانا ہوتے ہوئے بھی سب سے کم ترقی یافتہ ہے۔ توقع بھی یہی کی جاسکتی تھی۔ اس کے جاننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ نظریہ دان ہونے کی بجائے عملی انسان ہوں اور فیصلہ صادر کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ فتح اس علم کو حاصل ہے اور صحیح اندازے کا اِس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔

کسی حد تک نظریات کا دخل ہونا بھی ضروری تھا۔ مگر باقی عسکری ساز و سامان کی طرح اسے بھی وزن اور حجم میں کم ہونا تھا تاکہ آسانی سے بند کر کے اسے میدانِ جنگ میں لے جایا جاسکے۔ اسی لئے وقتاً فوقتاً جو تزویراتی نظریات بھی قبول ہوئے انہیں فوراً مختصر کر کے اصولی مقولوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ان ہی مقولوں کو بعد میں "اصول" کہا گیا۔

یہ "اصولِ جنگ" مٹھی بھر علمائے نظری کی تصانیف سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ان میں اکثر کو تہہِ خاک ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں عجیب بات یہ ہے کہ ان علمائے نظری نے انتہائی عملی پیشے میں قابلِ قدر مقام پایا ہے۔

فضائیہ کی عمر اتنی کم ہے کہ اس کے علمائے نظری کی صف میں صرف ایک نام معروف ہوسکا ہے مگر اس ایک شخص کی رائے کے سامنے ہر ایک نے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ جنرل گیولیو ڈوہی آج جب فضائیہ کے افکار اتنے ترقی کر چکے ہیں اب بھی مطالعہ کے قابل ہے۔ حقیقت میں فضائی تزویر کار اس سے آگے یا اس سے ہٹ کر نہیں جاسکے۔

ڈوہی کا بنیادی مضمون "فضا کی کمان" ملخص ترجمے کی صورت میں ۱۹۳۰ء کے عاشرے کے وسط میں امریکی افسروں نے نہایت شوق سے پڑھا[1]۔ ہم جانتے ہیں کہ فضائیہ کے نظریات

۱۔ جنرل ایم۔ ایچ آرنلڈ "دورِ زمین فریضہ" (نیویارک ۱۹۴۱) ص ۱۴۹

نے محض ڈوہی کے تزویراتی بمباری کے عقیدے کے مطابق ہی ترقی نہیں کی بلکہ اس کے فلسفہ کی بعض باریکیاں بھی قبول کر لی گئیں۔ مثلاً لڑاکا ہوائی جہاز کو اہمیت نہ دینا اور اسی مناسبت سے دشمن کے بمباروں کو ان کے مستقروں پر برباد کرنے کی اہمیت پر زور دینا ظاہر ہے کہ فضائیہ کے افسروں نے فضائیہ کے مستقل مقام اور آزاد منصب کے خیال کو خوش آمدید کہا ہو گا۔

ڈوہی کی کامیابی مکمل تھی۔ اور فوری بھی۔ صرف امریکی فضائیہ میں ہی نہیں بلکہ ہر اُس فضائیہ میں جہاں انتظامی اور ذہنی آزادی موجود تھی لیفٹننٹ جنرل اڈالف گیلانڈ کہتا ہے۔ "جرمن فضائیہ میں ڈوہی کے خیالات کو جنگ سے قبل کافی مقبولیت ہوئی[۲]"

باقی براعظمی فضائیوں کی طرح جرمن فضائیہ بھی بری قوار کے ساتھ وابستہ تھی جس طریقے سے جرمن فضائیہ کو برطانیہ کی لڑائی میں استعمال کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فوج اور بحریہ کی ضروریات کو پورا کرنے پر خوش نہیں تھے۔ فضائیہ کے افراد مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ وہ اپنی جنگ علیحدہ لڑیں گے اور جہاں تک ممکن ہو سکا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

دوسری عالمی جنگ کے موقع پر صرف دو فضائیہ ایسی تھیں جنہوں نے ڈوہی کے خیالات قبول نہیں کیے تھے۔ وہ روس اور جاپان کی فضائیہ تھیں۔ جاپان میں صرف یہی نہیں کہ فضائیہ تنظیمی طور پر بحریہ اور فوج کے تحت تھی بلکہ فوج اور بحریہ کے ارباب اختیار حکومت پر بھی قابض تھے۔ اتحادِ شوروی میں عساکر مکمل اور انتہائی طور پر حکومت کے زیر حکم تھیں۔ سن ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخری برسوں میں وسیع پیمانے پر تطہیر کی وجہ سے بہت اعلےٰ درجے کے فوجی افسر نکال دئے گئے تھے۔ تطہیر کے ماحول میں نئے خیالات پیدا نہیں ہوا کرتے۔

سپہ سالاروں کا خاتمہ کر چکنے کے بعد اتحادِ شوروی کے علمائے نظری کا رہنما وہی شخص تھا جو ملک کے سیاسی، سماجی اور عصبیاتی نظریات کو وجود میں لا رہا تھا۔ اس کا نام جوزف سٹالن تھا۔ البتہ ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ سٹالن کو فنون عسکری کا علم نہیں تھا۔ اس نے کلازوٹز کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ ڈوہی کا بہترین اور قابل قدر کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ژامینی کے پیش کردہ پرانے مقولے "جنگ کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ مگر اصول کبھی نہیں بدلتے" کو مہمل

۲۔ "جرمن فضائیہ کی شکست۔ بنیادی وجوہات" جامعہ فضائیہ کا سہ ماہی مجلہ (میکس فیلڈ) جلد ا، ۱۹۵۲ء ص ۲۳

قرار دیا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ ہوائی جہاز کے استعمال سے جنگ کے طریقوں میں اتنا عظیم انقلاب بپا ہو چکا ہے کہ اصولوں کا بدلنا بدیہی ہے۔ اس نے اپنے خیال کی تائید میں نہایت پُر مغز منطقی دلائل پیش کیے۔

(۲)

وہ مقولے جنہیں ہم "اصولِ جنگ" کہتے ہیں دراصل عام فہم اور عقل کے مطابق باتیں ہیں جو جنگ کے علاوہ روزمرہ کے مسائل پر بھی درست اترتی ہیں۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ان کے کارآمد ہونے کی وجہ ہی یہ ہے۔ کہ وہ عام فہم اور عقل کے مطابق ہیں تو بہتر ہوگا۔ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ اُسی حد تک کارآمد رہتی ہیں جب تک کہ وہ عقل کے مطابق ہوں۔ زمانۂ حال کی جنگ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں عقل کے خلاف بھی اِن اصولِ جنگ پر لوگ رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے کاربند رہے ہیں۔

جدید تزویرات میں کارل۔ فان کلازوٹز پہلی عظیم شخصیت ہے۔ یہی نہیں بلکہ کلازوٹز کے بعد اور کوئی بڑی شخصیت نظر ہی نہیں آتی۔ اس کا ہمعصر انٹونی۔ ہنری۔ ژامینی بھی اس کا ہم پلہ نہیں تھا ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو قابلِ توجہ اور قابلِ قدر ہیں مگر اس کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال بعد الفرڈ۔ ٹی۔ ماہن نے بحری تزویرات پر عبور حاصل کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ مگر اس کا میدان محدود تھا۔ ماہن کے بعد ہمارے سامنے ڈوہی کا نام ہے جس نے تزویرات کے ایک بالکل نئے میدان میں بلند مقام پایا ہے۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کلازوٹز، جس نے جنگ کے متعلق نہایت مدبرانہ طور پر غور و خوض کیا اصولِ جنگ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔ کلازوٹز نے ایک اور پہلو پر بھی غیر معمولی حد تک غور و فکر کیا اور جس کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ امورِ عسکری کے علمائے نظری میں اس کے سوا جنگ اور قومی پالیسی کے مابین تعلق پر کسی نے تدبر نہیں کیا۔ البتہ صرف ماہن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے کسی حد تک اس مسئلے پر غور کیا۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اسے کلی جنگ کا طرفدار ثابت کرنے کے لیئے اس کی جن تحریروں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ اس باب سے لی گئی ہیں جس میں وہ خاص طور کہتا ہے کہ "جنگ کبھی بھی ایک بے تعلق واقعہ نہیں ہوتی" اور یہ کہ عسکری مقصد اور طریقے کو

ہمیشہ سیاسی مقصد کا تابع ہونا پڑتا ہے۔

اب ہم ذرا فرڈیننڈ۔ فاش کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ اِس لیئے نہیں کہ اس کی عظمت بھی اتنی ہی تھی بلکہ صرف اِس لیئے کہ عسکری افکار میں وہ ماضی قریب کے رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کے خلاف ڈوہی نے سخت احتجاج کیا اور اس کے برعکس وہ ایسی رَو کا نمائندہ بھی تھا۔ جن سے ڈوہی بے اعتنائی نہ برت سکا۔ فاش اپنے آپ کو کلازوٹز کا مداح کہتا تھا۔ البتہ اس میں اور کلازوٹز میں یہ فرق تھا کہ کلازوٹز وہ فیلسوف تھا جو متضاد حقیقتوں کی الجھنوں کو سلجھانے میں منہمک رہتا تھا اور فاش کا مقام ایک استاذ کا تھا اور وہ اس کی دی ہوئی وضاحت دوسروں کو سکھانے اور اس پر کاربند رہنے کی تلقین پہ مامور تھا۔

یہ بھی صحیح ہے کہ پہلی عالمی جنگ میں فاش نے خود اپنے سبق اپنے شاگردوں کی نسبت زیادہ آسانی سے بھلا دیئے۔ وہی سبق جو اس نے مصنف اور خطیب کی حیثیت سے پیش کیئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے سٹاف سے کہا: "حضرات آپ نے اب تک جو کچھ سیکھا ہے اسے بھول جائیے اور میں خود بھی اپنے قول کے برخلاف عمل کروں گا۔"

ہمیں صرف دو باتوں سے دلچسپی ہے جن میں فاش کو کلازوٹز سے اختلاف تھا۔ ان سے وہ پس منظر بھی معلوم ہو جائے گا جس نے ڈوہی کے خیالات پختہ کرنے میں مدد دی۔ اوّل تو مہاجمے کا نظریہ جسے فاش اور اس کے شاگرد انتہا تک لے گئے اور دوسرا ان کا وہ غیر شعوری عمل جس سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ وہ جنگ برائے جنگ کے قائل ہیں اور جنگ جاری رکھنے سے ان کا اور کوئی مقصد نہیں یعنے جنگ فی نفسہٖ ایک مقصد ہے۔[۳]

عزم کو بلند کرنے کے لیئے فاش کو مہاجمے سے عشق تھا۔ اس کے خیال میں فتح اور شکست کا مادّی دنیا میں وجود ہی نہیں بلکہ وہ محض ذہنی مقامات ہیں۔ ہار اِس لیئے نہیں مانی جاتی کہ شکست ہو چکی ہوتی ہے بلکہ اِس لیئے کہ ہار ماننے والا سمجھتا ہے کہ اسے شکست ہو چکی ہے۔ چونکہ ڈوہی کی تحریریں پہلی عالمی جنگ کے بعد کی ہیں اس لیئے وہ اِس رائے کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ شاید اسی لیئے مہاجمے کا انکار اس کے فلسفے کی اساس ہے۔ اس کے باوجود وہ فضائی مہاجمے

۳۔ فرڈیننڈ۔ فاش۔ اصولِ جنگ۔ ترجمہ از ماریٹی۔ نیویارک ۱۹۱۸ء۔

کو قبول کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ مادی اور نفسیاتی وجوہ کی بنا پر یہ جائز ہے۔

کلازوٹز اور ژامینی کی رائے میں دشمن کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ بالآخر مہاجمے کی طرف رجوع کیا جائے۔ البتہ کلازوٹز نے یہ تسلیم کیا تھا کہ دفاع "جنگ کا مضبوط تر طریقہ ہے۔" جہاں تک تدبیرات کا تعلق ہے ژامینی کو اس سے اتفاق تھا۔ واٹرلو کو بھلا دینا مشکل تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ تزویراتی طور پر مہاجمہ اختیار کرنا ہمیشہ فائدہ مند ہے۔

جس مکتب کا فاش ذہنی رہنما تھا۔ اس کے افراد مہاجمے کی اس مشروط برتری کو قبول کرنے پر رضا مند نہ تھے۔ ان کی نگاہ میں مہاجمہ ہمیشہ اور ہر وقت برتر تھا۔ فاش کو اس سے انکار نہ تھا کہ لڑائی کے میدان میں حملہ آور کا نقصان دفاع کرنے والے سے زیادہ ہونے کا امکان ہے مگر وہ تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ جن میں قریب قریب ختم ہونے والی فوجوں نے ختم کرنے والی فوجوں کو شکست دی تھی۔" خیال رہے کہ اس بات میں فاش اپنے عہد کی نمائندگی کر رہا تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے برطانوی سپہ سالار جنہوں نے شاید فاش کی تحریریں پڑھی بھی نہیں تھیں اور یقیناً اس کے شاگرد نہیں رہے تھے۔ وہ بھی اس کے ہم خیال تھے۔

پہلی عالمی جنگ کا باعث ۱۹۱۴ء کے سپاہی نہیں تھے گو ان میں سے بعض نے لام بندی کے منصوبے تیار کر رکھے تھے۔ وہ جنگ روکنے میں مددگار ثابت نہیں ہو سکتے تھے۔ یوں بھی اس جنگ میں بہت سی جانیں ضائع ہوتیں البتہ مغربی اتحادیوں اور خصوصاً فرانسیسی جنرل سٹاف کے عسکری تصورات ایسے تھے کہ ان کی وجہ سے بے وجہ جانیں ضائع ہوئیں۔ فریقین کے سپہ سالاروں کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ "جنگ کی اپنی علاحدہ منطق ہے۔" اور ان کا واحد مقصد دشمن پر فتح حاصل کرنا تھا۔ وہ یہ بھول چکے تھے کہ قوم کے لئے فتح کے لفظ میں دشمن کے ہتھیار ڈال دینے کے علاوہ بھی کچھ معنے ہوتے ہیں۔

مزید برآں اتحادیوں کی صفوں اور خصوصاً فرانسیسیوں میں مہاجمہ کا عشق بھی شامل تھا۔ اس جنون کا کچھ حصہ جرمنوں نے بھی لیا تھا۔ مگر اس میں یہ شدت نہ تھی۔ یہ فرانسیسی سپہ سالار ملک کے لاکھوں جوانوں کو موت کے غار میں بار بار صرف اس لئے دھکیلتے رہے کہ وہ دشمن کو تھکا دیں۔ وہی نوجوان جو فتح کے بعد کوئی معنے و مفہوم عطا کر سکتے تھے۔

اسی وجہ سے ہمیں یہ نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ اس طرزِ جنگ کے بجائے ڈوہیٔ کے مشورہ کی تہہ میں پہلی عالمی جنگ کا یہی بے مصرف کشت و خون تھا! ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک سپاہیانہ فن کا تعلق ہے پہلی عالمی جنگ کے سپاہی اس سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ان کے ہنر میں خامی نہ تھی البتہ ان کی نظر محدود تھی۔

(۳)

ہمارے عہد میں تاریخِ جنگ کو دیگر فنونِ جنگ کے مطالعہ سے علیحدہ کر لیا گیا ہے حالانکہ اس سے قبل تزدیرات پر عبور حاصل کرنے کے لئے تاریخ جنگ کا مطالعہ ایک اہم جزو سمجھا جاتا تھا۔ اب تاریخ جنگ کی طرف تمام تر توجہ غیر قومی پیشہ ور مؤرخ دینے لگے ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عسکری تجربات کو عقائد سے علیحدگی حاصل ہو گئی ہے۔

دوسری عالمی جنگ کو تمام جنگوں سے بہتر طور پر قلمبند کیا گیا۔ اطلاعات کے لحاظ سے بھی اس کا مقابلہ کوئی جنگ نہیں کر سکتی۔ ڈوہیٔ کے عقائد کی پہلی قابلِ قدر آزمائش بھی اسی جنگ میں ہوئی۔ اس کا فلسفہ مکمل تھا اور وزنی دلائل کے ذریعے اس نے اسے پیش کیا تھا۔ اس کے استدلال میں غلطی نہ تھی۔ البتہ اس کے مفروضات درست نہ تھے۔

اس کے فلسفے کی اساس برّی اور فضائی جنگ کی متضادانہ حالت پر قائم تھی۔ برّی جنگ میں دفاع (پہلی عالمی جنگ میں) کامیاب ثابت ہو چکا تھا۔ اس کی یہ برتری فیری طاقت کا نتیجہ تھی جس میں اس عرصے میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ اس لئے مستقبل میں دفاع کی برتری کا بڑھ جانا فطری بات تھی۔ اس کے برعکس فضا میں ابھی تک مہاجمہ کا ملاً برتر تھا۔ چونکہ ڈوہیٔ بم کی تباہ کن طاقت کو بڑھا چڑھا کر پیش کر چکا تھا اور ساتھ ہی شہری آبادی کے عزم کو وہ اس قابل نہ سمجھتا تھا کہ بمباری کا مقابلہ کر سکے گا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ فتح اس فریق کو حاصل ہو گی اور بہت جلد حاصل ہو گی جو فضا پہ کمان حاصل کر کے دشمن کے علاقے کے اندر کی طاقت پر حملہ آور ہو سکے گا۔ چونکہ اس کی نگاہ میں مزاحم طیاروں کے استعمال سے قوت کے بے وجہ ضائع ہونے

۴۔ ڈوہیٔ "مستقبل کی جنگ کے چند ممکن پہلو" پہلا اور دوسرا باب۔ ص ۱۴۸-۱۷۷

کا اندیشہ تھا اور اس طریقِ کار پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے فضائی کمان دشمن کے مستقر برباد کر کے حاصل کی جا سکتی تھی۔ فضائی دفاع جس میں مزاحم طیاروں کا استعمال بھی شامل تھا کلیتہً بے کار تھی۔ یوں جلد فیصلہ حاصل کر لینے کی وجہ سے بری محاذ کی طرف سے غافل ہونے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

اِن مفروضات سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔ یعنے قوم کی عسکری طاقت کا بیشتر حصہ فضائی شعبے کی طرف منتقل کیا جائے اور فضائیہ کو کاملاً اس طرح مہاجمی قوار پر مشتمل ہونا چاہئے جو آج کل کی اصطلاح میں تزویراتی بمباری پر تعین کئے جاتے ہیں۔ ڈوہی کا اقداماتی مقولہ یہ تھا: "خشکی پر دشمن کو روکے رکھو تاکہ فضا میں اجتماعِ عظیم سے حملہ کر سکو۔"

دیکھنا یہ ہے کہ جب دوسری عالمی جنگ برپا ہوئی تو ان نظریات کا کیا حشر ہوا؟ اگر ہم ڈوہی کی وسعتِ نظر کو دھیان میں نہ لائیں (جس کی وجہ سے تزویراتی بمباری کی طرف توجہ دی گئی) اور محض اس کے خاص اقوال کو دیکھیں (جن کی وجہ سے اس کوشش کے طریق کار کا فیصلہ کیا گیا) تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری عالمی جنگ نے ڈوہی کی تمام کی تمام آرا کو غلط ثابت کیا۔

یہ ماننا پڑتا ہے کہ دوسری عالمی جنگ اِس طرح کے نظریات کا منصفانہ امتحان تھا۔ اس کی ابتدا کے وقت ڈوہی کی کتاب "فضائی کمان" کو شائع ہوئے اٹھارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں وہ تمام فنیاتی ترقیاں جن کی امید پر ڈوہی نے اپنے نظریئے قائم کئے تھے، وجود میں آ چکی تھیں۔ صرف جرمنی پر ہی جس قدر وزن کے بم گرائے گئے وہ بھی ڈوہی کے تخمینے سے کہیں زیادہ تھے۔ اِس بمباری سے جو نتائج بھی برآمد ہوئے ہوں وہ سرعت سے ظاہر نہیں ہوئے تھے اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ ڈوہی کی فضائی لڑائی کی تمامتر اساس سریع فیصلوں پر قائم تھی۔

اگر زیادہ باریک بینی سے کام لے کر دیکھا جائے تو واقعات نے ڈوہی کو اس سے بھی زیادہ غلط ثابت کیا۔ بری محاذ اس کی توقعات کے خلاف حرکی ثابت ہوئے۔ کئی قومیں تزویراتی بمباری کے شروع ہونے سے قبل ہی ختم ہو گئیں۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ چونکہ

بمباری سے جلد نتائج برآمد نہ ہو سکے اس لیے ڈوہی کے تخمینے سے بہت زیادہ بم استعمال کیے گئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ فضائی دفاع اس کی توقعات سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ ڈوہی کو اس سے انکار نہیں کہ لڑاکا ہوائی جہاز بمبار کو گرا سکتے ہیں۔ مگر وہ نہایت وثوق سے کہتا ہے کہ حملہ آور فضائیہ اگر حملے کے پہلے دن اپنی طاقت کا تیسرا حصہ بھی ضائع کر دے تب بھی اسے فتح ہوگی۔۵ برطانیہ کی لڑائی کا خاتمہ دفاع کے حق میں ہوا اور یہ کہنا صریحاً غلط ہوگا کہ جرمن "فضائی طاقت کے استعمال سے ناواقف تھے۔" اس وقت وہ ڈوہی کے بتائے ہوئے راستے پر من وعن چل رہے تھے۔

جاپان پر یورش کی اور بات ہے۔ یہاں بھی ڈوہی کے خیالات غلط ثابت ہوئے۔ جب جاپان پر فضائی حملہ شروع ہوا اس وقت جاپان جنگ ہارنے کے قریب تھا اور اس کے عسکری رہنما اس بات کو تسلیم کر چکے تھے۔ جاپان اور جرمنی دونوں ملکوں میں عوام کے عزم کا اثر عسکری رہنماؤں کے فیصلوں پر ڈوہی کی توقعات سے نہایت ہی کم پڑا۔

رودبارِ انگلستان کے کناروں پر چار سال تک محاذ غیر متحرک رہا۔ مگر اس کی وجوہات وہ نہ تھیں جن کی پیش گوئی ڈوہی نے کی تھی۔ بری سکوت کا باعث بری دفاع نہ تھا بلکہ ۱۹۴۰ء کا وہ عظیم جرمن حملہ تھا جس نے فرانس کو شکست ماننے پر مجبور کیا اور برطانوی فوجوں کو یورپ سے نکال باہر کیا۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا کے مختلف حصوں میں جو بری اور بحری اقدامات کیے جا رہے تھے وہ تزویراتی بمباری کے معاون ثابت ہو رہے تھے۔

اگر ہم تزویراتی بمباری کو ڈوہی کے نظریات کے زاویے کے بجائے فی نفسہٖ دیکھیں تو بہت سے نکات قابلِ غور ہیں۔ اوّل تو ہدف چننے کے متعلق اور اس چناؤ کا استخبارات پر انحصار ایسا نکتہ ہے جو اس سے قبل نگاہ سے پوشیدہ رہا تھا۔ جن اہداف پر بمباری فائدہ مند ثابت ہوئی ان میں تیل کے کارخانے کیمیائی صنعتیں اور جرمنی کا اندرونی رسلیاتی نظام پیش پیش تھے ڈوہی نے کہیں بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا بلکہ اہداف کے چناؤ اور ان سے متعلق استخبارات سے وہ کاملاً ناآشنا تھا۔

---

۵ مستقبل کی جنگ کا افسانوی خاکہ جس کا عنوان تھا "۱۹۳۰ء کی جنگ" ص ۲۹۳-۲۹۴

جنگ کے بعد ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ شہری آبادی کا عزم توڑنے کے لیے جو بمباری کی گئی وہ سراسر بیکار ثابت ہوئی یعنی بموں کا آدھا وزن بے وجہ ضائع کیا گیا۔ علاوہ بریں ہمیں یہ بھی علوم ہوا کہ دشمن کے فضائی دفاع پر فوقیت حاصل کرنا نہایت ضروری تھا۔ اور باتوں کے علاوہ اس طویل مسافت کے بمباروں کے لئے بدرقہ پر کافی حد تک بھروسا کرنا ضروری تھا۔

اتنا ضرور ہے کہ تزویراتی بمباری سے بہت سے بلاواسطہ نتائج برآمد ہوئے۔ علاوہ ازیں اٹلی اور نارمنڈی کے ساحلوں پر نزول سے پہلے اتحادیوں کے پاس جرمنی کو یورپ میں نقصان پہنچانے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی حربہ نہ تھا۔ اگر اتحادی فضائیہ دوسری عالمی جنگ کے تجربات سے سبق حاصل کرنا چاہیں تو وہ تزویراتی بمباری کے بجائے تدبیراتی بمباری کو ترجیح دیں گے۔ اوورلارڈ کے اقدام کی تیاری کے طور پر نارمنڈی کے مقام پر جو تدبیراتی بمباری کی گئی اس سے زیادہ خوفناک منظر شاید ہی پیش کیا جا سکے۔

(۴)

مناسب ہوگا کہ ڈوہی کے نظریات کو مختلف حجم اور زیادہ تعداد میں جوہری ہتھیاروں کے استعمال کی روشنی میں دیکھیں۔ اگر ایٹم بم کا وجود نہ ہوتا، اِس عصر کی دیگر فضائی ترقیوں کے پیش نظر ڈوہی کے عقائد قلم زد کئے جا چکے ہوتے۔ بعید مسافت کی تزویراتی بمباری جیٹ ہوائی جہازوں کے ذریعے کرنی پڑتی اور جیٹ طیارے دوسری عالمی جنگ کے طیاروں کی نسبت بہت زیادہ صرفہ چاہتے ہیں۔ جو مسافت تزویراتی بمباروں کو اتحادِ شوروی کے خلاف طے کرنی پڑتی اس کے لحاظ سے ایچ۔ای۔ بم کا فی اڑان وزن نہایت ہی کم ثابت ہوتا۔ ہدائتی ضرب بر نشانہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھی کم سود مند ثابت ہوتا۔

ڈوہی کے فلسفے کا سنگِ بنیاد کم وزن کے بم کی عظیم تباہ کن طاقت پر مبنی تھا۔ یہ دوسری عالمی جنگ میں غلط ثابت ہوا۔ البتہ نشق مادہ بم کی ایجاد نے ڈوہی کو اس غلطی سے نجات دلائی۔ اِس نجات کی امید نہیں تھی۔ مگر اب اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آئیے، آج سے تین چار سال قبل کے حالات پر نگاہ ڈالیں۔ اس وقت اتحادیوں کے

جوہری انبار آج سے بہت کم تھے اور ان کے لئے ڈوہی کے تجویز کردہ اسلوب کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ حالات اب بھی موجود ہیں ؟

اس عرصے میں اتحادیوں نے اپنی عسکری طاقت میں جو ترقی کی ہے اور جوہری انبار کے اضافے کی وجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب ان کے سامنے اور راستے بھی ہونے چاہئیں۔ ایٹمی ہتھیاروں کی بہت بڑی تعداد کی وجہ سے اور خصوصاً جوہری ہتھیاروں کی موجودگی کی بنا پر انہیں اہداف کے چناؤ کی باریکیوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کلی تباہی اقتصادی اور دوسرے اہداف کو یکساں طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔

ایٹم بم نے ڈوہی کو فراموشی کی تاریک گہرائیوں سے بچالیا ہے۔ البتہ یہ حربہ جونہی ظاہر ہوا تعداد اور حجم میں اس تیزی سے بڑھتا گیا کہ اب وہ اس کی غلطیوں پر پردہ پوشی کی حد سے بھی بڑھتا جارہا ہے۔ اب اتحادی اس زعم میں سکون نہیں لے سکتے کہ ان کے سوا یہ حربہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ کیا انہوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اس کے کیا معنے ہو سکتے ہیں ؟

ڈوہی کا نظریہ اس دلیل پر قائم ہے کہ فضا کی کمان بہت جلد حاصل ہوجائے گی اور جیتنے والے فریق کو دشمن کی طرف سے کسی خطرے کا خوف نہ ہوگا۔ اس مختصر سی کشمکش کو وہ یوں بیان کرتا ہے۔

" اگر اسے اس کے صحیح رنگ میں دیکھا جائے تو فضائی لڑائی دفاع کے وجود کو قبول نہیں کرتی۔ اس لئے ہمیں دشمن کے مہاجمے کو بہ صبر قبول کرنا پڑے گا۔ اور اس دوران میں دشمن کیے اس سے بھی زیادہ نقصانات کرنے کی سعی کرنی ہوگی۔"

یہ ہے اس کا بنیادی اصول جس پر اس کی نگاہ میں فضائی جنگ کا انحصار ہے[6]۔ اب فرض کیجئے کہ فضا کی "کمان" حاصل ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ ڈوہی کے مطابق فضا کی کمان کامل ہرگز نہیں ہوسکتی۔ مگر وہ ہتھیاروں کی قابلیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے صحیح طور پر یہ کہتا ہے کہ معمولی طاقت بے اثر ہوگی۔ البتہ اب ہتھیاروں کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اگر معمولی طاقت ایچ۔ بم کی قسم کی ہو تو پھر کیا ہوگا ؟ علاوہ بریں اگر طویل مسافتی منجنیقی حربہ جس میں جوہری گولا ہو وہ استعمال کیا جائے تو اس کا اثر ان حالات میں کیا ہوگا۔ ایسے حالات میں فضا کی

۶۔ ڈوہی۔

کمان کا کوئی مصرف نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے اور اس کے امکانات بہت کم ہیں کہ فضا کی کمان مکمل ہو اور با اثر بھی یعنے مضبوط فریق اپنے مدمخالف کے تمام جوہری انباروں کو پہلے ہی حملے میں تباہ کر دے۔

اس دور کے حالات کے مطابق یہ زاویہ نظر ہم پر ڈوہی کی خطرناک غلطی واضح کرتا ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ پہلی عالمی جنگ کے کمانداروں مثلاً فاش وغیرہ کی طرح اس کا بھی یہ اعتقاد تھا کہ "جنگ فی نفسہ ایک مقصد ہے" جس کی اپنی علیحدہ منطق ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اور جسے کسی دوسری غرض سے نہیں لڑا جاتا۔"

جب تک اعلیٰ عسکری حلقوں میں یہ عقیدہ موجود رہے گا کہ جب تک آئندہ جنگ میں ریاستہائے متحدہ اور اتحاد شوروی کا ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے کا امکان موجود رہے گا اس وقت تک ایسی جنگ کی تیاریاں ہوتی رہیں گی جو کلی جنگ ثابت ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم دوبارہ بعض ایسے اصولوں پر غور کریں جو کلاز وٹز کے بعد سے مدہم پڑ گئے ہیں اور جن کا تعلق جنگ اور اس سے مربوط سیاسی مقاصد سے ہے۔ ہمیں ساتھ ہی ساتھ بعض ایسے مروجہ اقوال پر بھی از سر نو غور کرنا پڑے گا جو عسکری اقدامات سے متعلق ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کون سے سیاسی مقاصد ہیں جو عسکری کارروائی کے توسط سے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور ان کو حاصل کرنے کی کون سی مناسب عسکری کارروائیاں ہیں؛ سب سے بڑھ کر یہ دیکھنا ہوگا کہ ایسے کون سے ذرائع ہیں جو عسکری کارروائی کو مناسب حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں؟ اگر ہماری تزویراتی فضائیہ اس نوعیت کی ہے کہ وہ جوابی کارروائیوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے تو سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ کون سا عمل ہے جس کی جوابی کارروائی مناسب ہوگی؟

اب ہم اس قابل ہیں کہ جو الزامات ڈوہی نے پہلی عالمی جنگ کے فرانسیسی جنرل سٹاف کے خلاف لگائے ہم انہیں کو اس کے سر تھوپیں۔ اس کا سوال تھا کہ آخر ان کے خیال میں ان کی قوم کی جنگ سے غرض و غایت کیا تھی۔ یقینی طور پر اپنی قوم کے مستقبل کی تباہی ان کا مقصد ہرگز نہ ہوگا۔ کیا ڈوہی کی طرز جنگ پر بھی یہ الزام عائد نہیں ہوتا؟ اس وقت اور آج کے درمیان

فرق صرف اتنا ہے کہ آج تباہی زیادہ بڑے پیمانہ پر ہوگی۔

ڈوہی کے نظریئے آج بھی فضائی تزویرات میں نشانِ راہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آج کی دنیا میں قابلِ عمل نہیں مگر یہ واضح کہ دینا ناجائز نہ ہوگا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ اس کا انجام ازحد خطرناک ہوگا اگر ہم محض یہ کہیں کہ ان تبدیلیوں سے طریقِ کار میں فرق آتا ہے اور نظریات کے بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اِس لئے کہ یہ نظریات اس وقت قائم کئے گئے تھے جب ان عظیم تبدیلیوں کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اگر ڈوہی خود زندہ ہوتا وہ بھی یہ غلطی نہ کرتا۔ وہ بیدار مغز اور جدّتِ نظر مفکر تھا اور وہ ضرور ان تبدیلیوں کو مناسب اہمیت دیتا ۔

ختمِ کلام

ہٹلر

نازی تصورِ جنگ

از۔ ایڈورڈ میڈ۔ اَرل

جولائی ۱۹۴۰ء میں ہٹلر پوری طرح سے مغربی اور وسطی یورپ کا مالک تھا۔ اس کے تصرف میں دنیا کی عظیم ترین اور بے مثل عسکری طاقت تھی۔ نپولین کے بعد آج تک کوئی ایک انسان یورپ کے منظر پر اتنی پوری طرح نہیں چھا سکا اور نہ کوئی عالمی طاقت کی بنیاد رکھنے کے اس قدر قریب پہنچ سکا تھا۔

وہ اتنی بلندی تک کیسے پہنچ گیا؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ جرمن فوج اور جرمن صنعت گروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا یا اسے مستقل طور پر عظیم المرتبت تزویر کار کا مقام دیا جا سکتا ہے؟

(۱)

شاید اس سوال پر بحث بے سود ہو کہ فیوہرر اپنی کمان اعلےٰ کا احسان مند تھا یا اس سے زیادہ وہ اس کے احسان مند تھے۔ ان کو لازم و ملزوم کہنا زیادہ درست ہوگا۔ پولینڈ، ناروے، پائین ممالک اور فرانس میں جرمن فتوحات غیر معمولی عسکری اور سیاسی تزویراتی فراست اور دلیری کے امتزاج کا نتیجہ تھیں یوں کہنا چاہیئے کہ نئے فنیاتی طریقوں کو انقلاب انگیز جسارت کے ساتھ اس خوبی سے استعمال کیا گیا تھا کہ وہ تباہ کن قوت پیدا ہو گئی تھی جس نے مغربی یورپ کی مدافعات کو آنِ واحد میں منہدم کر دیا تھا۔[۱]

فوج اور پارٹی کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ۱۹۳۴ء کی تطہیر میں بہت سا خون بہانا پڑا تھا۔ اور اس کے بعد بھی مسلسل طور پر قدم قدم پر سمجھ بوجھ سے کام لینا پڑا تھا۔ نازی نوجوانوں کی سیاسی ہٹ دھرمی کو نقصان پہنچائے بغیر ان میں فوجی انضباط کی روح پھونکی گئی تھی اور دونوں نے مل کر جرمن فوج کا عزم نہایت درجہ بلند کر دیا تھا۔

علاوہ بریں جرمن حالات کے ایسے مبصر بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ ہٹلر نے جرمن عساکر کو بہتر بنانے

۱۔ مہاجمی جنگ کی اہمیت اور انقلاب کے لیے اس کتاب کی تمہید کو دیکھیے۔

میں بالواسطہ بہت کچھ سرانجام دیا۔

جرمن جنرل سٹاف نے ہتھیاروں، تدبیرات اور تزویرات میں نئے نئے خیالات کا اضافہ کیا۔[۲] ہٹلر نے ان خیالات کو کامیاب کرنے کے لئے اور مشین بردار جنگ کا وجود قائم کرنے کے لئے پوری پوری مدد دی۔ سنہ ۱۹۲۵ء کے دور دراز عرصے میں بھی اس نے کہا تھا: "موٹر برداری قطعی طور پر فیصلہ کن ثابت ہوگی۔"[۳] اس کے مقابلے میں حربہ جنگ اور خوفناکی کے طور پر فضائیہ کے استعمال کے متعلق گورنگ کو بھی اتنا قوی اعتقاد نہ تھا جتنا خود ہٹلر کو تھا مختصراً یہ کہنا درست ہوگا کہ برق رفتاری عین ہٹلر کی طبیعت اور کردار کے مطابق تھی۔ فوج میں مساوات اور جمہوری رجحانات اور اصطلاحات جو ہٹلر نے نافذ کئے تھے ان کی وجہ سے اور باتوں کے علاوہ جرمن افسروں کو عملی قابلیت میں معتدبہ اضافہ ہوگیا تھا۔[۴] اس کے علاوہ ہٹلر کی ہمہ گیر قوت ارادی، اس کی مرکزی شخصیت اور دوسروں سے کام لینے کی صلاحیت ہر لحظہ اور ہر موقع پر عساکر کی مدد کیلئے موجود تھی۔ کمان اعلیٰ کی مرکزیت، قوت تخلیق اور جرأت کا مظہر اس کی ذات تھی اور چونکہ ریاست کی تمام طاقت اس کی شخصیت میں مرکوز تھی۔ اس لئے بین العسکر تعاون جو آج کل کی جنگ میں اتنا اہم ہوتا ہے آسانی ہوگیا تھا۔ سقوط فرانس سے پہلے ہٹلر کے ہمعصروں میں صرف سٹالن واحد شخص تھا جس نے اپنے مقصد میں یک جہتی کا ثبوت دیا تھا۔ ایسی یک جہتی جمہوریتوں کے ریاست کاروں میں نہ تو ممکن ہوتی ہے اور نہ جنگ یا ممکن تباہی کے خوف کے سوا کسی موقع پر اس کا دکھانا مناسب ہوتا ہے۔

آج تک فتوحات کے کسی خواہش مند نے بھی اپنے منصوبوں کا اتنا واضح اور صاف خاکہ اپنے مفتوح کے سامنے پیش نہیں کیا تھا۔ اتحادیوں کی سیاسی نااہلیت اور خود فریبی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے سنہ ۱۹۴۳ء میں جن نازک حالات سے جرمنی دوچار ہوا وہ ہٹلر نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اس کی رہنمائی میں جرمنی دنیا کی سب سے بڑی عسکری طاقت بن جائے گا۔" "دوسری مملکت" کی کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے اس نے قیصر کی سمندر پار تجارت، نوآبادیات اور صنعت کی پالیسی کو اساساً صلح پسند ہونے کا مجرم قرار دیا تھا۔ ہٹلر کے خیال میں صنعت کو فروغ دینے کے یہ معنے تھے کہ خود جرمنی کو نوآبادیاتی مقام

۲۔ ہربرٹ۔ راونسکی "جرمن فوج" (نیویارک سنہ ۱۹۴۰ء) چوتھا اور پانچواں باب

۳۔ "میری جدوجہد" پہلا جرمن ایڈیشن سنہ ۱۹۲۵ء۔ انگریزی ترجمہ از رینلڈ اور ہچ کاک (نیویارک سنہ ۱۹۳۹ء) ص ۹۵۸

۴۔ جوزف۔ بارش۔ "فتح کی بساط" (نیویارک سنہ ۱۹۴۰ء) پانچواں باب

دیا جا رہا تھا۔ اس سے اس کی اہمیت بہت کم ہو جاتی تھی۔ سمندر پار تجارت جسے عام طور پر "صلح پسند اقتصادی فتح" کا نام دیا گیا تھا بہت بڑی بے وقوفی تھی۔ مارکسیت اور یہودیت جو حکمران نسل کے ازلی دشمن تھے اس صلح پسند فلسفے، صلح پسندی اور تجارت کے اصول کے ذمہ دار تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح جرمن قوم کا جذبۂ مردمی زائل ہو جائے۔ لہٰذا ان کی بیخ کنی کر دینی چاہئے۔ جرمنی کو وسعت دینے کے لئے افریقہ کے بجائے یورپ کا براعظم صحیح مقام تھا۔ "قدرت اس قوم کے لئے زمین کی نگہداشت خود کرتی ہے جس میں اسے حاصل کرنے کی قوت اور اسے آباد کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔" اس لئے جرمنی کو اپنی نگاہ مشرق کی جانب کرنی چاہیے۔ جہاں یوکرین کے زرخیز اور وسیع علاقے، یورال کے معدنیات ہیں اور جرمن فتوحات کا تاریخی ملک واقع ہے۔"

البتہ اگر ۱۹۱۴ء کی طرح جرمنی کو دو رخہ جنگ لڑنے پر مجبور ہونا پڑا تو کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لئے سب سے اوّل اور سب سے ضروری بات یہ تھی کہ جرمنی "یورپ میں دو براعظمی طاقتوں کے قیام ہرگز قبول نہ کرے۔" انجام کار پورے براعظم یورپ میں صرف جرمنی ہی بڑی عسکری طاقت ہونا چاہئے۔ اس لحاظ سے جرمنی کا "مہلک دشمن فرانس ہے جو ہمیشہ سے ہمارا گلا گھونٹتا رہا ہے"۔ جرمنی اور فرانس کی یہ دائمی کشمکش مہاجمی کارروائی کے بغیر ختم نہیں ہو سکتی۔ ایسی کارروائی جس میں فرانس مکمل طور پر تباہ ہو جائے۔ فرانس کو تباہ کرنے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اسے مشرقی یورپ کے حلیفوں سے علٰحدہ کر لیا جائے جن کی موجودگی جرمنی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ساتھ ہی ساتھ مغربی پہلوؤں کو بچانے کے لئے اس طرف حلیف پیدا کئے جائیں۔ اس لئے "مستقبل قریب میں جرمنی کے صرف دو ہی حلیف ممکن ہیں۔ اٹلی اور برطانیہ[۵]"

یہ تھا ہٹلر کی تجاویزات کا لب لباب۔ اگر ہٹلر کی پالیسی کا مرکزی مقصد یعنی فرانس کی مکمل تباہی کو نگاہ میں رکھا جائے تو باقیماندہ باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ یعنی سپین میں مداخلت، اٹلی کے ساتھ معاہدہ، زار کو واپس لینے کی مہم، رائنلینڈ پر دوبارہ قبضہ، شیکوسلواکیا کی عصمت دری، مغربی دیوار کی تعمیر، اتحاد شوروی کے ساتھ معاہدہ اور پولینڈ کی تقسیم۔

یورپ کی جرمنیت کا عظیم منصوبہ دو مضبوط رکاوٹوں کی وجہ سے ناکام رہا۔ برطانوی شاہی

۵۔ ہٹلر، "میری جدوجہد" ص ۹۰۸

فضائیہ اور سُرخ فوج نے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ اوّل الذکر کے متعلق ہٹلر اس اُمید میں تھا کہ اسے اس کا تعاون حاصل ہوگا اور آخر الذکر کا اندازہ اس نے غلط لگایا تھا۔ فیورار نے اُس ملک کو اِس تعاون میں شامل کر کے اپنی تباہی خود اپنے ہاتھوں مکمل کی جس کے متعلق وہ خود کہہ چکا تھا کہ "ریاستہائے متحدہ کی داخلی قوت اس قدر بے پایاں ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی اور اس کی دولت اسی قدر بے پایاں ہے۔"[6]

ہٹلر اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی کامیابی کا دارومدار برطانیہ کی دوستی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے اور برطانیہ کے تعلقات پر ریاستہائے متحدہ کا رویہ منحصر ہوگا۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی ہٹلر نے ایسی پالیسی اختیار کی جس سے زود یا بدیر جرمنی اور مملکت برطانیہ میں جنگ ناگزیر تھی۔ ممکن ہے اس کا یہ خیال ہو کہ برطانوی کردار کی مضبوطی اب زائل ہو چکی تھی اور برطانوی قیادت میں اب وہ پہلی سی بات نہ رہی تھی۔ یہ بھی درست تھا کہ بالڈوِن اور چیمبرلین کے دَور میں برطانیہ کا اندازہ غلط لگانے کی معقول وجہ ہو۔ اس نے بالآخر برطانیہ کو قریب قریب تباہ کر ہی لیا تھا۔ مگر چونکہ اُسے کامیابی حاصل نہ ہوئی اِس لئے اس پر بھی وہی الزام لگایا جا سکتا ہے جو اس نے ولیم دوم پر لگایا تھا۔ یعنے برطانیہ کی دوستی یا کم از کم غیر جانبداری حاصل کرنے میں ناکامی۔ اٹلی کی دوستی برطانیہ کی دوستی کا بدل نہیں کہلا سکتی تھی۔

فرانس کو تنہا کرنے کے لئے اس نے ایسی پالیسی اختیار کی جس کے ذریعہ ایک ہی ضرب سے اس کی طاقت کے سرچشموں کو برباد کرنے کی بجائے ان کو آہستہ آہستہ اور یکے بعد دیگرے ختم کیا جاتا تھا۔ میونخ سے پہلے ہٹلر نے ہمیشہ اِس بات کا خیال رکھا کہ اس کے دعوے اتنے زیادہ نہ ہوں کہ جنگ لاحق ہو جائے۔ چھوٹی ریاستوں کی تباہی یکے بعد دیگرے ہونی تھی اور فرانس کی طاقت کو بتدریج ختم کرنا تھا۔ یوں ہٹلر نے فرانس کو تنہا کرنے اور تباہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اِس تحت میں وہ اپنے پیشرووں فریڈرک اعظم اور بسمارک کی پالیسی اور یورپی روایات کے خلاف جا رہا تھا۔ بسمارک نے ۱۸۵۶ء میں لکھا تھا "فرانس کا بڑی طاقت کے طور پر موجود رہنا ہمارے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی دوسری بڑی طاقت کا۔" مگر نازی نظریہ مختلف تھا اور شروع سے

٦- ایضاً - ص ۹۲۸

انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ فرانس کو جرمن نوآبادی سے زیادہ وقعت نہ ملنی چاہیے۔

(۲)

نازیوں کے نظریے کے مطابق جرمنی عساکر جنگی مشین کی تیز دھار کا مقام رکھتی تھیں۔ ان کی تدبیرات کلی کے اصولوں کے تحت عسکری اقدامات اور جنگ کا دشمن کے خلاف پہلا قدم نہ تھیں بلکہ آخری قدم۔ اس لئے ہٹلر کی فتوحات کا کامیاب ترین دور وہ تھا جب اس نے خون بہائے بغیر فتوحات حاصل کیں، میونخ بھی ان میں شامل تھا۔ روح عسکریت، بین جرمنیت، مخالفتِ یہودیت، نسلی برتری، ریاست کی تعظیم اور ہٹلر کے پروگرام کے دوسرے نکات جرمن تاریخ میں سمو چکے تھے، نازیوں نے انہیں اپنی مقصد براری میں خوب خوب استعمال کیا۔

اس کی تفاصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ ہٹلر نے کس طرح جرمن قوم کے نفسیاتی اور جذباتی رجحانات کے استعمال سے جذبۂ جنگ کو تند و تیز کیا۔ اس نے انہیں یہ ماننے پر آمادہ کر لیا تھا کہ ۱۹۱۸ء کے نومبر میں جرمن قوم نے آزادانہ طور پر ہتھیار رکھ دئے تھے کیونکہ ولسن نے ان سے فیاضانہ صلح کا اقرار کیا تھا اور بعد میں جس اقرار سے ولسن منحرف ہو گیا تھا۔ اسی کو ہٹلر "تاریخ کا عظیم ترین انحراف" کہتا تھا۔ جرمن شباب کو اس نے مجاہدانہ زندگی بسر کرنے، جرمن قومیت میں اعتماد اور اپنے فیوہرر کی مکمل وفاداری کی تلقین کی۔ اس سبق میں عالمی امن کے لئے کوئی خوش آئند بات نہ تھی۔

جرمنی کی اقتصادی لام بندی کی کہانی کہی جا چکی ہے اور اسے دہرانا لاحاصل ہے۔ البتہ یہ کہنا ضروری ہو گا کہ نازیوں نے جرمن جنرل شاف سے یہ سبق سیکھا تھا کہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی کلی جنگ حقیقت میں حسبِ ضرورت کلی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۹ء کی جنگ میں جب جرمن فوج شامل ہوئی تو اسے بہتر ساز و سامان میسر تھے۔ اب اس کے محفوظات کی مقدار بھی دنیا کی دوسری فوجوں سے زیادہ تھی۔ نازیوں کا تصورِ کلی جنگ ان کے نظریاتِ کلی ریاست پر مبنی تھا۔[۱]

ہٹلر دوسری قوموں میں تفرقہ پیدا کرنے میں ماہر تھا۔ اس نے راشننگ سے کہا تھا "ذاتی

۱۔ اے۔ ٹی۔ لاڑ ٹیک: "اقتصادیات جوردی میں" (پرنسٹن ۱۹۴۳ء) ملاحظہ ہو۔

انتشار، احساسات کا تضاد، دو دلی خوف و ہراس یہ ہیں ہمارے ہتھیار ۔" اسی لئے جب جاپان کے ساتھ جرمنی کا معاہدہ ہؤا تو دنیا کو یہ بتایا گیا کہ یہ کامنٹازن معاہدے کا توڑ تھا اور بالشویت کے خلاف محاذ قائم کرنے کے مترادف تھا۔ یہودیوں کی مخالفت کو مختلف طبقوں کے لئے مختلف رنگوں میں پیش کیا گیا اور ہر جگہ پر اسے مختلف طریقے پر سمجھا گیا۔ جو لوگ ہٹلر کی مخالفت کی ہمت کرتے انہیں صلح کن قوموں کے سامنے "جنگ ساز" کہا جانے لگا۔ اس طرح بیرونی ممالک میں اس قدر ذہنی انتشار پیدا کیا گیا کہ یورپ کے ریاست کار یہ فیصلہ کرنے کے ناقابل ہو گئے تھے کہ ان کے ملکوں کا مفاد کس بات میں ہے۔ اور ان کے لئے کون سا بہترین ردّ عمل ہے۔ اس پہلو سے سپین بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ کیاتو تو یہ کہتا تھا کہ اب سرحدیں مٹ چکی ہیں۔ اب صرف تزویراتی مقامات رہ گئے ہیں۔" دوسری طرف غیر فاشستیوں کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ سپین میں دو ہی مفاد موجود ہیں۔ اولاً بالشویکیت اور دوم کیتھولک مذہب اگر اس نے شیکوسلواکیا کی بے کشت و خون فتح کے سوا اور کوئی کامیابی حاصل نہ کی ہوتی تب بھی ہٹلر کا نام تاریخ کے صفحات میں سیاسی جنگ کے ماہروں میں شمار ہوتا۔

نازی معاشرے میں جنگ اور صلح کے درمیان کوئی واضح حد قائم نہیں تھی اور نازی صلح کی بجائے جنگ کو معاشرے کی تمام حالت تصور کرتے تھے۔ نازی جرمنی کی جنگی تیاریاں ان کی انقلابی مصروفیتوں کا ایک پہلو تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلحہ بند جارحیت کی ضرورت نہ رہے اور اگر بالفرض بجائے اس تک نوبت پہنچ جائے تو پھر فتح کے امکانات یقینی ہو جائیں۔ صلح اور جنگ دونوں ایام میں ہٹلر کی تزویرات کو تزویرات خوف و ہراس کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جرمنی میں طاقت حاصل کرنے کیلئے اس نے "گلیوں کی لڑائی" جیتی، اپنی طاقت رکھنے کے لئے اس نے لوگوں کو قید کیا، زدوکوب کیا، اور مناسب سمجھا تو انہیں قتل بھی کیا۔ یورپ میں اپنی من مانی کرنے کے لئے اس نے یہی طریقے جرمنی کی سرحدوں کے باہر بھی اختیار کئے۔ دوران جنگ جرمن فضائیہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ دشمن کی شہری آبادی میں خوف و ہراس پیدا کرے۔ جرمن فضائیہ کی تعداد اور طاقت بلکہ فرضی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مشتہر کیا گیا۔

۸۔ ہرمن رے واشننگ: "تباہی کی آواز" (نیو یارک سنہ ۱۹۴۰ء) ص ۹۔

اگر ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء کے عرصہ کو سرسری طور پر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہٹلر کی سیاسی تزویرات کو یکے بعد دیگرے کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں اور اس نے ایک بھی غلطی نہیں کی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان تمام کا حاصل مختلف حصوں کے مجموعے کا جواب نہ تھا بلکہ نتیجہ بالکل ہی مختلف تھا۔ یعنے غلطی نہ کرنا ہی ایک بڑی غلطی تھی۔ اِس لیئے کہ آخر کو وہ دن آنا تھا جب دُنیا دھوکے میں آنے سے انکار کر دیتی اور مخالفت کے انجام کی طرف نگاہ نہ پہنچتی۔ آخر کار برطانیہ کے باشندوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ صلح صرف ایک ہی قیمت پر خریدی جا سکتی تھی اور اس قیمت کی ادائگی صرف "خون، پسینہ اور آنسو" ہی کر سکتے تھے۔

(۲)

میونخ اور اس کا مابعد۔ یعنے ۱۹۳۹ء میں زیکوسلاواکیا پر قبضہ، ہٹلر کی آخری بے کُشت و خون فتح تھی۔ گو ۴۱-۱۹۳۹ء کے واقعات نے ہٹلر کو سیاسی اور نفسیاتی جنگ کی کامیابی کے کافی مواقع دئے اس کے باوجود غیر عسکری عمل کے دن اب بیت چکے تھے۔

ہٹلر کی عسکری تزویراتی قابلیت کے متعلق کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہو گا۔ آثار کچھ ایسے ہیں کہ تاریخ شاید ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ ابھی ہمیں پولینڈ، ناروے فرانس اور بلقان ممالک کی مہمات کے فیصلہ کن عوامل اور ہدایات کا شخصیتوں کے متعلق پورا علم نہیں کہ ہم جرمن تزویرات اور تدبیرات پر تنقید کر سکیں۔ البتہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کلی نظام کے ممالک میں آمر کے احکام ہی مانے جاتے ہیں تو ہٹلر ۱۹۴۱ء تک جنگ کو کامیابی سے جاری رکھنے کی داد کا حقدار ہے۔ اس نے اپنے دشمنوں کی طرف یکے بعد دیگرے رجوع کیا۔ پولینڈ کو فرانس سے پہلے فتح کیا اور پھر انگلستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے فرانس کو ختم کیا۔ ناروے کی مہم کا شمار جدید عسکری تاریخ کے بہترین عسکری اقدامات میں کیا جا سکتا ہے جس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ جرمن کے شمالی پہلو کی حفاظت ہو سکے بلکہ برطانوی بحری طاقت پر حملہ کیا جا سکے۔ ناروے سے سپین تک بحر اوقیانوس کے یورپی ساحل کی فتح برطانوی بحری طاقت کے لئے مہلک نہیں تھی۔ مگر اس کی وجہ سے آبدوزوں کے خلاف لڑائی مشکل ہو گئی تھی اور اس سے برطانیہ کی آبادی کے پائے استقلال میں لغزش پیدا ہو گئی تھی۔ فرانس

کی شکست کے وقت جو برق نازی عمل میں لائی گئی۔ وہ قابلیت اور خوف میں اپنا نمونہ آپ تھی۔ یہ فتح یورپ پر تسلط قائم کرنے کے لئے جرمنی کا پہلا قدم تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ہٹلر نے یہی کہا تھا۔

اس کے بعد سے ہٹلر اور جرمن نازی جنگی منصوبوں میں رخنہ سا پڑ گیا۔ اگر ہٹلر کو جیتنے کا واحد موقع عطا ہوا تھا تو وہ اس وقت تھا جب فرانس ختم ہو چکا تھا اور برطانیہ بری طرح غیر منظم تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ ہٹلر نے برطانیہ پر اس لئے حملہ نہیں کیا کہ وہ احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا یا اپنے پروگرام پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ بہر کیف اس نے یہ موقع کھو دیا۔ اس کے بعد جب برطانوی شاہی فضائیہ نے جرمن فضائیہ کو شکست دی تو جنگ نے کروٹ بدل لی۔ ساتھ ہی ساتھ ہٹلر سے سیاسی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ مفتوح ممالک پر اس نے کوزلنگ اور لاول جیسے غداروں کے توسط سے پہلے تو اشتراک باہمی کا ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالا اور پھر تھوڑے سے عرصے کے لئے ان کے عقائد کی ناکام اصلاح کی۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔

جب اتحاد شوروی پر حملہ ہوا تو ۱۹۱۴-۱۸ء کی طرح جرمنی کو ۱۹۴۱-۴۳ء میں دوبارہ دو رخی جنگ لڑنی پڑی۔ یہ جنگ بالآخر نازی اعمال کی سزا ثابت ہوئی۔ اب ہٹلر نے محسوس کیا کہ اس کی حالت بعینہٖ وہی تھی جو پہلی عالمی جنگ میں شہنشاہ ولیم دوم کی تھی اور جسے اُس نے "میری جدوجہد" میں اس قدر کم مایہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہٹلر نے بھی وہی سبق حاصل کیا جو اس سے ماقبل کے فاتح بارہا سیکھ چکے تھے۔ یعنے جنگ میں صرف آخری لڑائیاں قابلِ شمار ہوتی ہیں ؎

آبدوز	submarine
ضد آبدوز	anti-submarine
آتارکی	Autarky
آتارکیانہ	autarchic
آتشی ہتیار	fire arms
اتصال	contact
اتلاف	casualties
اثر پذیر	vulnerable
اجباری بھرتی	conscription
اجباری پیادہ	conscripted foot soldier
اجتماع	concentration
قواء کا اجتماع	concentration of forces
سپاہ کا اجتماع	concentration of troops
فیری اجتماع	concentration of fire
اچٹتا فیر	ricochet
ارتباط	co-ordination
ارتداد	retreat
آزاد کمان	independent command
استخبارات	intelligence
اسلحہ بند جارحیت	armed aggression
اسلحہ بند قوم	nation in arms
اسلوب قلعہ بندی	system of fortification
اطلاقی سائنس	applied science
اعزامیہ	expedition
اعزامی قواء	expeditionary force
اعزامی فوج	expeditionary army
اعلیٰ تزویرات	grand strategy
اقدام	initiative
اقتصادی لام بندی	economic mobilization
اقدام/اقدامات	operation/s
اقدامی خطوط	lines of operations
اقدامی علاقہ	field of operations
اقدامی مستقر	base of operations
الحاقی جنگ	war of coalition
امدادی فوجیں	auxiliary troops
انخلاء (اخراج)	evacuation
اندرونی خطوط	interior lines
انشائیت	originality
انصرام	logistics
انضباط	discipline
انقلابی معرکہ آرائی	insurrection
ایڈی کانگ	aid-de-camp
بحری	naval
بحری طاقت	maritime power
بحری قزاقی	piracy/pirateering
بحریہ	navy
بدرقہ	escort
برتر قوت	superior force
برج	tower
برقتازی	blitzkrieg
بریگیڈ	brigade
بکتر	armour
بکتربند	armoured
بکتربند جہاز	armoured ship
بکتربند گاڑی	armoured car
بھرتی	recruitment
بھرپور لڑائی	full size battle
بے بشر علاقہ	no man's land
بیرونی اقدامی خط	outer line of operation
بیرونی چوکی	outpost
بیرونی خاکریز	glacis
بیرونی خطوط	exterior lines
بیڑا	fleet
بین قومی اشتمالی کانفرنس	communist international
پرامن تداخل	peaceful penetration

پرداول	screen (troops)
پردہ	curtain (of fire) and region between bastians.
پریڈ میدان	parade garden
پس رفت	recoil
پس قدمی	withdrawal
پناہ	shelter
پن طاقتی	hydraulic
پھل	blade
پہلو	flank
پہلوئی حرکت	flanking movement
پیدا کن دولت	productive wealth
پیش اول	vanguard
پیش مستقر	advance base
پیش قدمی	advance
پیشہ ور سپاہی	professional soldier
پیشہ ور فوج	professional army
تار پیڈو	torpedo
تباہ کاری کی تزویرات	strategy of annihilation
تباہ کن جہاز	destroyer
تباہ کن لڑائی	battle of annihilation
تجارتی بیڑا	merchant marine
تجارتیت	mercantilism
تجارتیتی ریاست	mercantilistic state
تجارتی قوانین	mercantile legislation
تدبر	diplomacy
تدبر کار	diplomat
تدبیرات	tactics
تدبیراتی	tactical
تدبیر کار	tactician
تدبیراتی تشکیلات	tactical formations
تدبیراتی جمعیتیں	tactical bodies
تدبیراتی مہاجمہ	tactical offensive
تدبیراتی نظریہ	tactical doctrine
تدبیراتی وحدت	tactical unit
ترک اسلحہ	disarmament
تحفظیت	protectionism
تحفظی محاصل	protective duties
تربیت	training
ترچھی ترتیب	oblique order
تزویرات	strategy
تزویر کار	strategist
تزویراتی اقدام	strategic intitative
تزویرات عظیم	grand strategy
تسخیر اجباری	requisition
تلف/اتلاف	casuality/s
تحدید	expansion
تنصیب	installation
تنظیم	organization
توپ	gun/cannon
توپ انداز	artillerist
توپ خانہ	artillery
ٹڈی دل فوجیں	mass armies
ٹھوس وحدتیں	solid units
جارح	aggressor
جارحیت	aggression
جائے ماندن	Lebensraum
جائزہ	appreciation
جبری بھرتی	conscription
جغ سیاست	geopolitics
جغ سیاستدان	geopolitician
جنگ	war
آزادی کی جنگ	war of liberation
حرکتی جنگ	war of movement
حرکی جنگ	mobile warfare
چال کاری کی جنگ	war of maneuver

war of aggression	جارحانہ جنگ
lightning war	براقی جنگ
defensive war	دفاعی جنگ
siege warfare	محاصری جنگ
trench warfare	خندقی جنگ
war of position	مقاماتی جنگ
offensive war	سہاجمی حنگ
limited war	محدود جنگ
war of annihilation	مکمل تباہی کی جنگ
geometry of war	جنگ کی اقلیدس
totalitarianism of war	جنگ کی کلیت
junior	جونیر
thermo nuclear weapons	جوہری ہتیار
corps	جیش
officer corps	جیش افسران
maneuver	چال کاری
repeating rifle	چند ضربی رفل
scaffold	چوب بست
buffer	حاجز
weapon	حربہ
mobile	حرکی
mobile operation	حرکی اقدام
mobility	حرکیت
dynamics	حرکیات
dynamic defence	حرکیاتی دفاع
mobile strategy	حرکی تزویرات
mobile warfare	حرکی جنگ
mobile reserve	حرکی محفوظہ
attack	حملہ
morale	حوصلہ
dynastic war	خاندانی جنگ
socket	خانہ - گھر
line	خط
line of retreat	خط ارتداد
trajectory	خط حرکت
mortar	خندق توپ
trench warfare	خندقی جنگ
automatic weapon	خود عمل ہتھیار
radius of action	دائرہ عمل
in fighting	درونی لڑائی
detachment	دستہ
defence	دفاع
defensive	دفاعی
defender	دافع
defensive thought	دفاعی فکر
defence in depth	دلدار دفاع
active defence	فعال دفاع
defences	مدفوعات
defensive	دفاعیہ
beaurucratic absolutism	دفتری مطلقیت
war of two fronts	دو رخی جنگ
strategy of encirclement	دوری تزویرات
battle of encirclement	دوری لڑائی
double line of operation	دوہرا اقدامی خط
drill	ڈرل
drill field	ڈرل میدان
liaison	رابطہ
cavalry	رسالہ
supply	رسد
supply lines	رسدی خطوط
transportation	رسلیات
ceremonial cruise	رسمی سفر
rifleman	رفلچی - رفل بردار
charge (in a round)	رنجک
to explode	رنجکانا
explosive (adj.)	رنجکی

رکاوٹی دیوار	retaining wall
روح رفاقت	espirit de corps
رومی خیل	Roman legion
زمرہ	echelon
زمینی مستقر	land base
زمینی مطالعہ	topography
ساز	equipment
ساحلی مورچہ	beachhead
ساکن دفاع	static defence
سامان برداری	baggage train
سامان حرب	munitions of war
سائنسی انشائیت	scientific originality
سپاہ	Troops/Army corps
سپاہ کا اجتماع	concentration of troops
سٹاف	staff
سد سمندری	break water
سرنگ	mine
سلبیت	passivity
سنبا	pike
سنگڑ - سدراہ	barricade
سنداسی حرکت	pincer movement
سفر مینا	sappers and miners
سکھلائی	training
سوارہ	mounted troops
سوارہ جیش	cavalry corps
سینہ پناہ	parapet
شلجمی	parabolic
شماریات	statistics
شہری فوج	citizen army
صدر مقام	Headquarters
صد سالہ جنگ	hundred years war
صدماتی تدبیرات	shock tactics
صدماتی عمل	shock action
صف کے افسر	officers of the line
صنعت	industry
صنعت بندی	industrialisation
صنعت کار	industrialist
صنعتی فنیت	industrial technology
صیغۂ فوج	arm of service
ضابطۂ حرب	battle procedure
ضد آبدوز	anti-submarine
ضربہ	missile
ضربی طاقت	striking power
صیانت	security
ضوابط میدان جنگ	field service regulation
طاقتی توازن	balance of power
طاقتی سیاست	power politics
طبقاتی شعور	class consciousness
طرز کار	designer
طلایہ	scout
طلایہ جہاز	scouting ship
طوائف الملوکی	anarchy
عاشرہ	decade
عالمگیر جبری بھرتی	universal liability to military service
عالمی خدمت	universal service
عامل	factor
عرفانی دور	era of enlightenment
عزم	morale
عساکر	armed forces,
عسکرانا	to militarize
عسکری	military
عسکری ادارے	military institutions
عسکری روایات	military traditions
عسکری نظریات	military theories
عسکری فکر	military thought

عسکری فنیت	military technology
عسکری صیانت	military security
عسکری طاقت	military power
عسکری مشین	military machine
عسکری فن تعمیر	military architecture
عسکری عمرانیات	military sociology
عسکری عدالت	military courtmartial
عسکری ضربتی طاقت	military striking power
عسکریاتی	militaristic
عسکریت	militancy
علم نظری	theory
عالم نظری	theorist
علم ہیئت	astronomy
عظیم جرمنیت	Pan Germanism
عظیم منصوبہ	master plan
عمری حد	age limit
عقبی مواصلی خطوط	rear lines of communications
غزواتی جنگ	guerre de course
غول	horde
غیر حرکی	immobile/static
غیر مقاتل	non combatant
غیر فعالی قواء	inactive forces
فرار	desertion
فصیل	rampart
فضائی برتری	air superiority
فضائی صیغہ	air arm
فضائیہ	air force
فضا کی کمان	command of the air
فعال دفاع	active defence
فوج	army
اجباری فوج	conscript army
اعزامی فوج	expeditionary army
مستقل فوج	permanent army
قائم فوج	standing army
قلیل المیعاد فوج	short service army
قومی فوج	national army
فنی جیش	technical corps
فن حرب	art of war
فن استخراج	metallurgy
فوج کشی	invasion
فیر	fire
فیری اجتماع	concentration of fire
فیری بند	(fire) barrage
فیری طاقت	fire power
قذیفہ	projectile
قلعہ	fortification/fort/enciente
قلعہ بند سرحد	fortified frontier
قلعہ بند علاقہ	fortified zone
قواعد	rules/drill
قوت/قواء	force/forces
قومی خدمت	national service (military)
قومی فوج	national army
کاٹتا فیر	cross fire
کار خصوصی قوت	special task force
کالم	column
کرائے کا سپاہی	mercenary
کرنل	colonel
کروزر	cruiser
کل رفل	machine gun
کل رفل بردار	machine gun carrier
کلی جنگ	total war
کلیت	totalitarianism
کلیتی ریاست	totalitarian state
کلیتی اقتصادیات	totalitarian economics
کمان	command
آزاد کمان	independent command

کمان افسر commanding officer
کماندار commander
کماندار اعلیٰ commander in chief
کمان عظمیٰ supreme command
کمان کا سلسلہ chain of commad
کمپنی company
کوچ کی تجویز order of march
کیڈٹ cadet
گارود ammunition
گھیرا cordon
گھیرے کی لڑائی battle of encirclement
لادینی secular
لام بندی mobilization
لرثومہ organism
لڑائی battle
بھرپور لڑائی full size battle
لڑائی کی ترتیب battle order
لشکر division
مار range
مبارز فوج field army
متحد المرکز اقدامات concentric operations
متحدہ کمان unified command
مج sledge
مجتمع فیر concentrated fire
محارب belligerent
غیر محارب non belligerent
محاصرہ siege
محاصرہ کاری siegecraft
محاصری جنگ siege war-fare
محاصری چال encircling maneuver
محدود جنگ limited war-fare
محافظ فوج garrison
محفوظ reserve
محفوظ راستہ covered way

مخاطرہ طلب adventurer
مربوط علاقے pan regions
مزاحم طیارہ intercepter aircraft
مزمن بحران chronic crises
مستقر base
اقدامی مستقر operational base
پیش مستقر advance base
زمینی مستقر land base
مشین بردار mechanised
مطلقی جنگ absolute war
مطلقی ریاست absolute state
معرکہ action
معظم الجیش main body
معقل redoubt
مقاتل combatant
مقاماتی جنگ position warfare
مقصد aim
مقصود objective
ملیشیا militia
منجنیق caterpiller (stone throwing mortar)
منجنیقی ballistic
منجنیقی ضربہ ballistic missile
منصوبہ plan
منقطع جماعتیں detached parties
مواصلی خطوط lines of communications
عقبی مواصلی خطوط rear lines of communication
مورچہ position
موٹر بردار motorized
مہاجمہ offensive (n)
مہاجمی offensive
مہاجم دفاع offensive defence
مہاجم جنگ offensive war
مہاجمی ناگہانیت offensive surprise

مہم campaign
مہمی تزویرات campaign strategy
مہمائی منصوبہ campaign plan
میدان جنگ battle-field
میدانی توپخانہ field artillery
میدانی قواء field forces
میدانی تشکیلات field or battle formations
میکانیکی mechanical
ناظر commissar
ناکہ بندی blockade
ناگہانیت surprise
ناگہانی وار کرنا to surprise
نائک corporal
نصف چاندنیاں demi-lunes
نظام قلعہ بندی system of fortifications

نظریاتی theoretical
نفری طاقت man power
نفیر عام levee-en-masse
نقشہ کشی cartography
نکتۂ آغاز starting points
نکتۂ نزول point of disembarkation
نو آبادیاتی جنگ colonial warfare
نو اسلحہ بندی rearmament
وحدت unit
تدبیراتی وحدت tactical unit
ہدایتکاری کرنا to direct
ہدایتی ضربہ guided missile
ہراول advance guard
ہلہ charge
رسالے کا ہلہ cavalry charge
سنگینی ہلہ bayonet charge
یورش assault